کتنا سہل جانا تھا
نگہت سیما

کتنا سہل جانا تھا

نگہت سیما

علم و عرفان پبلشرز

34۔اردو بازار، لاہورفون: 7352332-7232336

کتنا سہل جانا تھا

15 اپریل 1994ء

مجھے ڈائری لکھنے کا کبھی شوق نہیں رہا لیکن پھر بھی آج کل بڑی باقاعدگی سے لکھ رہی ہوں۔ حالانکہ میرے پاس لکھنے کے لئے کوئی خاص بات نہیں ہوتی۔ بس یہی کہ آج میں یونیورسٹی گئی تھی۔ میں نے ریڈ سوٹ اور بلیک ٹراؤزر پہنا ہوا تھا۔ بلیک ہی فل بازو والی جرسی تھی اور بلیک ہی اسکارف تھا۔ نمرہ نے فلاں کلر کا ڈریس پہنا ہوا تھا اور یہ کہ فاریہ آج کل فل میک اپ کے ساتھ یونیورسٹی آئی تھی اور اس نے اپنی مخصوص براؤن کلر کی لپ اسٹک لگا رکھی تھی اور اردو ڈپارٹمنٹ کی فائزہ علی آج بھی ٹائٹ پہنے ہوئے تھی حالانکہ ماریہ حیدر اسے کتنی دفعہ اشاروں میں بتا چکی ہے کہ وہ ٹائیٹس پہن کر بالکل کارٹون لگتی ہے اور یا یہ کہ آج کھانے میں چکن بریانی تھی اور حسب معمول فضل داد نے چکن میں نمک زیادہ اور بریانی میں کم کر دیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ شوق تو نمرہ آپا کو تھا۔ وہ ہر سال نئی ڈائری خریدتی تھیں اور بڑے اہتمام سے ہر شام اپنے کمرے میں بیٹھ کر ڈائری لکھا کرتی تھیں اور ہم سب حیران ہوا کرتے تھے کہ آخر آپا ڈائری میں کیا لکھتی ہیں۔

''ڈائری تو جب لکھی جاتی ہے جب کوئی محبت وحبت کا چکر ہو۔''

ایک بار چھوٹی خالہ کی مصباح نے انکشاف کیا تھا اور مونی نے اس نامعلوم رومانس کا سراغ لگانے کی حتیٰ الامکان کوشش کی تھی اور پھر ناکام ہو کر رہ گیا تھا۔

''کیا کچھ پتا چلا؟''

مونی اور میں حمزہ آپا کے پراسرار رومانس کے متعلق جاننے کو بہت بے چین ہو

رہے تھے۔

"ارے! یہ کیا رومانس کریں گی۔" مونی حد درجہ مایوس تھا۔ دوپٹے میں لپٹی لپٹائی گھر سے برآمد ہوتی ہیں اور ادھر ادھر دیکھے بغیر سیدھی کالج اور پھر وہاں سے سیدھی گھر...... خواہ مخواہ خوار ہوا۔"

"خیر، پھر کسی دن کوشش کر کے دیکھنا۔ شاید کچھ پتا چلے۔" سونی نے اسے تسلی دی۔

"مجھے یقین ہے۔ مصباح غلط نہیں کہتی۔ تم ایک کوشش اور کر کے دیکھ لو۔"

"خواہ مخواہ۔" مونی نے صاف انکار کر دیا۔ "سونی تو مصباح کی ہر غلط صحیح بات پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لیتا ہے۔"

مونی کو اپنی محنت ضائع جانے کا سخت دکھ تھا۔

"تو پھر بھلا حمزہ آپا کیا لکھتی ہیں اپنی ڈائری میں؟" سونی نے بحث کی۔

"آلو پیاز کا بھاؤ۔" مونی سخت جھلایا ہوا تھا۔

حمزہ آپا تو جانے کیا لکھتی تھیں۔ صفحے کے صفحے کالے کرتی رہتیں۔ میں اور مونی اچک اچک کر کھڑکی کی جالیوں سے دیکھتے اور حمزہ آپا لکھے چلی جاتیں۔ لیکن میرے پاس لکھنے کو کچھ بھی نہیں ہے پھر بھی میں نے ڈائری لکھنا شروع کر دیا ہے۔ شاید میں لاشعوری طور پر ہر وہ کام کرنے کی کوشش کرتی ہوں جو حمزہ آپا کرتی تھیں۔ حالانکہ حمزہ آپا کبھی بھی میرا آئیڈیل نہیں رہیں۔ بلکہ جب پہلی بار ممی نے حمزہ آپا کی آمد کے متعلق بتایا تھا تو مجھے ان کا نام سن کر انتہائی شدید شاک لگا تھا۔ بلکہ مجھے ان کے نام پر سخت اعتراض تھا۔ کیونکہ...... حمزہ میرا پسندیدہ ترین نام تھا۔ جب میں لاسٹ ائیر کراچی جا رہی تھی بڑے ماموں کے ہاں تو میرے ساتھ والی سیٹ پر جو بچہ تھا۔ اس کا نام حمزہ تھا۔ نیلی آنکھوں، گولڈن بالوں اور گلابی رنگت والا وہ بچہ اتنا پیارا تھا کہ میں نے اسی وقت سوچ لیا تھا کہ نجو چچا کے ہاں بیٹا پیدا ہو گا تو میں اس کا نام حمزہ رکھوں گی۔ لیکن ان کے ہاں بیٹے کے بجائے بیٹی نے آ کر مجھے انتہا سے زیادہ مایوس کیا تھا۔

"اف او اب میں حمزہ کس کا نام رکھوں گی" "نہ نہ تم" اس قدر مایوس نہ ہو...... ہم آخر تمہارے بھائی کس دن تمہارے کام آئیں گے۔"

مونی اور سونی دونوں میری مایوسی پر انتہائی دل گرفتہ تھے۔

"ہم دونوں میں سے جس کے ہاں پہلے بیٹا ہوا، تم اس کا نام حمزہ رکھ دینا۔" مونی نے فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔

"لیکن تمہاری شادی تک تو دس لاکھ بچوں کا نام حمزہ رکھا جا چکا ہو گا۔"

"وہ تو خیر دس لاکھ بچوں کا اب بھی حمزہ نام ہو گا۔" سونی نے بے نیازی سے کہا۔

"لیکن ہمارے خاندان میں تو کوئی نہیں ہے حمزہ نام۔"

"بے فکر رہو۔ ہماری شادیوں تک خاندان میں دس لاکھ بچوں کے اضافے کا ہرگز امکان نہیں ہے۔"

مونی نے ہر طرح مجھے تسلی دینے کی کوشش کی تھی لیکن میری مایوسی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ "پھر بھی تمہاری شادی تک تو اس نام کی مارکیٹ ویلیو ہی ختم ہو جائے گی۔"

"تو پھر......" مونی نے چٹکی بجائی۔

"ممی سے کہتے ہیں۔ وہ عفی بھائی کو فوراً امریکہ سے بلا کر ان کی شادی کر دیں۔"

"اول تو عفی بھائی امریکہ سے آئیں گے نہیں۔ اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر۔ دوسرے کیا خبر ان کے ہاں صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں۔"

سونی کی عادت تھی، ہمیشہ نیگیٹو بات کرنے کی۔ میں نے برا سا منہ بنا لیا۔

"دراصل اس کی اپروچ ہی غلط ہے۔" مونی نے مجھے تسلی دی۔

اور میں اچانک اچھل پڑی۔

"ارے ہم نزی آپی کو بھول ہی گئے ہیں۔ نزی آپی...... بس ٹھیک ہے نزی آپی کے ہاں۔ جب بھی کوئی فرزند ارجمند وارد ہوئے تو ان کا نام حمزہ رکھا جائے گا۔ زارا چچی نے مجھے سخت مایوس کیا تھا۔ لیکن نزی آپی سے مجھے ہرگز یہ امید نہیں تھی کہ وہ مجھے مایوس کریں گی۔

اور اسی شام جب نزی آپی اقتدار بھائی کے ساتھ آئیں تو میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"ارے کمال ہے۔ بچہ ہمارا ہو اور نام تم رکھو...... ویسے یہ خبر تم تک پہنچی کیسے کہ ہم ایک عدد فرزند کے والد ماجد بننے والے ہیں۔ جبکہ ہمیں خود بھی ابھی ابھی......"

انہوں نے شرارت سے نزی آپی کی طرف دیکھا تو وہ سرخ پڑ گئیں۔

"بس میں نے کہہ دیا ہے ناں کہ اس کا نام میں رکھوں گی۔"

"لیکن یہ تو سراسر فاؤل ہے۔"

اقتدار بھائی مسکرا رہے تھے۔ لیکن میں نے ان کی طرف دھیان ہی نہیں دیا اور نزی آپی کا ہاتھ تھام لیا۔

"اور اگر اس کی آمد سے پہلے ہی مر مرا گئی تو میری وصیت ہے کہ آپ اس کا نام حمزہ رکھیں گی۔"

میں نے دانستہ آواز میں رقت پیدا کر لی تھی۔

"وعدہ کریں نا آپی۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ تم زندہ رہو گی۔"

"اور اپنے بھانجے کا نام خود رکھو گی۔"

اقتدار بھائی نے لقمہ دیا۔

نزی آپی کو ہم سے یعنی مجھ سے بہت پیار ہے بلکہ ان کو ہی کیا سب کو ہی مجھ سے بہت پیار ہے۔ عفی بھائی یعنی عفان سب سے بڑے ہیں پھر نزہت آپی جن کو کبھی کبھی پیار سے نجی آپی یا نجو، نزی کہہ کر بلایا جاتا ہے، اور ان سے چھوٹے شان یعنی سونی اور پھر میران عرف مانی اور سب سے چھوٹی میں ہوں رمانہ...... میرا نام بڑے چچا نے رکھا تھا۔ وہ ان دنوں سعودیہ سے آئے ہوئے تھے۔ اور بقول مونی کے جب میں پیدا ہوئی تھی تو میرا رنگ بالکل انار کی طرح سرخ تھا اور عربی میں انار کو رمان کہتے ہیں۔ اور جب دادی بی نے بڑے چچا سے کہا کہ اس کا کوئی عربی نام رکھ دو تو انہوں نے جھٹ سے رمان کہہ دیا جو بعد میں رمانہ ہو گیا اور رمانہ سے رما رہ گیا...... سنا ہے میرے نام پر نجو چچا اور شفو ماموں نے سخت احتجاج کیا تھا۔ کہ اس نام کے کوئی خاص معنی نہیں ہیں۔

لیکن بڑے چچا نے یہ کہہ کر ان کی علیت پر پانی پھیر دیا تھا کہ آخر ہماری نانی اماں کا نام بھی تو اناراں بیگم تھا۔ چونکہ دادی بی کو اور ہمارے ڈیڈی جان کو بڑے چچا کی دل شکنی منظور نہ تھی کیونکہ وہ پورے چھ سال بعد سعودیہ سے تشریف لائے تھے۔ لہٰذا میرے لئے یہ نام منظور کر لیا تھا۔ سو میں گھر میں سب سے چھوٹی اور گھر بھر میں لاڈلی ہوں۔ ڈیڈی مجھے "تلچھٹ" کہتے ہیں اور نجو چچا لاڈ میں آ کر "للتھن" کہتے ہیں۔

مجھے کسی حمزہ آپا کی آمد کی خبر سن کر شاک سا لگا تھا۔

مونی نے میرے آگے ہاتھ لہرایا۔

"سکتہ ہو گیا ہے شاید۔"

سونی نے جو قریب ہی کھڑا تھا۔ سر جھکا کر مجھے دیکھا تو میں سکتے کی کیفیت سے باہر آئی۔

"مگر یہ تو سراسر مردانہ نام ہے۔" میں روہانسی ہو گئی۔

"بھئی گاؤں میں لوگ ناموں پر اتنا دھیان نہیں دیتے نا جیسے اب تمہاری تارا خالہ ہیں...... ان کا نام مختار ہے۔"

اور مجھے حیرت ہوئی تھی۔

مونی کو تو زخموں پر نمک چھڑکنے میں مزا آتا تھا۔

"ظاہر ہے۔ اب حمزہ آپا کی موجودگی میں نزی آپی کے فرزند ارجمند کے لئے تمہیں کوئی اور نام سوچنا پڑے گا۔"

"سوچ لوں گی۔ تمہیں کیا۔"

مجھے خواہ مخواہ ہی غصہ آ رہا تھا۔

"مجھے نہیں تو اور کسے ہو گا...... نزی آپی چند روز میں ہاسپٹل جانے والی ہیں اور اقتدار بھائی نے ہر جگہ اعلان کر دیا ہے۔ کہ ان کے جانشین کا نام آپ رکھیں گی۔"

"خیر، ایسی بھی پریشانی والی بات نہیں ہے۔" مونی نے ہمدردی جتائی۔ "میں کل ہی درجن بھر خواتین کے پرچے خریدتا لاؤں گا...... بھئی کیا کیا درنایاب مل جائیں گے۔"

"ہاں یہ صحیح ہے۔"

میں بظاہر تو مطمئن ہو گئی تھی لیکن مجھے حمزہ آپا کی آمد قطعی اچھی نہیں لگ رہی تھی...... آ جاتیں۔ ضروری آتیں...... کوئی نہ کوئی آتا ہی رہتا ہے۔ ممی کو شوق ہے مہربانیاں کرنے کا۔ جب بھی گاؤں جاتی ہیں۔ کسی نہ کسی کو ساتھ لگا لاتی ہیں۔ ابھی پچھلے سال گلاب خان آیا تھا پڑھنے کے لئے اور اس سے پچھلے سال نہ جانے کون...... حمزہ آپا بھی آتیں لیکن کیا ضروری تھا کہ ان کا نام حمزہ ہی ہوتا۔ کوئی اور بھی ہو سکتا تھا۔ سو میں ان کے آنے سے پہلے ہی ان سے سخت خفا تھی۔

حمزہ آپا امی کی کسی کزن کی بیٹی تھیں اور قریبی قصبے سے انہوں نے انٹر کیا تھا اور

اب بی اے کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن قصبے میں صرف انٹر کالج تھا۔ ممی گاؤں گئیں تو انہوں نے ہمیشہ جیسی فراخدالی کا مظاہرہ کیا۔

"اپنا گھر ہے..... حمزہ اطمینان سے رہے اور پڑھے۔"

انہوں نے اپنی کزن کو تسلی دی وہ کچھ متذبذب تھیں۔ لیکن ممی نے تو حمزہ آپا کے سخت گیر والد سے اجازت بھی لے لی..... اور گھر آتے ہی ان کی آمد کا اعلان کر دیا۔

"نزی کے جانے کے بعد رما بھی اکیلی ہو گئی ہے..... حمزہ کے آنے سے اس کی تنہائی بھی دور ہو جائے گی۔ لڑکوں کے اپنے شغل ہوتے ہیں..... پھر بے چاری کنیز فاطمہ بہت پریشان تھی۔"

انہوں نے ڈیڈی کو پوری تفصیل بتا دی تھی۔

اور ڈیڈی کو تو کبھی کوئی اعتراض ہوتا ہی نہیں تھا۔ پہلے گاؤں سے کوئی پڑھنے آتا تھا تو انیکسی میں ٹھہرتا تھا..... لیکن حمزہ آپا کے لئے میرے ساتھ والا کمرہ جو پہلے نزی آپی کا بیڈ روم ہوتا تھا۔ ممی نے سیٹ کروا دیا تھا۔ ممی ایسی چھوٹی موٹی نیکیاں کر کے خاندان میں بہت مقبول ہو گئی تھیں..... اور جب بھی گاؤں جاتیں، ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھیں۔ خوب خاطر تواضع ہوتی تھی ان کی۔

مجھے ممی کی اس نیکی پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بس مجھے ان کے نام پر شدید اعتراض تھا۔ سو میں ان کے آنے پر احتجاجاً کمرے سے باہر ہی نہیں نکلی تھی اور سرِ شام ہی سو گئی تھی۔ منکر نکیر یعنی شبو اور تبو دوبارہ مجھے رات کے کھانے کے لئے بلانے آئی تھیں لیکن میں سوتی بن گئی تھی۔ مگر پھر سچ مچ ہی مجھے نیند آ گئی تھی۔

سو صبح ناشتے پر ہی میری ملاقات ہوئی تھی ان سے۔" ممی نے میرا تعارف کروایا تھا۔

"یہ رما ہے اور یہ تمہاری حمزہ آپا ہیں۔"

سفید دوپٹا پیشانی تک اس طرح تھا جیسے استانی جی جو ہمیں بچپن میں قرآن مجید پڑھانے آتی تھیں۔ سفید شلوار اور براؤن یا مسٹرڈ رنگ کی گھٹنوں تک لمبی قمیص..... اب اتنا عرصہ گزرنے کے بعد رنگ، ٹھیک طرح سے یاد نہیں..... لیکن وہ زیادہ تر اسی طرح کے رنگ پہنتی تھیں۔

بڑی بڑی کشادہ آنکھوں پر جھکی ہوئی سیاہ پلکیں بھیگی سی تھیں بلکہ میں نے غور کیا تو ان کے رخساروں پر بھی آنسوؤں کے قطرے تھے۔

"ہیں! یہ کیوں رو رہی ہیں۔"

"دراصل ابھی ابھی ان کی اماں جان رخصت ہوئی ہیں۔"

مونی نے ابلا ہوا انڈا پورے کا پورا منہ میں رکھتے ہوئے بتایا۔

"اور انہیں ڈر ہے کہ ان کی اماں جان کی غیر موجودگی میں ہم انہیں ماریں گے یا کاٹ کھائیں گے۔"

"میں فطرتاً نرم دل واقع ہوئی ہوں اور آنسو تو کسی کی آنکھ میں بالکل نہیں دیکھ سکتی۔ سو وقتی طور پر میں بھول گئی کہ مجھے ان کے نام سے سخت اختلاف تھا۔ سو میں نے ان کا ہاتھ تھام کر تسلی دی۔ بلکہ یقین دلایا کہ۔

"یہاں انہیں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ممی تو انتہائی بے ضرر سی ممی ہیں اور مونی اتنا ڈرپوک کہ چھپکلی دیکھ کر پلنگ پر چڑھ کر چیخنے لگتا ہے رما۔ رما چھپکلی۔"

"اور سونی..... اب کیا بتاؤں، انہیں ڈیڈی ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے لیکن جب پہلے دن مینڈک کی ڈائی سیکشن کرنا تھی تو موصوف دھڑام سے نیچے گرے اور بے ہوش۔ ان کے دوست ناچار گاڑی میں ڈال کر گھر لائے اور تین دن تک مسلسل ابکائیاں آتی رہیں..... بلکہ اب بھی جب کبھی وہ خطرناک منظر آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے تو ان کا رنگ زرد ہو جاتا ہے اور یہ واش روم کی طرف بھاگتے ہیں۔"

"فاؤل..... فاؤل رما کی بچی یہ فاؤل ہے۔ تم تمام درون خانہ زاروں کا ابھی سے انکشاف کئے جا رہی ہو۔ وقت کے ساتھ خود ہی پتا چل جاتا ہے۔"

مونی نے میز پر مکہ مارا.......

"اوہ ہاں سوری۔" میں نے معذرت کی۔

"دراصل مجھے جوش میں اس بات کا خیال نہیں رہا تھا کہ میں درون خانہ رازوں کا انکشاف کر رہی ہوں۔"

اور حمزہ آپا حیرت سے لب وا کئے اور گھنیری پلکیں اوپر اٹھائے کبھی مجھے اور کبھی مونی کو دیکھ رہی تھیں..... میں ان کا ہاتھ پکڑے پکڑے بیٹھ گئی اور مونی سے پوچھا۔

"یہ سونی کہاں ہے۔"

"کمرے میں ہے...... دراصل حمزہ آپا کے نام کی ایسی دہشت پڑی ہے اس پر کہ ابھی تک تھری تھری جاری ہے۔ ویسے حمزہ آپا آپ کا یہ اتنا بہادرانہ نام کس نے رکھا تھا۔ اب دیکھیں نا اس نام سے تصور میں آتا ہے ایک بہادر سجیلا جوان تلوار ہاتھ میں پکڑے سفید یا مشکی، یا بلیک گھوڑے پر سوار دشمنوں کو کاٹتا گراتا چلا آتا ہے۔ کہاں یہ تصور اور کہاں آپ جیسی نازک حسینہ......

حمزہ آپا سر نیچا کیئے ہولے ہولے مسکرا رہی تھیں۔

"میری دادی جان نے یہ نام رکھا تھا۔"

"اگر وہ بقید حیات ہوں تو پلیز مجھے ان کا پتا دیجئے گا۔ میں ان سے نام رکھنے کی وجہ تسمیہ معلوم کروں گا۔ بلکہ انہیں مجبور کروں گا کہ وہ آپ کا نام بدل دیں۔ کیونکہ اس نام سے نہ صرف آپ کی نسوانیت مجروح ہوئی ہے بلکہ ہماری رما کے خواب بھی چکنا چور ہو گئے ہیں۔"

وہ مسلسل بول رہا تھا اور مجھے ایک بار پھر یاد آ گیا کہ حمزہ آپا نے آ کر نزی آپا کے ہونے والے فرزند ارجمند کے لئے میرے سوچے گئے نام کا بیڑا غرق کر دیا تھا۔ سو میں ان کا ہاتھ چھوڑ کر قدرے پرے بیٹھ گئی۔

لیکن حمزہ آپا اتنی اچھی، اتنی پیاری تھیں کہ زیادہ دن دور نہیں رہ سکیں۔

آج میں یونیورسٹی نہیں گئی تھی اور میرے پاس لکھنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ چند باتیں بھی نہیں جو میں ہر روز ڈائری میں لکھتی تھی اور پھر صبح سے میں کمرے میں ہی گھسی ہوئی تھی سو منکر نکیر سے بھی کوئی بات نہیں ہوئی، سونی بھی بڑے ماموں کی طرف کراچی گئے ہوئے ہیں اور مونی آج کل کھاریاں میں ہوتا ہے۔ کس قدر بوریت ہے۔ اور ڈائری میں لکھنے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ پتا نہیں میں حمزہ آپا اپنی ڈائریوں میں کیا لکھا کرتی تھیں۔ یہ تو کبھی پتا ہی نہیں چل سکا۔ میں نے مونی کے ساتھ مل کر کتنا کھوج لگانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن پتا نہیں وہ اپنی ڈائری کہاں چھپا کر رکھتی تھیں۔

میں سوچ رہی تھی کہ آج کیا لکھوں گی لیکن جب حمزہ آپا کے متعلق لکھنا شروع کیا...... تو میرے تو ہاتھ ہی تھک گئے ہیں۔ سو اب بس کرتی ہوں، صبح یونیورسٹی بھی جانا ہے۔ نہیں تو ممی خواہ مخواہ کلاس لے لیں گی...... اتنی بے ضرر سی ممی فضول میں چھٹی کر لینے پر اچھی

خاصی خونخوار ہو جاتی ہیں۔

8 اپریل 1990ء

آج کتنے دنوں بعد میں نے پھر ڈائری اٹھائی ہے۔ حالانکہ لکھنے کو اتنی باتیں تھیں۔ مثلاً یہ کہ مونی آیا تھا۔ پورے ایک ہفتے کی چھٹی پر اور لیفٹیننٹ کی یونیفارم میں اتنا سجیلا لگ رہا تھا کہ ممی نے فوراً اس کی نظر اتاری...... یہ اتنی ماڈرن سی ممی بھی کبھی کبھی بڑی دقیانوسی ہو جاتی ہیں۔ مثلاً کوئی چھ ماہ پہلے میں بیمار پڑ گئی تو انہوں نے فوراً میرے سر پر وار کر مرچیں جلائیں اور میرے جوتوں کی مٹی لے کر خدا جانے کیا کیا کرتی رہیں۔

ان کا خیال ہے کہ مجھے بہت جلد نظر لگ جاتی ہے۔ بچپن سے ہی۔ حالانکہ میں خود دس بندوں کو نظر لگا سکتی ہوں یہ اتنی بڑی بڑی آنکھیں ہیں میری، بقول مونی کے بھینس بھی ان آنکھوں کو دیکھ کر شرمندہ ہو جاتی ہے کہ واہ میری کیا آنکھیں ہیں جو رما کی ہیں۔ ہاں تو لکھنے کے لئے اتنی باتیں تھیں لیکن وقت ہی نہیں ملتا تھا اور حمزہ آپا تو چاہے کتنی بھی تھکی ہوئی ہوتیں۔ کتنی بھی دیر ہو جاتی، وہ ڈائری لکھے بغیر سوتی ہی نہ تھیں۔ جانے کیا عشق تھا انہیں ڈائری لکھنے سے۔

ممی، ڈیڈی دونوں کو ہی کتنا کریز ہے فضول پارٹیاں اور ڈنر ارینج کرنے کا...... اور ان پارٹیوں سے فارغ ہوتے ہوتے ایک بج ہی جاتا تھا لیکن حمزہ آپا آرام سے اپنی ڈائری نکالتیں اور بیڈ پر بیٹھ کر لکھنے لگتی تھیں۔ ان کے اور میرے کمرے کے بیچ دروازہ تھا۔ میں کبھی کبھی اس کی درز میں سے آتی روشنی دیکھ کر دروازہ کھول دیتی۔

"اب تو سو جایئے ناں حمزہ آپا! تھکی نہیں ہیں۔"

"بس چندا! یہ ڈائری لکھ لوں۔"

اور میں سوچتی کہ آج کے دن حمزہ آپا کی زندگی میں کوئی اہم واقعہ تو ظہور پذیر نہیں ہوا جسے لکھنا ضروری ہے۔ وہی عام سا دن تھا۔ جس میں ڈیڈی اور ممی کے دوستوں کی فیملی کا ڈنر تھا اور ڈنر میں بھی کوئی خصوصی ڈش نہیں پکی تھی۔ وہی روٹین کا۔

بریانی، چکن، تکے، کباب، کڑاہی گوشت اور سویٹ ڈش وغیرہ جو ہر ڈنر پر بنتے تھے۔ مگر حمزہ آپا تو حمزہ آپا تھیں۔

"تم سو جاؤ چندا! اگر ڈسٹرب ہو رہی ہو تو میں ٹیبل لیمپ جلا لیتی ہوں۔"

''نہیں، بھلا میں کیوں ڈسٹرب ہوں گی۔ میں اپنے کمرے کا دروازہ بھیڑ لیتی ہوں۔''

اور میں کتنی بھی نقل کروں حمزہ آپا نہیں بن سکتی اب ذرا مونی آیا ہوا تھا تو اتنے دن میں نے ڈائری لکھی ہی نہیں۔ مونی بھی تو سارا دن ادھم مچائے رکھتا ہے...... کوئی نہ کوئی ہنگامہ......

اور پھر آتے ہی اس نے سونی کو فون پر فون کھڑکانا شروع کر دیئے۔ حالانکہ اسے اچھی طرح پتا تھا کہ سونی کراچی جائے تو چھوٹی خالہ کی مصباح کی وجہ سے اس کا وہاں سے آنا مشکل ہو جاتا ہے اور پھر بے چارے کا کتنے عرصہ بعد وہاں جانا ہوتا ہے۔

''اب کمبل کو چھوڑ بھی دو۔''

''یار! کمبل مجھے نہیں چھوڑتا۔'' سونی نے وضاحت کی۔

''تم کیوں ظالم سماج بن رہے ہو۔''

میں نے مونی کو ٹوکا۔ لیکن اس نے حکم صادر کر دیا تھا کہ فوراً آ جاؤ۔ میرے جانے کے بعد چلے جانا۔

''یار! قدر کھو دیتا ہے ہر روز کا آنا جانا۔'' سونی دوسری طرف سے منمنایا تھا۔

''تو پھر نہ جانا۔'' مونی کا انداز ہمیشہ بے نیازی لئے ہوتا۔

''ایک ہی بار سہرا باندھ کر جانا۔''

''سہرا باندھنے میں ابھی بہت دیر ہے میں نے کل طوطے سے فال نکلوائی تھی۔''

''اچھا تو پھر کیا بتایا طوطے میاں نے۔''

''انتظار طویل انتظار...... یار......!'' اس نے سرگوشی کی۔

''تم عفی بھائی سے سفارش نہیں کر سکتے کہ وہ ذرا جلدی سے کیوں سے ہٹ جائیں تاکہ ہماری باری جلد آئے۔''

''میرا خیال ہے کہ عفی بھائی حمزہ آپا سے۔''

''نہیں...... بالکل بھی نہیں۔'' میں ایک دم بول پڑی۔

''یار! یہ رما ایکسٹینشن پر ہماری باتیں سن رہی ہے، پر اسرار جاسوسہ عرف کالی چور۔''

''ہاں پتا ہے مجھے، یہ میرے ساتھ کھڑی ہے۔'' مونی نے اطمینان سے کہا۔

''ہیں تمہارے ساتھ کھڑی ہے تمہیں پتا ہے اور تم مجھ سے راز اگلوائے جا رہے ہو۔''

''جی مجھے کوئی شوق نہیں آپ کی راز کی باتیں سننے کا، لیکن حمزہ آپا عفی بھائی سے ہرگز ہرگز شادی نہیں کریں گی۔ لہٰذا آپ کیو میں لگے رہیں۔''

''کیوں...... نہیں کریں گی...... کیا کمی ہے عفی بھائی میں...... اتنے وجیہہ خوبصورت، دولت مند، ایجوکیٹڈ، کوئی لڑکی انکار کر ہی نہیں سکتی۔''

''لیکن اس کے باوجود مجھے پتا ہے کہ حمزہ آپا کبھی بھی عفی بھائی سے شادی نہیں کریں گی۔''

''جبکہ عفی بھائی حمزہ آپا کے علاوہ کسی اور سے شادی ہرگز نہیں کریں گے۔'' مونی نے لقمہ دیا۔

دراصل اتنا عرصہ یورپ میں رہنے کی وجہ سے وہ پورے نہیں تو آدھے یورپین ضرور ہو گئے تھے، اور حمزہ آپا کو یہ آدھے تیتر، آدھے بٹیر قسم کی مخلوق ہرگز پسند نہ تھی۔

اس میں کچھ عفی بھائی کا بھی قصور نہ تھا۔ ایف ایس سی کے بعد ہی ڈیڈی نے انہیں باہر بھجوا دیا تھا۔ انہیں بڑا کریز تھا کہ ان کا ہر بچہ باہر سے تعلیم حاصل کرے اور اتنا ماڈ ہونے کے باوجود ممی نے خاصا شور مچایا تھا کہ ابھی وہ بالکل نا سمجھ ہے۔ دو سال اور پاکستان میں ہی تعلیم حاصل کر لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں کوئی میم انہیں پھانس لے اور وہ اپنے ولی عہد بہادر سے محروم ہو جائیں۔ دراصل اتنا ماڈ ہونے کے باوجود ممی کے خون میں ابھی تک کہیں کہیں دیہات کی خوشبو تھی۔ جس کی وجہ سے بعض اوقات وہ بالکل ایک دیہاتی ماں لگنے لگتی تھیں۔

لیکن زیادہ تر وہ ممی ہی رہتی تھیں۔

اس لئے جب عفی بھائی نے واپس جانے سے پہلے ممی سے اپنی خواہش بیان کی کہ وہ حمزہ آپا سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ممی تو مارے حیرت کے بے ہوش ہوتے ہوئے بچی تھیں انہوں نے تو برسوں سے سوچ رکھا تھا کہ اگر بھائی میموں کے سحر سے بچ بچا کر صحیح سلامت واپس آ گئے تو وہ مسز ہمدانی کی ولایت پلٹ بیٹی سے عفی بھائی کی شادی کریں گی

کیونکہ ان میں گوری چٹی میموں والی تمام خصوصیات موجود تھیں اور انگریزی بھی ان ہی کی طرح حلق سے بولتی تھیں بقول مونی کے نقل بہ مطابق اصل تھیں۔ مگر عفی بھائی نے حمزہ آپا کا نام لے کر ممی کو نہ صرف حیران بلکہ پریشان بھی کر دیا تھا ان کی حیرانی تو سمجھ میں آتی تھی لیکن پریشانی میری سمجھ سے باہر تھی اب جبکہ حمزہ آپا کو واپس گاؤں گئے چھ ماہ اور عفی بھائی کو واپس امریکہ گئے آٹھ ماہ ہونے والے ہیں۔ ممی ہنوز پریشان ہیں کہ شاید ابھی تک انہیں یقین نہیں آ رہا ہے کہ عفی بھائی نے حمزہ آپا سے شادی کے لئے کہا ہے۔ یا پھر مسز ہمدانی کی بیٹی کو بہو نہ بنا سکنے کا دکھ ہے۔

میں نے ریسیور رکھ دیا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

اور یہ حقیقت تھی کہ میرے پاس کوئی ثبوت تو تھا نہیں بس مجھے پتا تھا کہ حمزہ آپا عفی بھائی کو پسند نہیں کرتیں۔ پتا نہیں اتنے یورپین سے لگنے والے عفی بھائی کو لپٹی لپٹائی حمزہ آپا میں کیا نظر آ گیا تھا۔ ویسے تو حمزہ آپا کو ہمارے گھر میں سب ہی پسند کرتے تھے۔ بلکہ بہت پسند کرتے تھے۔

حمزہ آپا نے ہولے ہولے سب کے دل میں ہی جگہ بنا لی تھی۔ گھر کے بہت سارے کام اپنے ذمے لے لئے تھے۔ سونی، مونی اور مجھ سے ان کی بہت دوستی تھی۔

مونی تو ان کے آنے کے چند ہی ماہ بعد کاکول چلا گیا تھا۔ اس نے بغیر کسی کو بتائے بالا ہی بالا سب کچھ کیا تھا۔ اقتدار بھائی کو اس نے ساتھ ملا رکھا تھا اور جب اس نے ممی کو اپنے کمیشن ملنے کا بتایا تھا تو ممی نے متوسط طبقے کی ماؤں کی طرح خوب واویلا کیا تھا۔ انہیں مونی کا آرمی میں جانا قطعی پسند نہ تھا۔ لیکن مونی تو بچپن سے وہی کرتا چلا آیا تھا جو اس کا دل چاہتا تھا۔

آخر یہ اتنا بڑا بزنس کون سنبھالے گا؟ ایک کو وکیل بننے کا شوق چرایا ہے اور دوسرے آرمی میں جا رہے ہیں۔"

"بن جائے وکیل۔" ڈیڈی ہمیشہ کے کول مائنڈڈ تھے۔ "خوار ہو کے واپس بزنس میں ہی آئے گا۔ لاء کر کے سیٹ ہونے میں بہت ٹائم لگے گا اور صاحبزادے ٹکیں گے نہیں۔"

"اور اگر ٹک بھی جائیں۔" مونی نے لقمہ دیا تھا۔ "تو عفی بھائی تو ہیں نا۔ ایم بی اے کر کے انہوں نے ڈیڈی کا ہاتھ ہی تو بٹانا ہے۔ ان کی یہ فارن ڈگری کس کام آئے گی۔"

اور مونی ایبٹ آباد چلا گیا۔ اور وہاں بھی حمزہ آپا کے ہاتھوں کے پکے کھانے اسے یاد آتے رہے۔ ہمیں تو پتا ہی نہ چلا تھا کہ کب حمزہ آپا نے کچن کا کام بھی سنبھال لیا تھا۔ وہ تو ایک دن کھانا کھاتے کھاتے اچانک سونی نے فضل داد کو آواز دی۔

"یار! یہ کوفتے...... یہ اتنا ذائقہ تمہارے ہاتھ میں کہاں سے آ گیا ہے کیا کہیں سے ٹریننگ لے رہے ہو۔"

تبو جو گرم گرم پھلکے لا رہی تھی۔ زور زور سے ہنسنے لگی۔

"اس کے ہاتھ میں تو مر کر بھی ذائقہ نہیں آئے گا۔ یہ تو حمزہ آپا نے پکائے ہیں۔"

تب ہی میں کہوں، یہ کئی دن سے نہ کھانے میں نمک زیادہ ہوا ہے اور نہ کم۔"

مونی نے بھی تبصرہ کیا تھا۔

شروع شروع میں تو ہم حیران ہوئے۔ پھر عادی ہو گئے۔ کبھی کبھی مونی مجھے شرم دلاتا کہ میں بھی حمزہ آپا سے کھانا پکانا سیکھ لوں لیکن میں ازلی سست ہوں اور کھانا پکانے سے مجھے ویسے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی میں نے کبھی کچن میں جھانک کر دیکھا تھا۔

حمزہ آپا تو ہر طرح کے کھانے بنانے میں ماہر تھیں۔

چائنیز میں بھی مہارت تھی۔

اور بیکنگ میں بھی۔ ان کا بنایا چاکلیٹ کیک تو عفی بھائی نے بھی بہت اشتیاق سے کھایا تھا اور تعریف کی تھی۔ حالانکہ انہوں نے کسی انسٹی ٹیوٹ میں بیکنگ یا ککنگ کی کوئی کلاسز نہیں لی تھیں۔ بس یوں ہی کتابیں پڑھ پڑھ کر تجربہ کرتی رہتی تھیں۔

حمزہ آپا کے جانے سے ایک بڑا نقصان یہ بھی ہوا تھا کہ کھانا بدمزا ہو گیا تھا اور بے چارے فضل داد کی آئے دن سختی آئی رہتی تھی۔ حالانکہ حمزہ آپا کے آنے سے پہلے اسی کے ہاتھ کا بنا کھانا ہم سب بہت رغبت سے کھاتے تھے۔ حمزہ آپا پورے چار سال ہمارے گھر رہی تھیں اور گھر کا ایک فرد ہی بن گئی تھیں جتنا میں نزی آپی اور مونی کو مس کرتی ہوں۔ اتنا ہی میں انہیں بھی مس کرتی ہوں۔ جب حمزہ آپی آئی تھیں تو میں فرسٹ ائیر میں تھی اور انہوں نے تھرڈ ائیر میں ایڈمیشن لیا تھا۔ یوں عمر میں وہ مجھ سے تقریباً چار سال بڑی تھیں۔ ایف اے کے بعد کچھ عرصہ کے لئے ان کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔

"اور اگر ممی، ابا کو راضی نہ کرتیں تو وہ مجھے ان کے ساتھ بھیج دیں تو شاید میں کبھی

"پڑھ نہ سکتی۔"

کئی بار انہوں نے اس بات کا اعتراف سب کے سامنے کیا تھا...... شاید اسی جذبہ احسان مندی کے تحت وہ ہمہ وقت مصروف رہتی تھیں۔ کرنے کو کوئی کام نہ ہوتا تو ممی کے یا میرے کپڑوں پر کڑھائی ہی کرنے لگتیں۔ اور اتنی نفیس کڑھائی کرتیں کہ ممی کی انتہائی بد دماغ مغرور فرینڈز بھی بے اختیار پوچھ بیٹھتیں کہ یہ سوٹ کس بوتیک سے خریدا ہے؟

اور جب ممی حمزہ آپا کی طرف اشارہ کرتیں کہ میری بیٹی نے کڑھائی کی ہے تو جہاں ان کی فرینڈز کی آنکھوں میں حیرت اتر آتی وہاں حمزہ آپا کے چہرے پر رنگ سے اتر آتے جو انہیں مزید خوبصورت بنا دیتے۔

ممی کی بعض فرینڈز تو حمزہ آپا کو ان کی سگی بیٹی ہی سمجھتی تھیں اور ممی نے کبھی ان کی تردید نہیں کی تھی۔

حمزہ آپا چلی گئی تھیں تو سب ہی انہیں یاد کرتے تھے حتیٰ کہ فضل دادا اور تبو، شبو بھی دن میں کوئی تین چار بار تو ضرور حمزہ آپا کو یاد کرتے ہیں اور کیا ہی اچھا ہوا گر حمزہ آپا عفی بھائی سے شادی کرنے پر راضی ہو جائیں اور ہمیشہ کے لئے اس گھر میں آ جائیں۔

ممی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ گیس ٹربل تھا۔ لیکن انہوں نے واویلا مچا دیا کہ ہارٹ اٹیک ہے حالانکہ ای سی جی اور دوسرے تمام ٹیسٹوں سے پتا بھی چل گیا تھا کہ گیس ٹربل ہی ہے۔ لیکن ممی نے ڈاکٹروں کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

"ڈاکٹرز کو کیا پتا...... میں جانتی ہوں کہ مجھے دل کی تکلیف ہے۔" ممی نے فیصلہ سنا دیا۔

"اور اب میں عفی کو دیکھے بغیر مر جاؤں گی۔ اف اتنے برس ہو گئے اس سے بچھڑے۔"

"ایک سال کی تو بات ہے۔ آ جائے گا وہ۔"

ڈیڈی نے ہر ممکن طریقے سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن ممی نے تو ان کی کوئی بات بھی سمجھنے سے انکار کر دیا تھا۔

اور مجبوراً عفی بھائی کو اپنا ایک سمسٹر ڈراپ کر کے آنا پڑا۔

اور ان کے آنے کے بعد نہ صرف یہ کہ ممی ٹھیک ہو گئیں بلکہ انہیں ڈاکٹروں کی اس بات پر بھی یقین آ گیا۔ کہ انہیں واقعی گیس ٹربل ہے۔

عفی بھائی کے آنے سے بہت رونق ہو گئی تھیں۔ مونی بھی کاکول سے آ گیا تھا۔ اور عفی بھائی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی پاسنگ آؤٹ پریڈ تک رک جائیں گے۔

حمزہ آپا کی عادت تھی کہ وہ صبح سویرے اٹھتی تھیں۔ نماز پڑھتیں پھر لان میں چہل قدمی کرتیں اور کچن میں جا کر چائے بناتیں۔ خود پیتیں ڈیڈی کے لئے بھجواتیں۔

بقول مونی کے ان کی عادات اچھی خاصی بگڑی ہوئی تھیں اور مونی کی بار ہا وارننگ کے باوجود بھی انہوں نے ان بگڑی عادات کو سنوارنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ الٹا صبح صبح سونی اور مونی کو بھی جگا دیتیں۔ شروع شروع میں تو وہ خاصا واویلا مچایا کرتے تھے لیکن پھر حمزہ آپا کے اٹھانے پر اٹھ جاتے اور کسی نہ کسی طرح سوتے جاگتے نماز پڑھ کر پھر بستر میں گھس جاتے۔

جب سے کاکول گیا تھا۔ اسے تو خیر جلدی اٹھنے کی عادت ہو گئی تھی لیکن سونی اسی طرح اٹھنے کا چور تھا۔ دن بھر میں باقی نمازیں پڑھیں نہ پڑھیں لیکن حمزہ آپا کے طفیل ہم تینوں ہی صبح کی نماز پڑھنے لگے تھے۔

اس روز بھی حمزہ آپا مجھے جگا کر سونی کو جگانے گئی تھیں۔ مجھے چائے پینے کا بالکل شوق نہیں تھا اور خاص کر صبح سویرے یعنی بیڈ ٹی تو سیدھی میرے دل پر جا کر لگتی تھی۔ لیکن اس دن میرا سر بہت بوجھل ہو رہا تھا۔ اور میں حمزہ آپا کے پیچھے آئی تھی تا کہ انہیں کہوں کہ وہ میرے لئے بھی ایک کپ چائے بنا دیں۔ لیکن میں دروازے کے پاس ہی ٹھٹک کر رک گئی۔

حمزہ آپا نے سونی کی چادر کھینچی تھی جسے وہ سر تک لپیٹے ہوئے تھا۔

"اٹھ جائیں وکیل صاحب! صبح ہو گئی ہے۔"

اور پھر ایک قدم پیچھے ہٹ آئی تھیں۔ سونی کے بیڈ پر عفی بھائی سو رہے تھے۔ غالباً وہ رات یہاں ہی باتیں کرتے کرتے سو گئے تھے اور سونی، مونی کے بیڈ روم میں چلا گیا تھا۔

"سوری۔"

حمزہ آپا نے معذرت کی۔ عفی بھائی اٹھ کر بیٹھ گئے تھے اور اب بستر پر بیٹھے بغیر پلک جھپکے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"ہاؤ بیوٹی فل اینڈ انوسینٹ یو آر۔" کتنی معصوم اور کتنی خوبصورت۔

"میں سمجھی سونی ہے۔"

حمزہ آپا معذرت کر کے پلٹیں تو انہوں نے جھپٹ کر ان کی کلائی پکڑ لی۔ شاید کیوپڈ نے اپنا کام کر دیا تھا۔ لیکن حمزہ آپا کو شاید ان کا یہ مغربی اسٹائل کچھ پسند نہیں آیا تھا۔ سو ایک دم ہی سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ وہ کلائی چھڑا کر پلٹ آئی تھیں میں پیچھے ہٹ گئی۔ اور جب وہ باہر آئیں تو میں نے غور سے انہیں دیکھا۔

سفید دوپٹا پیشانی تک، دھلا دھلا نکھرا نکھرا چہرہ، گلابی رنگت میں پاکیزگی کی روشنی سی۔ اور اگر وہ عفی بھائی کو بیوٹی فل اور انوسینٹ لگی تھیں تو کچھ غلط بھی نہیں تھا۔

ایک بار میں نے ممی سے کہا تھا۔

''ممی! حمزہ آپا کے چہرے پر کتنی چمک اور تازگی ہے۔ حالانکہ نہ وہ کوئی کریمیں وغیرہ لگاتی ہیں اور نہ کوئی فیشل وغیرہ کروانے کسی پارلر میں جاتی ہیں۔''

''دراصل بیٹا جی......! یہ چمک اس لئے ہے کہ وہ پانچ وقت وضو کرتی ہیں اور نماز پڑھتی ہیں۔''

میرا خیال ہے، سارا پھڈا ہی یہاں پڑ گیا تھا۔ اگر اس روز عفی بھائی حمزہ آپا کی کلائی پکڑ کر یوں تعریف نہ کرتے تو......لیکن یہ بات اب میں سونی کو تو نہیں بتا سکتی۔ چاہے لاکھ ہم میں بے تکلفی ہو اور ممی کے ٹوکنے کے باوجود میں انہیں سونی اور مونی ہی کہہ کر بلاتی ہوں۔

خدا جانے میرے فون رکھنے کے بعد مونی نے سونی سے کیا کہا تھا کہ وہ اسی رات کی فلائیٹ سے واپس آ گیا تھا۔ حالانکہ وہاں مصباح بھی تھی جس سے وہ پورے دو سال بعد ملا تھا اور سونی کے آنے کے بعد سے تو جیسے بہت ہی مصروفیت ہو گئی۔

20 اپریل 1990ء

مونی ہر روز کوئی نہ کوئی پروگرام بنا لیتا ہے۔ مجھے اتنے دن سے اس نے یونیورسٹی بھی نہیں جانے دیا۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی ہنگامہ، شور وغل بلکہ اکثر تو وہ ممی اور ڈیڈی کو بھی گھسیٹ لیتا ہے اور میں رات کو جب کمرے میں آتی ہوں تو اس قدر تھک جاتی ہوں۔ کہ پھر ڈائری لکھنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی اور بیڈ پر گرتے ہی ''گھڑیں'' ہو جاتی ہوں اور صبح اٹھتے ہی مجھے حمزہ آپا کا خیال آتا ہے کہ وہ تو چاہے رات کے ایک بجے بھی کمرے میں آتیں تو ڈائری ضرور لکھتی تھیں۔ جب میری ان سے خاصی دوستی ہو گئی تھی تو میں اکثر ان کے کمرے ہی میں سو

جاتی تھی اور میں نے کئی بار دیکھا تھا، انتہائی تھکن کے باوجود ڈائری لکھتے ہوئے ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک سی ہوتی تھی۔

اور مجھے اتنے دنوں بعد آج موقع ملا ہے ڈائری لکھنے کا، وہ بھی اس لئے کہ مونی اور سونی اپنے دوست کے ہاں ڈنر میں گئے ہیں۔ خیر دو تین دن بعد تو مونی چلا ہی جائے گا اور سونی بھی شاید کراچی چلا جائے کیونکہ وہ مصباح سے وعدہ کر کے آیا ہے کہ وہ جلدی آئے گا تب فراغت ہو گی تو باقاعدگی سے لکھوں گی۔ چاہے لکھنے کے لئے کچھ بھی نہ ہو۔ شروع شروع میں تو میں نے حمزہ آپا کی تقلید میں ڈائری لکھنا شروع کیا تھا لیکن اب مجھے خود بھی ڈائری لکھنا اچھا لگنے لگا ہے۔ حالانکہ میں اپنے سے زیادہ حمزہ آپا کی باتیں لکھتی ہوں۔

24 اپریل 1990ء

اور آج مونی سیاچن چلا گیا ہے۔ اس قدر اداسی ہے گھر میں۔ سونی بھی آج نہ تو کورٹ گیا ہے نہ چیمبر۔ ڈیڈی بھی جلدی آفس سے آ گئے تھے اور ممی نے آج ویمن کلب کا انتہائی امپورٹنٹ ڈنر مس کر دیا ہے۔ مونی بھی ایک ہی ہے۔ جب وہ چھٹی لے کر آیا تھا تو اسے پتا تھا کہ اسے سیاچن جانا ہے۔ لیکن اس نے ذکر تک نہیں کیا تھا۔ وہ یہ سارے دن ہنسی خوشی گزارنا چاہتا تھا اور ظاہر ہے اس کے سیاچن جانے کا سن کر سب ہی اداس ہو جاتے اور وہ اتنی بھرپور چھٹیاں نہ گزار پاتا۔

''دراصل میں آپ سب کے ساتھ بہت یادگار دن گزارنا چاہتا تھا۔ اگر بتا دیتا تو......''

اس نے میری ناراضی پر وضاحت کی تھی۔

تب ہی تو سونی بھی کراچی سے بھاگا چلا آیا تھا۔ ورنہ میں بھی حیران تھی کہ آخر سونی مصباح کو چھوڑ کر کیسے آ گیا۔

جانے سے دو دن پہلے جب ہم سب لان میں چائے پی رہے تھے، اس نے اعلان کیا۔ حمزہ آپا سے ملنے چلتے ہیں۔''

''یہ یکا یک حمزہ سے ملنے کا کیا شوق چرایا ہے۔ خواہ مخواہ اتنا لمبا سفر کرو گے۔''

''جی چاہ رہا ہے ممی......! اور پھر کتنے ہی سال ہو گئے ہیں ہمیں گاؤں گئے ہوئے......آخری بار دادا کی ڈیتھ پر گیا تھا اور تب میں کوئی یہی تیرہ سال کا تھا۔''

مونی نے وضاحت کی۔

"تو اب وہاں ہے ہی کون نہ دادا نہ دادی۔ ایک تمہاری پھپھو تھیں وہ بھی چھ، سات سال سے کراچی میں سیٹل ہو گئی ہیں۔ جب سے سیف اللہ کو وہاں جاب ملی ہے بلکہ اب تو سیف اللہ نے بتایا تھا کہ وہ بہت جلد اپنا ذاتی گھر لے رہا ہے وہاں...... بلکہ جب وہ یہاں آیا تھا، سودا کر چکا تھا۔ اور گاؤں والا گھر فروخت کرنے ہی آیا تھا۔"

"ممی! آپ بھی ساتھ چلیں۔" سونی کو ہمیشہ ہی موقع پر سوجھتی تھی۔

"اور حمزہ آپا کو عفی بھائی کے لئے مانگ لیں۔"

"ہاں حمزہ آپا اتنی اچھی ہیں اور اتنی پیاری اور پھر عفی بھائی بھی انہیں پسند کرتے ہیں۔" میں نے بھی سونی کی تائید کی۔

"ممی۔" مونی بہت غور سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"کیا حمزہ آپا آپ کو بحیثیت بہو پسند نہیں ہیں۔ کیا آپ کے خیال میں وہ مالی لحاظ سے ہمارے ہم پلہ نہیں ہیں۔"

"حمزہ آپا آپ کی مسز ہمدانی کی اس پرکٹی کبوتری سے تو کروڑ ہا درجے اچھی ہیں۔"

سونی مسز ہمدانی کی بیٹی سے بہت چڑتا تھا، دراصل ایک سال پہلے اس نے سونی کو اسیر کرنے کی بے حد کوشش کی تھی۔ صبح و شام فون کرتی کسی نہ کسی بہانے چیمبر پہنچ جاتی۔ مگر سونی بھی کائیاں تھا۔ بلکہ سونی سے زیادہ مصباح کی گرفت مضبوط تھی سونی کے دل پر، لہٰذا سونی سے مایوس ہو کر وہ آج کل سونی کے چیمبر میں بیٹھنے والے ایک وکیل پر مہربان ہو رہی تھی۔

"نہیں یہ بات نہیں کہ مجھے حمزہ پسند نہیں ہے بلکہ کچھ اور مسئلہ ہے۔"

"کیا ان کی منگنی کہیں اور ہو چکی ہے۔"

"شاید نہیں...... دراصل۔" ممی مسکرائیں۔

"مجھے خود حمزہ بہت عزیز ہے اور مجھے خوشی ہے کہ عفی نے اسے پسند کیا ہے۔"

"ہرا۔" سونی نے نعرہ لگایا۔

"ہماری ممی گریٹ ہیں۔ ہمارے طبقے کی ساری ممیوں سے مختلف۔ ورنہ میں تو ڈر رہا تھا کہ کہیں سوشل اسٹیٹس کا مسئلہ وغیرہ تو آپ کو پریشان نہیں کر رہا۔"

"دراصل اس کا باپ عجیب سا شخص ہے۔ اس سے کچھ بھی بعید نہیں کہ وہ صاف انکار کر دے اور حمزہ پر الزام لگا دے کہ اس نے عفی کے ساتھ چکر چلایا تھا۔ میرا خیال تھا کہ عفی آ جائے تو طریقے سے جا کر بات کروں اس طرح کہ اسے گمان تک نہ ہو کہ عفی حمزہ سے مل چکا ہے۔"

دراصل ممی کا بھی جواب نہیں اور ان کی پلاننگ بھی ہمیشہ غضب کی ہوتی ہے۔ یقیناً انہوں نے دل ہی دل میں کوئی پلاننگ کر لی ہو گی۔

"دیکھو وہاں محتاط رہنا۔" ممی نے جانے سے پہلے تاکید کی تھی۔

"کہیں معاملہ بگاڑ ہی نہ دینا۔" ٹیڑھا سا بندا ہے۔ خدا کرے وہ گھر پر ہی نہ ہو۔ ویسے تم نہ ہی جاتے وہاں تو بہتر تھا۔" ممی بڑی فکر مند ہو رہی تھیں۔

"کنیز فاطمہ کو تو اس نے ساری زندگی پاؤں کی جوتی سے بھی حقیر جانا۔ پتا نہیں بچیوں سے کیا سلوک کرتا ہے۔ بچیاں بھی تو خدا نے فراخدلی سے دی ہیں۔ ایک نہ دو پوری آٹھ بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں کی چاہ میں ایک کے بعد ایک۔"

اور اس روز پہلی بار ہمیں پتا چلا کہ حمزہ آپا آٹھ بہنیں ہیں اور بھائی کوئی بھی نہیں۔ حمزہ آپا کا گھر میں دوسرا نمبر ہے...... بڑی بہن عنبر ہے۔ جس کی کم عمری میں ہی شادی کر دی گئی تھی۔ حیرت کی بات تھی کہ حمزہ آپا نے ان چار سالوں میں کبھی بھی اپنے گھر یا گھر والوں کا ذکر نہیں کیا تھا۔ حالانکہ وہ ہمارے گھر کا ہی ایک فرد بن چکی تھیں۔

راستے میں، میں نے مونی سے کہا۔

"کس قدر خود غرض ہیں ہم۔ یعنی چار سال حمزہ آپا ہمارے ہاں رہیں اور ہم نے کبھی یہ پوچھا ہی نہیں ان سے...... کہ ان کو بھی کچھ الجھن یا پریشانی ہو سکتی ہے۔"

"ہاں واقعی۔" سونی کو میری بات سے سو فی صد اتفاق تھا۔

"خیر، جب وہ عفی بھائی کی دلہن بن کر ہمارے گھر آ جائیں گی تو تم روایتی نند نہ بننے کا ثبوت دے کر اپنی سابقہ خود غرضیوں کی تلافی کر دینا۔"

"ویسے آپس کی بات ہے۔"

سونی کو ہمیشہ انوکھی بات کر کے سسپنس پھیلانے کی عادت تھی۔

"کیا؟"

"حمزہ آپا اور عفی بھائی کا کپل کچھ ناموزوں سا لگتا ہے۔"

"تو کیا تمہارا اور حمزہ آپا کا کپل موزوں ہے۔" مونی کو بلا سوچے سمجھے بولنے کی عادت تھی اور اتنا عرصہ کاکول میں ٹریننگ لے کر اور لیفٹیننٹ کا رینک کندھے پر سجا کر بھی اس کی یہ عادت نہیں گئی تھی۔

"ہاں موزوں بھی ہوسکتا تھا بشرطیکہ تمہاری خالہ زاد مصباح خاتون پہلے ہی اس دل پر حملہ آور نہ ہو چکی ہوتیں۔ اب اس تاراج شدہ سلطنت میں حمزہ آپا آکر کیا کریں گی۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"سچ تو یہ ہے کہ حمزہ آپا اور سیف اللہ اختر کا کپل بڑا سجتا ہے۔"

"ہاں بھئی، تلوار تو حمزہ کے ہاتھ میں ہی سجتی ہے۔"

مونی نے قہقہہ لگایا لیکن میرا دل جیسے ایک لمحہ کو ڈوب سا گیا۔

"فضول کی باتیں نہیں کرو، بس حمزہ آپا ہماری بھابھی بنیں گی، ہمارے عفی بھائی کی دلہن۔"

سیف اللہ اختر میری اکلوتی پھپھو کے اکلوتے فرزند ہیں۔ ان کے والد یعنی ہمارے پھوپھا اس وقت اللہ میاں کو پیارے ہو گئے تھے جب سیف اللہ اختر یعنی سیفی بھائی صاف سال بھر کے تھے اور پھپھو نے ایک سیفی بھائی کی خاطر ساری جوانی بیوگی میں کاٹ دی تھی۔ حالانکہ بقول ممی کے خاندان میں ہی کئی رشتے موجود تھے اور ان کے میاں اللہ انہیں جنت نصیب کرے پیچھے ایک گھر کے سوا کچھ نہیں چھوڑ کر گئے تھے سب کچھ اپنی شاہ خرچیوں اور سخاوتوں میں ضائع کر دیا۔ اور جو بچا وہ بھائی لے اڑے۔

دادا نے اپنی زندگی میں تو پوتے اور بہو کا بہت خیال رکھا تھا۔ لیکن ان کی وفات کے بعد چچاؤں نے سیفی بھائی اور پھپھو کو اتنا اچھا نہیں رکھا ہوا تھا۔

حالانکہ ڈیڈی، دادا اور دادی نے بہت چاہا تھا کہ پھپھو ان کے پاس آجائیں لیکن پھپھو نہ مانی تھیں اور بعد میں سیف اللہ کے چچا سے دادا کی کوئی بات ہو گئی تھی اور انہوں نے پھپھو اور سیفی بھائی کا آنا بالکل بند کر دیا تھا۔ سو میں نے اپنے ہوش میں پہلی بار سیفی بھائی کو پچھلے سال اس وقت دیکھا تھا جب وہ گاؤں کا گھر فروخت کرنے آئے تھے۔ چونکہ اب وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو چکے تھے اور پھپھو کو وہ اپنے ساتھ ہی کراچی لے جا چکے تھے لہٰذا

انہیں چچا کی مخالفت کی کوئی پروا نہیں رہی تھی۔ اور وہ ڈیڈی اور ممی سے ملنے آئے تھے۔

پھپھو اتنے عرصہ بعد بھائی کے گھر آئی تھیں سو ڈیڈی کے بے حد اصرار پر وہ ادھر ہی رک گئی تھیں اور گاؤں میں کام وغیرہ سے فارغ ہو کر سیفی بھائی بھی ادھر ہی آگئے تھے۔ انہوں نے ایک ماہ کی چھٹی لے رکھی تھی اور وہ تقریباً پچیس دن ہمارے ہاں رہے تھے۔ مونی اور سونی حسب معمول ان سے فوراً ہی بے تکلف ہو گئے تھے بلکہ مونی نے تو جھٹ شکوہ کر ڈالا تھا کہ اتنے سالوں سے وہ ادھر کیوں نہیں آئے تھے۔

سیفی بھائی کی شخصیت بڑی پرکشش تھی۔ سانولا رنگ اونچا لمبا قد، بڑی بڑی بے حد خوبصورت آنکھیں جن میں بلا کی چمک تھی۔ کشادہ پیشانی۔ کچھ کم گو سے تھے، کم بولتے تھے لیکن جب بولتے تو میں ان کی آواز کے سحر میں کھو سی جاتی تھی۔ اتنی خوبصورت دل میں اتر جانے والی آواز میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ حالانکہ مونی کو اپنی آواز پر بڑا مان تھا۔

"لڑکیاں تو میری آواز پر مرتی ہیں۔ اگر کبھی غلطی سے کہیں رانگ نمبر مل جائے تو اس طرح چپک جاتی ہیں جیسے مکھیاں شیرے کے ساتھ جان ہی نہیں چھوڑتیں۔ مگر آپ کی آواز سیفی بھائی! سچ سچ بتائیے کتنوں کا خون آپ کی گردن پر ہے۔"

"شاید ایک بھی نہیں، ہاں میرا خون کسی کی گردن پر ہوسکتا ہے۔" انہوں نے کن انکھیوں سے حمزہ آپا کی طرف دیکھا تھا۔

"کون ہے وہ حسینہ ماہ جبینہ جس کی گردن پر آپ کا خون متوقع ہوسکتا ہے، اگر کوئی اتا پتا، نام و نشان معلوم ہو تو اس مستقبل کے جیالے مجاہد کو بتائیے تاکہ حفاظتی اقدامات کر سکے۔"

"ارے ارے حمزہ آپا! آپ کہاں چلیں؟۔" مونی نے لپک کر انہیں روک لیا۔

"آپ بیٹھیں نا...... میں ایک بڑا زبردست قصہ سنانے والا ہوں، یار وہاں ایبٹ آباد میں کیا طرحدار حسینہ دیکھی ہے۔ پوری "اکڑ بکڑ ہے۔""

وہ بتانے لگا اور سیفی بھائی اس کی بات کا جواب دینے سے بچ گئے حالانکہ کئی دن تک تجسس رہا کہ وہ حسینہ ماہ جبینہ کون ہے جس کی گردن پر سیفی بھائی کا خون متوقع ہوسکتا ہے۔

یقیناً بہت خوبصورت ہو گی، دل ہی دل میں مجھے اس نامعلوم حسینہ سے حسد محسوس

ہوا۔ اور مجھے مونی کی اس عادت پر غصہ آتا رہا کہ وہ ایک بات ادھوری چھوڑ کر دوسری بات شروع کر دیتا ہے۔ اور جہاں بات ''اکڑ بکڑ'' کی ہو وہاں تو وہ فصاحت کے دریا بہا دیتا ہے۔

''اکڑ بکڑ'' خالصتاً اس کی اپنی اصطلاح ہے۔ جب کسی کا حدود اربعہ مشکوک ہو تو وہ اس کے لئے اکڑ بکڑ کی اصطلاح استعمال کرتا تھا اور ہم سب خصوصاً میں اور سونی کی اس کی تمام اصطلاحوں کو جانتے تھے اس نے بے شمار ایسے ہی اوٹ پٹانگ لفظ ایجاد کر رکھے تھے جو غالباً اردو کی کسی لغت میں موجود نہ تھے اب تو خیر حمزہ آپا بھی اس کے کوڈ ورڈ بہت حد تک جان چکی تھیں۔

لیکن سیفی بھائی کے نلئے یہ تمام الفاظ نئے تھے چنانچہ ان کے استفسار پر وہ ''اکڑ بکڑ'' کا قصہ بھول کر انہیں اپنی لغت سے روشناس کرانے لگا۔ اور سیفی بھائی کے ہونٹوں پر مسلسل مسکراہٹ رقص کرتی رہی۔ اور اس روز میں نے محسوس کیا اس سنجیدہ سے شخص کے چہرے پر مسکراہٹ بہت سجتی ہے۔

مجھے سنجیدہ سے سیفی بھائی بہت اچھے لگتے تھے اور مجھے افسوس ہوا تھا کہ وہ اتنا عرصہ بعد ہمارے گھر کیوں آئے۔ جب کہ بقول مونی کے وہ ہماری اکلوتی پھپھو کے اکلوتے صاحبزادے ہیں اور انہیں بہت پہلے گھر آجانا چاہیے تھا۔

بس سیفی بھائی مجھے اچھے لگتے تھے اور وہ حقیقتاً اچھے بھی تھے پھر بھی پتا نہیں کیوں مجھے حمزہ آپا کے ساتھ سیفی بھائی کا نام کیوں پسند نہیں آیا تھا، شاید میں چاہتی تھی کہ حمزہ آپا میری ہی بھابھی بنیں۔

''چلو بھئی، اب یہ اپنے چہرے کے زاویے صحیح کر لو۔'' سونی عقب نما آئینے میں مجھے دیکھ رہا تھا۔

''غلطی ہوگئی بابا! کان پکڑتا ہوں۔'' اس نے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے کان پکڑا۔

''آپ کی حمزہ آپا آپ کے علاوہ کسی اور کی بھابھی بن ہی نہیں سکتیں۔''

''اور یہ کہ'' مونی نے لقمہ دیا۔

''حمزہ آپا اور عفی بھائی کا کپل بہت شاندار ہے۔''

''میں نے کمزور آواز میں کہا، حالانکہ بہت سجیلے ہونے کے باوجود پتا نہیں کیوں

اندر سے مجھے بھی عفی بھائی حمزہ آپا کے لئے موزوں نہیں لگتے تھے۔ ایک مشرق، دوسرا مغرب، ایک پورے کے پورے انگریز دوسری سرتاپا پکی مسلمان۔

خیر جب آپا کی عفی بھائی سے شادی ہو جائے گی تو پھر عفی بھائی بھی ان کے جیسے ہی ہو جائیں گے۔ آخر حمزہ آپا میں اتنی صلاحیت تو ہے نا کہ وہ ان کو اپنے رنگ میں رنگ لیں۔

میں نے خود کو مطمئن کیا اور گنگنانے لگی۔

چھاپ تلک سب چھین لیو مو سے نینا ملائی۔

حمزہ آپا ہمیں دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ وہ اپنے بڑے سے گھر کے بڑے صحن میں کھڑی بقول مونی کے ہمارا ہی انتظار کر رہی تھیں۔

''اگر آپ ہوش کی دنیا میں واپس آجائیں تو ہم وضاحت کریں کہ ہم اسی دنیا سے آئے ہیں، عالم بالا سے نہیں'' مونی نے ان کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرائے تو وہ چونک کر مجھ سے لپٹ گئیں۔

''سچی رما تم...... تم سب مجھے بہت یاد آتے تھے بہت زیادہ اور میں سوچتی تھی۔ شاید تم سب نے مجھے بھلا دیا ہوگا۔'' ان کی آواز بھیگ گئی تھی لیکن چہرہ خوشی سے دمکنے لگا تھا۔

''ہم نے آپ کو بھلا دیا، اس لئے یہاں تک پہنچ گئے، اور آپ نے ہمیں یاد رکھا تب ہی آ گئیں۔ بے وفا کون ہوا، آپ یا ہم۔'' سونی نے کہا تو انہوں نے مجھے الگ کرتے ہوئے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

''میں...... میں کیسے آتی۔'' عجیب بے بسی تھی ان کے لہجے میں ''اب کیا جواز تھا وہاں جانے کا۔''

''حمزہ آپا! آپ تو یہاں آ کر اور بھی خوبصورت ہوگئی ہیں۔''

میں نے ان کے کان میں سرگوشی کی تو ان کی رخساروں پر بکھرا گلابی رنگ گہرا ہو گیا اور وہ اونچی آواز میں پکارنے لگیں۔

''امی! امی! دیکھیں کون آیا ہے، حفظہ، فاکہہ کہاں ہو بھئی؟ مہمان آئے ہیں۔''

اور تھوڑی دیر بعد ہی مختلف کونوں کھدروں سے حمزہ آپا کی چھ عدد بہنیں اور امی آ گئیں۔

وہ سب کی سب پیاری تھیں، نازک دبلی پتلی اور خوبصورت سی، سب سے چھوٹی جو

تقریباً چھ سات سال کی تھی۔ بے انتہا خوبصورت تھی، مونی نے فوراً ہی اسے لیڈی ڈیانا کا خطاب دے دیا تھا اور وہ یہ خطاب پا کر بہت خوش ہوئی تھی اور اس نے مونی سے ایک دم دوستی کر لی تھی اور خوب باتیں کی تھیں۔

جب کہ باقی پانچوں شرما رہی تھیں، حمزہ آپا نے سب کا باری باری تعارف کروایا تھا۔ خالہ کنیز فاطمہ بھی حمزہ آپا جیسی ہی تھیں اور غالباً ینگ ایج میں وہ بالکل حمزہ آپا کی طرح ہوں گی۔ لیکن اب وہ کچھ بیمار اور تھکی تھکی سی لگی تھیں اور ان کی آنکھوں میں عجیب طرح کا دکھ رچا ہوا تھا اور اس حزن نے ان کی شخصیت کو بڑا امپریسو بنا دیا تھا۔ میں اپنے شعور میں پہلی بار گاؤں آئی تھی۔ اور پہلی بار ہی ان سے مل رہی تھی۔ مونی اور سونی کو تو انہوں نے فوراً پہچان لیا تھا، حالانکہ وہ بھی دادا کی ڈیتھ کے بعد پہلی بار آئے تھے۔

''اور تم یقیناً رما ہوگی۔'' انہوں نے مجھے بے حد پیار کیا تھا۔

''تمہاری ممی اور میں اگرچہ کزن تھیں لیکن ہم میں بہت دوستی تھی۔'' وہ بہت دھیمے دھیمے لہجے میں بولتی تھیں۔

''تب ہی آپ اکثر ممی سے ملنے تشریف لاتی رہی ہیں۔''

مونی نے جانے کہاں سے طنزیہ گفتگو کرنی بھی سیکھ لی تھی، یقیناً کالج میں کسی ایسے شخص سے اس کی دوستی تھی جسے طنزیہ گفتگو کرنے میں کمال حاصل تھا۔

''بس بیٹا! مجبوریاں۔'' انہوں نے کچھ اتنی دل گرفتگی سے کہا کہ وہ شرمندہ ہو گیا۔

''ڈوب مرو۔'' سونی نے اسے گھر کا۔

''دراصل ہمیں اس بات کا بے انتہا دکھ ہو رہا ہے کہ ہم آج تک آپ سے ملے کیوں نہیں۔'' شرمندہ ہو کر اس نے وضاحت کی۔

حمزہ آپا ہمارے آنے سے بہت خوش ہوئی تھیں۔ ہم تقریباً بارہ بجے وہاں پہنچے تھے اور دو بجے تک انہوں نے اپنی پانچ عدد بہنوں کی مدد سے کھانے پر اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا۔

انڈوں کا حلوہ تو مونی کو اس قدر پسند تھا کہ اس نے حمزہ آپا سے فرمائش کر ڈالی تھی کہ باقی ماندہ حلوہ وہ انہیں ساتھ ہی پیک کر دیں۔

''پیٹو۔''

میں نے اسے چھیڑا تھا لیکن حمزہ آپا نے سچ مچ نہ صرف باقی ماندہ حلوہ پیک کر دیا تھا بلکہ آلو قیمے کے کباب اور کچھ سلائس بھی رکھ دیئے۔

''لاہور پہنچتے پہنچتے دیر ہو جائے گی۔ راہ میں بھوک لگے گی، یہاں بھی تم نے بڑے تکلف سے کھایا ہے۔''

''اسے اگر آپ تکلف سے کھانا کہتے ہیں تو جانے بے تکلفی سے کیسے کھایا جاتا ہو گا۔'' سونی نے حیرت سے کہا۔

''ہاں جب کہ تم کھا رہے تھے تو میں سوچ رہا تھا کہ عین ممکن ہے کہ کل کے اخبارات میں یہ کسی قدر عجیب خبر چھپے کہ ایک شخص اوور ڈائٹ سے۔''

''اب فضول آگے کچھ مت کہنا۔'' حمزہ آپا نے فوراً ہی مونی کو ٹوک دیا۔

''ارے ہاں۔'' مونی کو اچانک خیال آیا۔

''وہ آپ کے جنگجو قسم کے ابا نظر نہیں آئے، جن کے متعلق آنے سے پہلے ہمیں اچھا خاصا ڈرایا گیا تھا۔''

ہنستی ہوئی حمزہ آپا کا رنگ یک دم زرد پڑ گیا اور لیڈی ڈیانا نے فوراً خوش ہو کر بتایا۔

''ابا تو عنبر آپا کے گھر گئے ہیں ساہیوال، اب کل ہی آئیں گے۔''

''نہیں۔ آج ہی آ جائیں گے شام تک۔'' حمزہ آپا نے بڑے یقین سے کہا۔

''مگر وہ تو کہہ رہے تھے، کل آؤں گا۔'' لیڈی ڈیانا نے بحث کی۔

''وہ ہمیشہ یونہی کہتے ہیں لیکن۔''

حمزہ آپا نے بہت آہستگی سے کہا تھا لیکن میں نے سن لیا مگر کوئی تبصرہ نہ کیا۔

''تم لوگ کچھ دیر آرام کرو گے نا۔''

''حمزہ آپا نے کچھ دیر بعد پوچھا، ایسا لگتا تھا جیسے وہ چاہتی ہیں کہ ہم لوگ زیادہ دیر نہ ٹھہریں۔ بلکہ میں نے دو تین بار محسوس کیا تھا کہ باہر گیٹ کھلنے پر وہ گھبرا گئی ہیں، شاید انہیں اپنے ابا کی آمد کا خوف تھا۔ غالباً وہ انتہائی سخت گیر قسم کے تھے۔

''نہیں۔ بس ہم جائیں گے اب کافی لمبا سفر ہے۔''

مونی بہت غور سے انہیں دیکھ رہا تھا، اور شاید میری طرح اس نے بھی ان کی گھبراہٹ کو محسوس کر لیا تھا۔ اور میں نے دیکھا حمزہ آپا کے چہرے پر اطمینان سا بکھر گیا تھا۔

"ذرا دیر رکو۔ میں چائے بنالاؤں۔"

"نہیں، چائے کا موڈ نہیں ہو رہا۔ ہاں اگر قہوہ مل جائے تو پلیز۔"

حمزہ آپا قہوہ بنانے چلی گئیں تو لیڈی ڈیانا نے ہمیں اپنا گھر دکھانے کی دعوت دی۔ میں نے کوئی دیہاتی گھر اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا سو میں فوراً کھڑی ہو گئی۔ البتہ سونی اور مونی وہیں بیٹھے رہے۔

حمزہ آپا کا گھر بہت بڑا تھا۔ بڑا سا کچا صحن، بڑا سا برآمدہ جس میں بڑے بڑے سرخ پایوں والے نواڑی پلنگ پڑے تھے اور اس بڑے برآمدے کے عقب میں بڑے بڑے ہال نما کمرے تھے جن کی چھتیں بہت اونچی تھیں اور ان پر رنگین شیشوں کا کام کیا گیا تھا۔ فرنیچر اور سامان سے پتا چلتا تھا کہ گھر میں خاصی خوشحالی ہے۔ لیکن اس خوشحالی کے باوجود ایک اداسی کا غبار سا چھایا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

"اور یہ حصہ اختر تایا کا ہے۔"

حفظہ نے برآمدے سے مڑتے ہوئے بتایا۔

"مگر یہ حصہ تو لاک ہے۔"

"ہاں اختر تایا کا انتقال تو ہماری پیدائش سے پہلے ہی ہو گیا تھا البتہ تائی اور سیفی بھائی ادھر ہی رہتے تھے پھر سیفی بھائی نے کراچی میں جاب کر لی تو وہ تائی کو بھی ساتھ ہی لے گئے بلکہ ابھی کچھ عرصہ پہلے وہ اپنا حصہ فروخت کرنے آئے تھے لیکن ابا نے انہیں فروخت نہیں کرنے دیا کہ غیروں کو نہ لینے دیں گے۔"

امی نے کہا۔

"آپ لے لیں، سیفی کو پیسوں کی ضرورت ہے۔"

"مگر ابا نے کہا، میرے کون سے بیٹے بیٹھے ہوئے ہیں جو میں جائیداد میں اضافہ کرتا رہوں۔"

تو......تو......سیفی بھائی حمزہ آپا کے تایا زاد ہیں اور مجھے خبر ہی نہیں اور مجھے تو بہت ساری باتوں کا علم نہیں ہے۔ میں نے کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی......تب ہی......تب ہی تو اس روز جب سیفی بھائی، پھپھو اور نجو چچا آئے تھے تو نجو چچا نے حمزہ آپا کا تعارف پھپھو سے بالکل نہیں کروایا تھا اور پھپھو نے بغیر تعارف کے ہی گلے لگا کر خوب پیار کیا تھا اور میں

نے اس بات پر قطعی غور نہیں کیا تھا کہ پھپھو آخر حمزہ آپا کو جانے بغیر اتنا پیار کیوں کر رہی ہیں۔"

"یہ ہماری لٹھن ہے گڈی۔"

نجو چچا نے میرے گرد باہیں حمائل کرتے ہوئے پھپھو سے کہا تھا "تم نے تو جب اسے دیکھا تھا، یہ بھابی کی گود میں تھی۔"

نجو چچا اب بھی مجھ سے بے تحاشا پیار کرتے تھے۔ شادی کے بعد بھی اور زارا چچی نے کبھی برا نہیں مانا، وہ جب بھی آتے ہیں ہمیشہ کی طرح میرے لیے ڈھیروں چیزیں لے کر آتے ہیں حالانکہ اب ان کی اپنی بھی دو پیاری پیاری بچیاں ہیں لیکن وہ دھڑلے سے کہتے ہیں کہ رما تو میری "لٹھن (لاڈلا یا لاڈلی) ہے اور کوئی بھی اس کی جگہ نہیں لے سکتا اور پھپھو نے مجھے گلے لگا کر پیار کیا تھا۔ تب ہی حمزہ آپا وہاں آ گئی تھیں اور انہیں دیکھ کر پھپھو نے بے اختیار انہیں گلے لگا لیا تھا اور سیفی بھی ہولے ہولے مسکرا کر انہیں دیکھ رہے تھے اور خود حمزہ آپا کے چہرے پر رنگ سے اتر آئے تھے اور میں نے اس بات پر ایک دن بھی غور نہیں کیا تھا کہ وہ پھپھو کا بے حد خیال رکھتی تھیں اور تائی جی کہہ کر بلاتی تھیں اور اکثر جب وہ اکیلی ہوتی تھیں تو ان کے پاس بیٹھی ہولے ہولے جانے کیا باتیں کرتی تھیں۔

"یعنی کہ کمال ہے سیفی بھائی حمزہ آپا کے تایا زاد ہیں اور ہمیں خبر بھی نہیں۔"

اور جب یہ خبر میں نے مونی اور سونی کو جا کر بتائی تو وہ یوں مسکرا دیئے جیسے وہ اس بات کو پہلے سے جانتے ہوں اور ایک میں ہی بے خبر ہوں جانے میں کیوں اتنی احمق اور بے خبری ہوں۔ جب ساری دنیا کو ایک بات کا پتا چل جاتا ہے تب کہیں جا کر مجھے وہ بات پتا چلتی ہے اور تب تک اس بات کی ویلیو ختم ہو چکی ہوتی ہے۔

قہوہ پی کر جب ہم جانے کے لئے تیار ہوئے تو مونی نے حمزہ آپا سے کہا۔

"چلیے حمزہ آپا! سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دے دیجئے، کیا خبر پھر کبھی ملاقات ہو یا نہ ہو۔"

اور حمزہ آپا نے جو سچ مچ اس کے سر پر ہاتھ رکھنے لگی تھیں، ایک دم غور سے اسے دیکھا۔

"سچ بتاؤ مونی! یہ اچانک چھ ماہ بعد تمہیں یہاں آنے کا خیال کیسے آ گیا۔"

''ہائے بیتابیٔ دل۔'' وہ دل پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

''آپ کو کیا خبر اِس دل نے کیا اودھم مچا رکھا تھا سینے کے اندر۔ صبح شام حمزہ آپا حمزہ آپا کی پکار جاری تھی۔ سو مجبوراً اس دن رات کے ہنگامے سے تنگ آ کر ہم نے سوچا کہ آپ کے درشن کر ہی لئے جائیں۔''

''ادھر دیکھو میری طرف مونی کے بچے، اور سچ بتاؤ کیا بات ہے۔''

''کچھ نہیں۔'' مونی نے نظریں چرالیں۔

''مونی! میں لحاظ نہیں کروں گی، کان کھینچ لوں گی سب کے سامنے۔'' لیڈی ڈیانا اور فاکہہ منہ چھپا کر ہنسنے لگیں۔

''دراصل۔'' مونی نے میری طرف دیکھا۔

''میں دو روز تک سیاچن جا رہا ہوں سوچا کیا بھروسا ہے زندگانی کا، اپنی حمزہ آپا سے مل ہی جائیں۔'' میں ایک دم سن سی ہوگئی اور میرے اندر کوئی سیال سا بہنے لگا۔

اور کس قدر گھنا ہوگیا ہے یہ مونی بھی، اتنے دن ہو گئے ہیں گھر آئے اور اس نے ذکر تک نہیں کیا۔

حمزہ آپا ایک دم سے چپ ہوگئی تھیں۔

''خواتین۔'' مونی نے حمزہ آپا کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔

''واپس آ جائیں، وہاں کوئی محاذ تو نہیں کھلا ہوا۔''

''پھر بھی۔''

حمزہ آپا اداس تھیں اور انہوں نے مونی کو بہت ساری دعاؤں کے ساتھ حمائل شریف تحفے میں دیا تھا۔

راستہ بھر مونی نے مجھے ہنسانے کی بہت کوشش کی لیکن مجھے اس کی کسی بات پر ہنسی نہیں آئی۔

''اور اگر میں آتے ہی بتا دیتا کہ میں سیاچن جا رہا ہوں تو تم سب لوگ پہلے ہی اداس ہو جاتے اور اتنے سارے یادگار اور خوشگوار دن کیسے گزرتے۔''

گھر آتے ہی میں نے ممی کو بتا دیا تھا اور میں نا بھی بتاتی تو بھی اب مونی نے بتانا ہی تھا۔

ممی بہت اداس ہوگئی تھیں بلکہ بہت روئی بھی تھیں۔ اور مونی انہیں بہلاتا رہا۔

''لو بھلا اس میں رونے کی کیا بات ہے، شہید ہوگیا تو آپ شہید کی ماں کہلائیں گی کیا فخر کا مقام ہوگا اور زندہ واپس آ گیا تو غازی کی ماں۔

مگر ممی کے آنسو اس کے جانے تک نہیں رکے تھے۔ اور اب مونی چلا گیا ہے تو اتنی اداسی ہے حالانکہ گھر میں سب ہی موجود ہیں۔ حتیٰ کہ نزی آپی بھی مونی کے جانے کا سن کر آ گئی تھیں اور ممی کی اداسی کے خیال سے رک گئی تھیں لیکن پتا نہیں کیوں میرا دل بہت بوجھل ہو رہا ہے اور رونے کو جی چاہ رہا ہے۔ خدا مونی کو خیریت سے واپس لائے صحیح تو کہتا ہے وہ کہ وہاں کون سا محاذ کھلا ہے جو ہم پریشان ہو رہے ہیں۔ بس کبھی کبھار جھڑپ ہو جاتی ہوگی۔ انشاء اللہ مونی کو کچھ نہیں ہوگا میرا دل کہہ رہا ہے۔

31 اپریل 1990ء

آج بیک وقت دو اچھی باتیں ہوئیں۔ ایک تو مونی کا خط آیا ہے اور دوسرے حمزہ آپا آئی ہیں۔ مونی نے بہت مزے کا خط لکھا ہے پورے چار صفحوں کا۔ میں نے حمزہ آپا سے مل کر اس خط کو کوئی تین بار پڑھا ہے بلکہ ابھی سونے سے پہلے بھی میرا جی چاہا تھا کہ پھر ایک بار پڑھ لوں، لیکن خط ممی لے گئی تھیں۔ ممی بھی کبھی کبھی بالکل متوسط طبقے کی ماؤں کی طرح بی ہیو کرتی ہیں۔ مونی کا خط پڑھ کر وہ روئیں بھی اور ہنسیں بھی حالانکہ مونی کے خط میں رونے والی کوئی بات نہیں تھی۔ اس نے تو اتنے مزے مزے کی باتیں لکھی ہیں کہ خط پڑھتے ہوئے حمزہ آپا بھی مسکرا رہی تھیں۔ حالانکہ جب وہ آئی تھیں تو مجھے لگا تھا جیسے وہ بہت اداس ہوں اور ان کا ہمیشہ تر و تازہ نظر آنے والا چہرہ مرجھایا سا لگ رہا تھا۔

''کیا بات ہے حمزہ آپا! آپ کچھ پریشان لگتی ہیں۔'' سونی فوراً تاڑ گیا تھا۔ آخر کو وکیل ہے۔

''نہیں تو بس سفر کی تکان ہے۔''

وہ مسکرا دی تھیں حالانکہ سفر تو وہ پہلے بھی کر کے آتی تھیں لیکن اتنی پژمردہ کبھی دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ وہ پبلک سروس کمیشن کا پیپر دینے آئی تھیں لیکچرار شپ کے لئے۔

''تمہارے ابا نے اعتراض نہیں کیا؟'' ممی نے پوچھا۔

''کیا تھا لیکن پھر مان گئے۔''

حمزہ آپا از حد اداس لگ رہی تھیں اور مونی کے لئے پریشان بھی جس نے صرف پہنچنے کی اطلاع دی تھی اور پھر رابطہ ہی نہیں کیا تھا لیکن پھر مونی کا خط آ گیا اور ان کی اداسی دور ہو گئی۔ اور حمزہ آپا نے بھی مونی کا ایڈریس لے لیا تھا۔

''میں مونی کو خط لکھوں گی۔ جب آدمی یوں اتنی دور اکیلا ہو تو اپنوں کے خط اس کا حوصلہ بلند کرتے ہیں۔''

حمزہ آپا کل پیپر سے فارغ ہو کر چلی جائیں گی۔ حالانکہ میں نے اور سونی نے حتیٰ کہ ممی نے بھی اصرار کیا ہے کہ وہ ہفتہ بھر رک جائیں۔ لیکن انہوں نے کہا ہے۔

''امی بیمار ہیں اور پھر عنبر آپا بھی آج کل آئی ہوئی ہیں۔''

بے چارے فضل داد کا یہ سن کر کہ حمزہ آپا صرف ایک دن کے لئے آئی ہیں اتنا سا منہ نکل آیا تھا۔

''لو میں نے سوچا اب کچھ دنوں کے لئے سونی بھیا کے طنزوں سے نجات مل جائے گی۔ صبح و شام اتنے طنز کرتے ہیں۔''

''اچھا یہ کوفتے ہیں۔ میں سمجھا پتھر ہیں۔''

''اور یہ نہاری پکی ہے۔ واہ کیا کمال کی شے ہے نہاری کم سوپ۔''

''پلاؤ کیا کہنے۔ بھیا ایک ٹکٹ میں دو تماشے، پلاؤ اور کھچڑی کا بیک وقت مزا اٹھاؤ'' تبو شبو بہت ہنسیں۔

''تو فضل داد چاچا! حمزہ آپا اتنے سال یہاں رہیں سیکھ لینا تھا نا ان سے کھانا پکانا۔''

''لو سب تو میں ہی پکاتا تھا۔''

سب کٹنگ وٹنگ تو میں کرتا تھا بس حمزہ آپا تو صرف چیچ ہلا کر داد وصول کر لیتی تھیں واہ بھئی۔'' فضل داد کا موڈ سخت آف تھا، تبو نے تسلی دی۔

''خیر فکر نہ کرو، بیگم صاحبہ حمزہ آپا کو ہمیشہ کے لئے یہاں لانے کا پروگرام بنا رہی ہیں۔''

''کیا......؟''

''سچی میں نے خود سنا تھا۔ وہ صاحب سے کہہ رہی تھیں کہ وہ جلدی جائیں گی

گاؤں کنیز فاطمہ سے بات کرنے حمزہ کے لئے۔'' تبو کو کن سویاں لینے کی انتہائی خراب عادت تھی۔ میں اس وقت فرج سے پانی لینے آئی تھی۔ اور ان کی باتیں سن کر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی کہ ممی آنٹی کنیز فاطمہ سے بات کرنے جا رہی ہیں حمزہ آپا کے لئے۔ میں نے سوچا کہ حمزہ آپا کو بتاؤں کہ ممی انہیں مانگنے کے لئے گاؤں آ رہی ہیں، لیکن پھر میں نے حمزہ آپا کو کچھ نہیں بتایا کہ سرپرائز دیں گے اور میں نے دل میں سوچ لیا کہ ممی جب گاؤں جائیں گی تو میں بھی ان کے ساتھ جاؤں گی۔

اور اگر حمزہ آپا نے انکار کر دیا تو؟ میرے دل میں خوف سا بھی ہے۔ کیونکہ یہ بات صرف مجھے پتا ہے کہ حمزہ آپا عفی بھائی کو بالکل پسند نہیں کرتی ہیں۔ اور ایک ناپسندیدہ شخص کے ساتھ زندگی گزارنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ گو مجھے اس کا تجربہ نہیں ہے لیکن میں اندازہ کر سکتی ہوں کیونکہ میں کسی ناپسندیدہ شخص کے پاس چند منٹ بھی نہیں بیٹھ سکتی مروتاً بھی نہیں۔ چہ جائیکہ زندگی گزاری جائے۔

تو یہ بات میرے لئے تھوڑی سی پریشانی کا باعث ضرور ہے کہ حمزہ آپا عفی بھائی کو بالکل پسند نہیں کرتی ہیں۔ مگر پھر بھی میں چاہتی ہوں کہ حمزہ آپ کی شادی عفی بھائی سے ہی ہو۔ اگر سونی مصباح سے انیچ نہ ہوتا تو عمر میں حمزہ آپا سے کچھ چھوٹا ہونے کے باوجود اس کے لئے سوچا جا سکتا تھا لیکن وہ تو ممی نے بہت بچپن میں ہی مصباح پر نظر رکھ لی تھی اور خود سونی نے بھی۔

کاش، عفی بھائی کتنے اسمارٹ، خوبصورت اور شاندار تھے۔ اور میں تو ان کی حرکتوں کی چشم دید گواہ ہوں دراصل قصور عفی بھائی کا بھی نہیں اس ماحول کا ہے جس میں وہ اتنے برسوں سے رہ رہے تھے۔ ڈیڈی نے خواہ مخواہ انہیں باہر بھیجا۔

اس روز حمزہ آپا نہا کر آئی تھیں اور میں اور حمزہ آپا لان میں ٹہل رہے تھے۔ اور حمزہ آپا کے بے حد خوبصورت، لمبے اور چمکیلے بال کھلے تھے۔ حالانکہ وہ ہمیشہ لمبی سی چٹیا بنائے رکھتی تھیں۔ لیکن چونکہ ان کے بال گیلے تھے اور دوپٹا بھی انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں لپیٹا ہوا نہیں تھا اور وہ مجھے یونیورسٹی میں ہونے والے فنکشن کا احوال سنا رہی تھیں۔ ممی اپنے ویمن کلب کی کسی میٹنگ میں گئی ہوئی تھیں اور مونی، سونی اپنے دوستوں ک طرف گئے تھے اور عفی بھائی غالباً سو رہے تھے۔ تب ہی تبو نے مجھے آ کر فارحہ کے فون کی اطلاع دی اور جب میں فون سن کر آئی تو عفی بھائی حمزہ آپا کے بالکل قریب کھڑے تھے۔ اور حمزہ آپا کا رنگ سرخ ہو

رہا تھا۔

''حمی ڈیئر! تم خواہ مخواہ ناراض ہو گئی ہو حالانکہ......''

''میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ مجھے اس طرح کی گفتگو قطعاً پسند نہیں ہے۔''

''مگر حمی۔ انہوں نے خود ہی حمزہ آپا کا نام مختصر کر لیا تھا۔ تمہیں خود خبر نہیں ہے کہ تمہارا جسم کس قدر خوبصورت ہے۔'' تب ہی حمزہ آپا کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔

''رما آرہی ہے۔''

''تو۔''

وہ بہت پر شوق نظروں سے حمزہ آپا کو دیکھ رہے تھے، SHE IS A YOUNG اور وہ سمجھتی ہے۔''

مگر حمزہ آپا ان کی بات کا جواب دیئے بغیر میری طرف بڑھ آئی تھیں۔

''رما! میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔ مجھے بہت ضروری نوٹس بنانے ہیں۔''

اور عفی بھائی ان پر نظریں جمائے انہیں دیکھتے رہے۔ اور مجھے ان کا اس طرح حمزہ آپا کو دیکھنا اچھا نہیں لگا۔ دیکھتے تو سیفی بھائی بھی حمزہ آپا کو تھے، ان کی آنکھوں میں ستائش ہوتی تھی، اور وہ حمزہ آپا کی ہر بات کو سراہتے بھی تھے لیکن وہ اس طرح حمزہ آپا کو نہیں دیکھتے تھے جیسے عفی بھائی، عفی بھائی کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اور بے باکی ہوتی تھی۔ جیسے وہ نظروں ہی نظروں میں اندر تک جائزہ لے رہے ہوں، جب کہ سیفی بھائی۔ سیفی بھائی کی نظریں ایسی ہرگز نہیں ہوتی تھیں۔

اس روز دسمبر کی آخری شام تھی اور میں حمزہ آپا کے ساتھ شاپنگ کے لئے گئی ہوئی تھی۔ حمزہ آپا کو اپنے لیے صرف ڈائری لینا تھی، اور حمزہ آپا بہت خوبصورت ڈائری خریدا کرتی تھیں۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نفیس اور بہترین پیپر والی۔

ہم اپنی شاپنگ مکمل کر کے جب وہاں آئے جہاں ہم نے ڈرائیور اور گاڑی کو چھوڑا تھا تو وہ دونوں غائب تھے اور وہاں سیفی بھائی کھڑے تھے اور ان کے پاس سونی کی آلٹو تھی۔

''دراصل میں نے ڈرائیور کو گھر بھیجا ہے۔ آنٹی کو گاڑی کی ضرورت تھی میں نے

اسے کھڑا دیکھا تو بھیج دیا کہ تمہیں میں پک کر لوں گا، انہیں مسز ہمدانی کے ہاں جانا تھا۔'' اور مجھے سیفی بھائی کی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ اگر ممی کو گاڑی کی ضرورت تھی تو جب وہ گھر سے نکل رہے تھے تو انہوں نے ممی کو کیوں نہ مسز ہمدانی کے ہاں ڈراپ کر دیا۔

لیکن چونکہ میں زیادہ گہرائی میں نہیں جاتی اور نہ ہی کسی بات پر اتنا زیادہ غور کرتی ہوں، سو میں نے اس پر ذرا بھی غور نہیں کیا بلکہ شاید میں سیفی بھائی کو دیکھ کر خوش ہو گئی تھی۔

''تم لوگ شاپنگ کر کے تھک گئی ہو گی۔ کیا خیال ہے کچھ ریفرشمنٹ ہو جائے۔''

حمزہ آپا خاموش رہیں لیکن میں نے ان کی تائید کی۔

''ہم تھکے تو نہیں لیکن ریفرشمنٹ میں کوئی حرج نہیں۔''

اپنے اور حمزہ آپا کے لئے لائم جوس اور میرے لئے آئس کریم کا آرڈر دیتے ہوئے انہوں نے پوچھا کہ کیا کیا شاپنگ کی ہے۔

''کوئی خاص نہیں۔ بس میں نے شوز اور جرسی لینی تھی اور حمزہ آپا نے ڈائری۔''

''کیا تم اب بھی ڈائری لکھتی ہو حمزہ؟''

انہوں نے بہت اشتیاق سے پوچھا تھا، اور میں نے ''اب بھی'' پر کچھ غور نہیں کیا تھا بلکہ حمزہ آپا کے بولنے سے پہلے ہی میں نے تفصیل بتا دی تھی۔ کہ حمزہ آپا بڑی باقاعدگی سے ڈائری لکھتی ہیں۔ بقول مونی کے دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے، حمزہ آپا ڈائری لکھنا نہیں بھولتیں۔

''اچھا ہوتا ہے ڈائری لکھنا۔ اپنا کتھارسس ہو جاتا ہے اور بہت ساری باتیں جو ہم کسی سے نہیں کہہ سکتے بلکہ بعض اوقات اپنے آپ سے بھی نہیں وہ ہم ڈائری میں لکھ سکتے ہیں۔

ان کا لہجہ اتنا خوبصورت تھا۔ ٹھہرا ٹھہرا گمبھیر سا کہ میں تو بس لہجے کے سحر میں ہی کھو جاتی تھی اور میں نے کبھی معنی پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ ورنہ مجھے پہلے ہی پتا چل جاتا کہ سیف بھائی نے جواب کہا ہے تو ان کو پہلے سے پتا ہے کہ حمزہ آپا ڈائری لکھتی ہیں اور یہ کہ مجھے تو وہ آپ کہہ کر بلاتے ہیں اور حمزہ آپا کو تم، حالانکہ میں حمزہ آپا سے چھوٹی ہوں اور یہ کہ انہوں نے حمزہ آپا سے پوچھے بغیر ان کے لئے لائم جوس کا آرڈر دے دیا تھا۔ جب کہ مجھ سے پوچھا تھا کہ میں کیا لوں گی۔

ظاہر ہے وہ حمزہ آپا کے سگے تایا زاد تھے اور حمزہ آپا سے ہم سے زیادہ واقف تھے اور جب میں نے گاؤں سے آ کر نزی آپا کو فون پر بتایا کہ اپنے سیفی بھائی حمزہ آپا کے تایا زاد ہیں تو انہیں کوئی خاص حیرت نہیں ہوئی، گویا میرے علاوہ سب ہی جانتے تھے ایک میں ہی بے خبر تھی۔

اور اگلے روز میں نے ڈیڈی سے ان کی ایجنسی کی ڈائری لے لی اور گھنٹوں قلم ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی کہ آخر کیا لکھوں، میرے پاس تو لکھنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ جانے حمزہ آپا کیا لکھتی تھیں۔

اس رات کھانے کے بعد جب حمزہ آپا سب کے لئے کافی بنا کر لائی تھیں تو سیفی بھائی نے بہت تعریف کی تھی۔

”حمزہ کے ہاتھ کی کافی کا مزا ہی کچھ اور ہے۔“

اور میں نے سوچا تھا کہ میں کافی بنانا حمزہ آپا سے سیکھوں گی، مگر میں نے ان کے ہاتھ سے کافی کی پیالی لیتے ہوئے بے وقوفوں کی طرح پوچھ لیا تھا۔

”حمزہ آپا! آخر آپ ڈائری میں کیا لکھتی ہیں میری تو سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں۔“

”یعنی آپ...... آپ رمانہ ملک! آپ ڈائری لکھیں گی اب......“ مونی ہنسنے لگا تھا۔

”تب ہی تو آج ڈیڈی سے ڈائری مانگی جا رہی تھی۔“

سونی نے جانے کب مجھے ڈائری لیتے دیکھ لیا تھا، پورا جاسوس ہے۔

”یہ لکھنا لکھانا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔“ مونی نے مذاق اڑایا

”اور ڈائری لکھ کر تم حمزہ آپا ہرگز نہیں بن سکتیں۔“ میں نے مونی کی بات پر ذرا توجہ نہ دی۔ اور حمزہ آپا سے پھر پوچھا۔

”بتائیں نا حمزہ آپا۔“

”دل کی باتیں۔“

سیفی بھائی نے آہستگی سے کہا تھا لیکن میں نے سن لیا تھا اور شاید حمزہ آپا نے بھی کیونکہ وہ سر نیچا کیے ہولے ہولے مسکرا رہی تھیں۔

اور میری سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ دل کی باتیں کیا ہوتی ہیں اور وہ باتیں جو میں سوچتی ہوں ان میں سے دل کی باتیں کون سی ہیں اور دماغ کی کون سی۔ مگر پھر بھی میرا جی چاہتا تھا کہ میں ڈائری لکھنا شروع کر دوں اور جب سیفی بھائی کو بتاؤں کہ میں ڈائری لکھتی ہوں تو وہ کہیں ”ہاں ڈائری لکھنا اچھی بات ہے۔“

پتا نہیں کیوں میرا جی چاہتا ہے کہ میں ہر وہ کام کروں جو سیفی بھائی کو اچھا لگتا ہے حالانکہ کوشش کے باوجود میں باقاعدگی سے ڈائری نہیں لکھ پاتی ہوں۔ ایک بار سیفی بھائی نے نہ جانے کس بات پر کہا تھا۔

”عورت کا حسن تو لمبے بالوں میں ہے کوئی بھی مرد کٹے بال پسند نہیں کرتا۔ ہاں مجبوری الگ ہے۔“

اور میں نے اپنے بال بڑھانے شروع کر دیئے ہیں، پچھلے سات ماہ سے میں نے بال سیٹ نہیں کروائے حالانکہ ممی نے چھ سات دفعہ ٹوکا بھی ہے۔

”رما ڈارلنگ! تمہارے بال کس قدر بے ڈھنگے ہو رہے ہیں۔ تم انتہائی سست ہو۔“

”مگر میرا جی چاہتا ہے، میرے بال لمبے ہو جائیں، اتنے جتنے حمزہ آپا کے ہیں۔ گھٹنوں تک چھوتے ہوئے۔ حمزہ آپا شاید صبح کے پیپر کی تیاری کر رہی ہیں ورنہ میرا جی چاہ رہا ہے کہ ان سے جا کر پوچھوں کہ ان کے بال کس طرح اتنے لمبے ہو گئے تھے۔ مگر میں انہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی، پتا نہیں کیوں پہلے ہی وہ اتنی پریشان لگ رہی ہیں۔ کیا انہیں ممی کے ارادوں کی خبر ہو گئی ہے۔ مگر نہیں بھلا کیسے ہو سکتی ہے۔ شاید وہ اپنی امی کی وجہ سے پریشان ہیں، اب بہت رات ہو گئی ہے اور مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ اس لئے صبح ہی پوچھوں گی ایک بار پھر شاید اپنی پریشانی کی وجہ بتا ہی دیں۔

☆☆☆

10 مئی 1990ء

حسب معمول ایک ہفتے بعد ڈائری اٹھائی ہے۔ دراصل ایک تو فارحہ کی شادی تھی ادھر مصروفیت تھی۔ یہ فارحہ بھی بڑی گھنی ہے۔ ہمارے ساتھ بیٹھ کر ایم فل اور پی ایچ ڈی کے پروگرام بناتی رہیں اور اندر ہی اندر شادی کی تیاریاں کرتی رہیں۔ اور پھر ایک دم دھماکہ کر دیا کہ وہ پڑھائی چھوڑ کر شادی کروا رہی ہے۔

"کم اکم اپنا ایم اے تو مکمل کرلو۔" ہم سب فرینڈز نے اسے بہت اکسایا۔ آخر پی ایچ ڈی کرنا اس کا خواب تھا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"بھئی، امی اور ابا جی کی مرضی ہے۔"

"یہ کہو کہ تمہاری اپنی مرضی ہے۔" ماریہ حیدر کو اس کا ایم اے نامکمل رہ جانے کا بہت دکھ تھا۔

"چلو فارحہ کا ہر روز فل میک اپ میں یونیورسٹی آنا کام آ گیا۔"

"فائزہ علی نے اپنا کوئی پرانا بدلہ لیا، کیونکہ اس کے ٹائٹس اور جینز پہن کر یونیورسٹی آنے پر سب سے زیادہ اعتراض فارحہ ہی کرتی تھی۔ مگر فارحہ نے اس پر زبردست احتجاج کیا۔

"شبیر نے مجھے آج تک دیکھا ہی نہیں۔"

"یعنی۔"

"یعنی میں صرف اس کی ماں کی پسند ہوں۔"

"اور موصوف کرتے کیا ہیں؟"

"دکانداری۔" اور فارحہ کے جواب سے سب کو انتہائی مایوسی ہوئی تھی، شکر ہے ایجوکیشن کچھ گوارا تھی یعنی بی۔اے بقول ماریہ کے۔ بی۔اے فرام چک باقی شاہ۔

"یہ چک باقی شاہ میں کون سا کالج ہے۔" فائزہ نے پوچھا تھا۔

"نہ ہو لیکن میاں شبیر شکل وصورت سے چک باقی شاہ کے ہی تعلیم یافتہ لگتے ہیں۔"

سب کو فارحہ سے ہمدردی تھی۔ جب کہ فارحہ خود خاصی خوش دکھائی دیتی تھی اور اس کی اس خوشی پر سب نے انتہائی احتجاج کیا تھا پھر بھی ہم سب فرینڈز نے ہی اس کی شادی میں بھرپور حصہ لیا تھا اور ابھی شادی کی تھکن اتری بھی نہ تھی کہ ممی نے گاؤں جانے کا پروگرام بنا لیا۔

"ممی! دو ایک روز رک جائیں۔ میں بھی ساتھ چلوں گی۔"

"تمہارا جانا کوئی ضروری بھی نہیں ہے۔"

"حمزہ آپا سے ملاقات ہو جائے گی نا۔"

"ابھی ہفتہ بھر پہلے تو حمزہ مل کر گئی ہے۔" ممی بعض اوقات بلا جواز ہی ضد کر بیٹھتی

تھیں۔

"ہاں مگر مجھے لیڈی ڈیانا بھی تو یاد آ رہی ہے۔"

"لیڈی ڈیانا۔" ممی کو استعجاب ہوا تھا۔

"حمزہ آپا کی سب سے چھوٹی بہن۔"

اور ممی جانے کس موڈ میں تھیں کہ وہ مجھے گاؤں ساتھ لے جانے پر راضی ہو گئیں ورنہ ممی اگرچہ کتنی ہی بے ضرر کیوں نہیں تھیں، ایک بات ان میں تھی کہ اگر وہ ایک بار کسی بات پر نہ کہہ دیتی تھیں تو پھر مشکل سے ہی مانتی تھیں۔ اگرچہ میں بہت تھکی ہوئی تھی مگر حمزہ آپا کے گھر جانے اور ان کی بہنوں سے ملنے کے شوق میں، میں تیار ہو گئی، اور وہاں جا کر مجھے اس بات پر یقین ہو گیا کہ ممی واقعی زبردست پلانر ہیں۔ اور میں جو سمجھ رہی تھی کہ ممی بھول چکی ہیں کہ عفی بھائی نے ان سے کیا کہا تھا حمزہ آپا کے متعلق میں ان کی حکمت عملی کی قائل ہو گئی۔

حمزہ آپا کے ابا میاں گھر پر ہی تھے، بظاہر دیکھنے میں تو وہ بس نارمل ہی سے لگے لیکن ان کا انداز بڑا روکھا روکھا سا تھا۔ اور میں نے محسوس کیا تھا کہ ان کی موجودگی میں سب ہی سہمے سہمے سے لگ رہے تھے حتیٰ کہ لیڈی ڈیانا بھی اس روز کی طرح نہیں چہک رہی تھی۔

"کیسے آنا ہوا؟"

"ان کا انداز انتہائی روکھا روکھا سا تھا۔

"بس یوں ہی ابا جان کی برسی آ رہی تھی سوچا قبر پر ہو آؤں۔ ادھر آ گئی حمزہ سے ملنے۔ ماشاء اللہ بھائی صاحب! آپ کی بچی بہت پیاری اور بہت سمجھدار ہے۔ بہت خوش قسمت ہیں آپ کہ حمزہ جیسی لڑکی کے باپ ہیں۔"

"ایک نہیں آٹھ خوش قسمتیاں ہیں۔" لہجے میں زہر گھلا تھا۔

"ماشاء اللہ بھائی صاحب! آپ کی ساری بچیاں ہی ہیرا ہیں۔"

ممی اتنی متحمل مزاج ہرگز نہیں تھیں جتنے تحمل کا مظاہرہ وہ یہاں کر رہی تھیں۔

"میں نے تو دل میں سوچ رکھا ہے کہ میرا عفی آ جائے باہر سے تو میں جھولی پھیلاؤں گی۔"

انہوں نے بھنویں اچکائیں، اور پیشانی پر شکنیں سی پڑ گئیں۔

"ہاں میرا حق سب سے پہلا ہے بھائی صاحب۔" ممی کا لہجہ خوشگوار تھا۔

''میں تو صرف اس لئے خاموش ہوں کہ عفی باہر گیا ہے پڑھنے کے لئے آٹھ سال ہونے والے ہیں، وہ آ جائے تو دست سوال دراز کروں ماشاء اللہ آپ اس سے مل کر مایوس نہیں ہوں گے۔''

وہ عفی بھائی کے آنے کا ذکر ہی گول کر گئی تھیں۔ پیشانی کی شکنیں قدرے کم ہوئیں اور ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ آ گئی۔

''تم عورتیں بڑی بے وقوف ہوتی ہو۔ آٹھ سال سے صاحبزادے باہر ہیں تو ظاہر ہے باہر سے اکیلے تھوڑے ہی آئیں گے۔'' انہوں نے قہقہہ لگایا۔

''تب ہی تو خاموش ہوں۔ ایک دفعہ عفی آ جائے تب ہی بات منہ سے نکالوں گی۔ لیکن ماشاء اللہ آپ کی بھی اور بچیاں ہیں اور میرا بھی ایک بیٹا اور ہے مونی۔ رما سے بڑا، ارمی میں ہے۔ سونی کی تو بچپن سے ہی آپا کے ہاں بات طے ہے۔ پر مونی تو ہے، خدا نہ کرے کہ عفی کوئی میم شیم لے آیا تو بھی آپ کی کوئی نہ کوئی بچی میری بہو ضرور بنے گی۔ بس میں نے کہہ دیا ہے، غیر گھر میں آ کر عیش کریں اور اپنوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔''

''غیروں میں بھی دے کر دیکھ لیا ہے، عنبر کو، آئے دن کا فضیحتا۔'' ان کا لہجہ یک دم نرم ہو گیا تھا، اور میں ممی کی حکمت عملی کی قائل ہو گئی، کس خوبصورتی سے انہوں نے حمزہ آپا کے ابا جی کو یہ باور کرا دیا تھا کہ حمزہ آپا کا کوئی چکر وکر نہیں تھا وہاں بلکہ ان کے لئے حمزہ حفظہ سب برابر ہیں۔ اب وہ بہت نرم لہجے میں ممی سے بات کر رہے تھے۔ میں اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

''ممی! میں جاؤں حمزہ آپا کے پاس۔''

''ہاں ہاں جاؤ۔'' ممی بہت مطمئن تھیں جیسے معرکہ مار لیا ہو انہوں نے۔

''سنا تم نے کنیز فاطمہ! تمہاری بہن کیا کہہ رہی ہیں۔'' میں جا رہی تھی تو آنٹی کنیز فاطمہ اندر داخل ہوئی تھیں۔

''کیا؟'' وہ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بیٹھ گئیں۔

''اپنی حمزہ کو بہو بنانے کا۔''

''مگر حمزہ کے لئے تو بھابھی نے کہہ رکھا ہے بہت پہلے سے سیف کے لئے۔''

''مت نام لو اس کمبخت کا میرے سامنے۔''

پتا نہیں وہ سیفی بھائی سے اتنا ناراض کیوں لگ رہے تھے۔ ممی خاصی خوش واپس

آ گئی تھیں اور آتے ہی انہوں نے نزی آپی کو فون کر کے بتایا۔

''نزو میں نے بات چلا دی ہے، اب دعا کرنا۔ بھائی صاحب کے مزاج کا پتا نہیں چلتا، خاصے ٹیڑھے آدمی ہیں، پھر بھی مجھے امید ہے، عنبر کا رشتہ غیروں میں دے کر بہت پچھتا رہے ہیں۔ البتہ کنیز کچھ چپ سی تھی، اس کا خیال سیفی کے لئے تھا لیکن بھائی صاحب سیفی کو بالکل پسند نہیں کرتے، نام تک سننا نہیں چاہتے۔'' میں نے لاؤنج سے گزرتے ہوئے ممی کی بات سنی تھی۔

او وہ تب ہی پھپھو حمزہ آپا سے اتنا پیار کرتی تھیں اور سچ تو یہ ہے کہ حمزہ آپا ہیں ہی ایسی کہ سب ہی ان سے پیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

''تو کیا سیفی بھائی بھی حمزہ آپا سے۔''

لمحہ بھر کے لئے میرے دل میں خیال آیا اور جیسے دل کو کسی نے مٹھی میں بند کر لیا۔

25 جون 1990ء

آج پورے ڈیڑھ ماہ بعد میں نے ڈائری اٹھائی ہے۔ حالانکہ کئی دفعہ سوچا کچھ لکھوں مگر موڈ ہی نہیں بنا۔ کیا لکھوں بھلا، اتنی بوریت سی تو ہے۔

نزی آپی بھی اقتدار بھائی کے ساتھ ورلڈ ٹور پر گئی ہوئی ہیں۔ اقتدار بھائی نے شادی کے بعد ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ انہیں یورپ گھمانے لے جائیں گے۔ اور نجو چچا بھی کچھ عرصے سے کراچی منتقل ہو چکے تھے۔ سو زندگی انتہائی بور ہو رہی تھی اور ایسے میں میرا جی نہ پڑھائی میں لگتا تھا اور نہ کسی اور بات میں نہ ٹی وی کے پروگرام اچھے لگتے نہ کوئی مووی دیکھنا، حالانکہ پہلے میں موویز بڑے شوق سے دیکھتی تھی۔

''یہ تو اچھی علامات نہیں ہیں رما۔'' میں نے سونی سے شکایت کی۔ تو اس نے تشویش سے مجھے دیکھا۔

''اچھا اب فضول کوئی بات نہ کرنا۔''

''سنو ایسا کرو، ایسا کرو۔''

''کیا۔'' اس نے کان کھجایا۔

''چند دنوں میں تمہاری گرمیوں کی چھٹیاں ہو جائیں گی تو نجو چچا کے پاس کراچی چلی جانا تمہاری بوریت دور ہو جائے گی۔''

سونی کا مشورہ واقعی معقول تھا، سو جیسے ہی تعطیلات ہوئیں میں نے نجو چچا کو فون کیا۔

''نجو! چچا میں بوریت سے مرنے والی ہوں۔''

''یہ تو بڑی تشویش ناک بات ہے بھتیجی! میں اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔''

''دراصل مرنے کے لئے سمندر بہتر جگہ ہے۔'' سونی جو میرے پاس ہی کھڑا تھا۔ اس نے ریسیور مجھ سے لے لیا۔

''واقعی مجھے آج تک خیال ہی نہیں آیا۔ چلو کسی دن آزما کر دیکھیں گے۔''

''مگر رما بذات خود آزمانا چاہتی ہے۔''

''تو......'' کس قدر بن رہے تھے نجو چچا۔ مجھے غصے آ گیا۔

''رہنے دو سونی۔'' مگر سونی نے میری طرف توجہ نہیں دی۔

''تو عرض ہے کہ آپ، ڈیڈی ممی سے پرزور درخواست کریں کہ وہ چھٹیوں میں رما کو آپ کی طرف بھیج دیں۔''

''مگر ایک مسئلہ ہے۔''

''کیا۔'' میں ایرپیس سے کان لگائے کھڑی تھی۔

''زارا کے میکے سے سب لوگ آئے ہوئے ہیں اور جگہ بالکل نہیں ہے۔''

''سرونٹ کوارٹر میں گنجائش نہیں نکل سکتی نجو چچا! کیونکہ رما۔''

''نہیں ضرورت مجھے کہیں جانے کی۔'' میں غصے سے اپنے کمرے میں آ گئی، یہ نجو چچا بھی شاید بدل ہی گئے ہیں رکھیں زارا چچی کے میکے والوں کو۔ مجھے نہیں جانا کراچی مگر صبح ہی ناشتے کی ٹیبل پر ڈیڈی نے کہا۔

''رما بیٹا! نجو اور زارا بہت ضد کر رہے ہیں کہ تمہیں چھٹیاں ہیں تو کچھ دن ان کے پاس گزار آؤ، سونی لے جائے گا تمہیں، میرا جی نہیں کہیں جانے کا۔''

میں نے بھی نجو چچا سے خوب خوب منتیں کروائیں پھر جانے کے لئے تیار ہوئی، نجو چچا اور زارا چچی ایرپورٹ پر موجود تھے۔

''آپ کے مہمان چلے گئے کیا؟'' میں نے زارا چچی سے پوچھا۔

''کون......؟''

''آپ کی ممی اور بہنیں وغیرہ۔''

''لو وہ تو چھ ماہ ہوئے امریکہ میں شفٹ ہو گئے ہیں۔'' میں نے گھور کر نجو چچا کو دیکھا تو وہ منہ کو نیچا کر کے مسکرانے لگے۔

سونی چائے پیتے ہی خالہ جان کے گھر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

''ارے سونی! کہاں چلے آرام کرو نا۔''

''در حبیب پر حاضری دینے۔'' نجو چچا گنگنائے۔

''کمال ہے، وہاں کیسے صبر کرتے ہو۔'' زارا چچی ہنسیں۔

''مجبوری ہے۔'' سونی نے ٹھنڈی سانس لی۔

''اب کے میں بھابھی سے کہوں گی کہ اب سونی کی شادی ہو جانی چاہیے بہت ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگا ہے۔''

رات کو جب ہم کھانے کے لئے بیٹھے تو سونی آ گیا اور آتے ہی ٹیبل پر بیٹھ گیا۔

''کیوں کیا مصباح نے کھانے کے لئے نہیں پوچھا۔'' میں نے اسے چھیڑا۔

''پوچھا تھا۔'' اس نے ہونٹ لٹکائے۔

''پھر......'' اس نے نجو چچا کی طرف دیکھا۔

''نجو چچا! یہ لڑکیاں اتنی شکی کیوں ہوتی ہیں۔''

''پتا نہیں۔'' نجو چچا کبھی کبھی بڑے معصوم بن جاتے تھے۔

''یہ وہ مسئلہ ہے جو ابھی تک نکتہ وروں سے حل نہیں ہو سکا۔ ہم بے چارے کس شمار میں ہیں۔''

''اور یہ ان کی ناکیں اتنی لمبی کیسے ہو جاتی ہیں کہ کراچی میں بیٹھ کر لاہور کی بو سونگھ لیں۔'' اس نے کباب اپنی پلیٹ میں رکھا۔

''کیا سونگھ لیا۔''

زارا چچی جو اپنی بچیوں کے ساتھ مصروف تھیں۔ ایک دم سونی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''مصباح کا خیال ہے کہ میرے پاس وہاں خوبصورت کلائنٹ آتی ہیں

اور میں ان کے ساتھ گپ لگاتا ہوں اور......''

''اور کیا تم گپ نہیں لگاتے ہو۔'' نجو چچا نے فوراً احتساب کیا۔

''ظاہر ہے۔ گپ تو لگ ہی جاتی ہے اور......''

''حسن سامنے ہو تو نگاہیں اٹک ہی جاتی ہیں۔'' نجو چچا نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

''مگر اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ میں مصباح کو بھول کر کسی کلائنٹ سے محبت کرنے لگا ہوں، اب وہ بے چاری رباب اتنی خوبصورت ہے اور اتنی دکھی ہے۔ کبھی کبھار فون کر لیتی ہے تو میں بات کر لیتا ہوں بس اتنی سی بات ہے۔''

''تو بات نہ کرنا آئندہ اس سے۔'' نجو چچا نے فیصلہ سنا دیا۔

''مگر نجو چچا......'' سونی انتہائی مظلوم لگ رہا تھا۔

''وہ اتنی خوبصورت باتیں کرتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ سنتے ہی رہیں۔''

''مگر یہ ساری باتیں مصباح کو کس نے بتائیں؟'' زارا چچی نے جو بے حد حیرت سے سونی کی بات سن رہی تھیں، پوچھا۔

''زارا بیگم، یہاں۔'' نجو چچا نے دل پر ہاتھ رکھا۔

''یہاں سے پتا چلتی ہیں، یہ خبر دیتا ہے ان باتوں کی۔ خودبخود ادراک ہوتا ہے۔''

وہ ایک دم نجو چچا سے بڑے فلسفی اور دانشور بن گئے۔

عورت کی ایک حس زیادہ ہوتی ہے اس معاملے میں۔

کروڑوں میل دور بیٹھے ہوئے بھی اسے پتا چل جاتا ہے کہ اس کا مرد پرایا ہو رہا ہے۔''

''اف او کھانا کھائیں۔ کیا اوٹ پٹانگ باتیں کرتے رہتے ہو تم چچا بھتیجے۔'' زارا چچی بور ہو گئی تھیں۔

''ہائے زارا بیگم! تم کیا سمجھو ان اوٹ پٹانگ باتوں کا چارم۔

نجو چچا نے چاولوں کی ڈش اپنی طرف کھسکائی اور سونی بھی ٹھنڈی آہ بھر کر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

دوسرے دن سونی، زارا چچی کے بے حد اصرار کے باوجود واپس چلا گیا تھا اور اس کے جانے کے بعد ایک بے حد اہم کیس کورٹ میں لگا تھا اور اس کے جانے کے بعد مصباح

آ گئی مجھ سے ملنے۔ اس کی آنکھیں متورم تھیں اور وہ یوں ہی اٹھ کر آ گئی تھی حالانکہ کہیں بھی جانے سے پہلے وہ خاصے اہتمام سے تیار ہوا کرتی تھی۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔''

''ہوں......سونی کہاں ہے۔''

''چلا گیا ہے۔''

''چلا گیا ہے۔'' اس نے یوں کہا جیسے سونی کا جانا کوئی بہت بڑا حادثہ ہو۔

''اور اس نے جانے سے پہلے مجھ سے بات بھی نہیں کی۔'' اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

''دراصل اس کی فلائٹ بہت سویرے تھی۔ تم اس وقت سو رہی ہو گی۔''

''نہیں۔ یہ بات نہیں ہے رما، وہ...... وہ بدل رہا ہے...... بدل گیا ہے......'' وہ دھواں دھار رونے لگی۔

''نہیں نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

میں نے اسے بہت تسلی دی لیکن وہ جتنی دیر رہی اس کی آنکھوں میں بار بار آنسو آتے رہے۔

یہ لڑکیاں بھی کتنی پاگل ہوتی ہیں۔

اس روز مجھے مونی کی بات پر یقین آ گیا۔

''نازک دل، اور کمزور سی اور تنہائی پوزیسو۔''

میں نے مونی کو اگلے روز بہت لمبا چوڑا خط لکھا۔

میں نجو چچا کے ہاں بہت خوش تھی اور بہت انجوائے کر رہی تھی۔

اس روز نجو چچا نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے آج آفس سے واپسی پر پھپھو کے ہاں لے جائیں گے۔ میں لاشعوری طور پر بہت اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ میں نے بالوں کی کس کر پونی بنالی تھی۔ اگرچہ میں نے تقریباً ایک سال سے بال نہیں کٹوائے تھے پھر بھی وہ اتنے زیادہ بڑے نہیں ہوئے تھے اور حمزہ آپا کے بال کتنے خوبصورت تھے۔ کتنے لمبے اور گھنے پتا نہیں میرے بال اتنے لمبے کب ہوں گے۔

میں نے بہت ہلکا ہلکا سا میک اپ کیا تھا جو بالکل محسوس نہیں ہو رہا تھا اور بڑا سا

کلف لگا سفید دوپٹا لیا تھا۔ اور آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے غیر ارادی طور پر سوچا تھا۔
کیا میں اس وقت حمزہ آپا کی طرح لگ رہی ہوں، پتا نہیں کیوں یہ خیال میرے دل میں آیا تھا
اور ابھی نجو چچا آفس سے آئے بھی نہیں تھے کہ پھپھو سیفی بھائی کے ساتھ آ گئیں۔

''اتنے دن ہو گئے تمہیں آئے ہوئے اور مجھے کل پتا چلا تمہاری خالہ جانی سے کیا
میں تمہاری کچھ نہیں لگتی۔''

انہوں نے مجھے گلے لگاتے ہوئے شکوہ کیا۔

''پوچھ لیں زارا چچی سے میں روز نجو چچا سے کہتی ہوں اور آج انہوں نے مجھ سے
وعدہ کیا تھا کہ وہ آپ کی طرف لے جائیں گے۔''

''یہ نجو تو کبھی فارغ نہیں ہوگا۔'' ان کے لہجے میں پیار ہی پیار تھا۔

''نجو چچا سب سے چھوٹے ہونے کی وجہ سے خوب سب کا پیار بٹورتے تھے۔
ڈیڈی کے بھی لاڈلے تھے اور بڑے چچا کے بھی اور پھپھو کی تو جان تھی ان میں، جن دنوں
پھپھو اپنے سسرال میں تھیں اور ان کو سب کی طرف سے آنے اور ملنے سے منع کر دیا گیا تھا،
تب بھی نجو چچا دھڑلے سے ان سے ملنے چلے جاتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ نجو چچا ہمیشہ پھپھو کے گھر جاتے رہے اور ان کی سیفی بھائی سے بھی
بہت دوستی تھی اور یہ بات سیفی بھائی نے ان دنوں بتائی تھی جب وہ لاہور آئے تھے۔

''اسلام علیکم سیفی بھائی۔''

میں نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ہمیشہ کی طرح وہ بہت سوبر اور باوقار لگ رہے
تھے مجھے دیکھ کر وہ مسکرائے۔ ان کی آنکھوں میں، میں نے اپنے لئے ستائش محسوس کی، تو میری
روح اندر تک سرشار ہو گئی۔

''کیسی ہو رما۔'' گھمبیر خوبصورت لہجہ اندر تک اترتا چلا گیا۔

''فائن۔''

''ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' پھپھو نے تعریف کی۔

''یہ ہے ہی پیاری، لگ نہیں رہی۔''

سیفی بھائی نے کہا تو مجھے یوں لگا جیسے میرا دل زور سے دھڑک کر پھر بند ہو جائے گا۔
اس روز پھپھو مجھے اپنے ساتھ لے آئیں۔ حالانکہ نجو چچا نے انہیں دھمکی دی تھی۔

''یہ میری مہمان ہے بھئی۔''

''آپ کی مہمان ہماری مہمان بھی تو ہو سکتی ہے۔''

سیفی بھائی چچا سے بہت بے تکلفی سے بات کرتے تھے۔

''بالکل ہو سکتی ہے۔'' انہوں نے سر کھجایا۔

اور میں سیفی بھائی اور پھپھو کے گھر رہنے کے لئے آ گئی۔ MARINE
DRIVE پر ان کا چھوٹا سا لیکن بہت خوبصورت گھر تھا اور پھپھو نے اسے بہت خوبصورتی
سے ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا۔ میں پہلی بار پھپھو کے گھر آئی تھی۔ پھپھو بہت خوش تھیں اور ان کا
بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ میرے لیے دنیا جہان کی نعمتیں اکٹھی کر دیں۔ میں آج ہی پھپھو کے
گھر سے آئی ہوں اگر نجو چچا مجھے لینے نہ آتے تو میں ابھی بھی ان کے گھر سے نہ آتی۔

شاید میں اتنی خوش تو کبھی بھی نہیں رہی جتنی ان پندرہ دنوں میں رہی ہوں، سیفی
بھائی صبح صبح آفس چلے جاتے اور دن بھر پھپھو کے ساتھ مصروف رہتی۔ کام کرتے ہوئے
پھپھو مجھے اپنے متعلق بتاتی رہیں۔ وہ دکھ جو انہوں نے سہے، اور وہ کرب جو سیفی نے برداشت
کیا۔

تنہا ایک نجو چچا تھے، جو کبھی ان سے ملنے چلے جاتے تھے تو جیسے انہیں گلوکوز مل
جاتا تھا۔ وہ ایک بار پھر توانا ہو جاتی تھیں۔

''دراصل۔''

میرے استفسار پر کہ وہ انکل کی وفات کے بعد دادا کے پاس کیوں نہیں آ گئیں۔
حالانکہ ممی بتاتی ہیں کہ دادا، دادی انہیں بہت یاد کرتے تھے اور دادی کو تو ان کا غم ہی لے گیا
حالانکہ وہ بھلی چنگی تھیں۔

''میں نے سیفی کے ابو سے وعدہ کیا تھا کہ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔''

وہ بہت اچھے تھے، اپنے خاندان کے سارے مردوں سے مختلف، بہت نرم مزاج
اور لبرل انہوں نے کہا تھا کہ میرے بعد بہتر تو ہے کہ تم شادی کر لینا اور اگر شادی نہ کی تو اپنا
گھر چھوڑ کر کبھی نہ جانا۔ بے شک تمہارے بھائی بہت اچھے اور محبت کرنے والے ہیں لیکن
آدمی اپنے گھر سے ہی معتبر ہوتا ہے۔ ماماؤں کے گھر میں رہ کر سیفی کی انا مجروح ہو گی اور اس
کا سر ہمیشہ کے لئے جھک جائے گا۔''

پھپھو ورق ورق اپنی داستان سناتی جاتیں اور وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلتا، پھر سیفی بھائی آ جاتے۔ شام کی چائے اور رات کا کھانا کھایا جاتا اور کھانے کے بعد دیر تک ٹی وی دیکھتے ہوئے باتیں ہوتیں۔ کبھی کبھار رات کو ہم ڈرائیو پر نکل جاتے۔ پھپھو میں اور سیفی بھائی، سیفی بھائی نے بہت سیر کروائی۔ کراچی کی ہر اہم جگہ جہاں میں پہلے نجو چچا اور زارا چچی کے ساتھ جا چکی تھی مگر سیفی بھائی کے ساتھ ان جگہوں پر آنا بہت اچھا لگا۔

اس روز اتوار تھا۔ میں پھپھو کے ساتھ کچن میں تھی اور سیفی بھائی ٹی وی لاؤنج میں اپنے سامنے کچھ فائلیں کھولے بیٹھے تھے۔ میں کبھی کبھی انہیں کچن کے دروازے سے دیکھ لیتی تھی۔

''بڑا مشکل وقت دیکھا ہے سیفی نے۔'' اللہ اس کا اب نصیب اچھا کرے، بہت دے۔''

پھپھو چوکی پر بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھیں، پھپھو کو کل سے فلو تھا۔ آج طبیعت کچھ بہتر تھی لیکن میں نے ان سے کہا تھا کہ آج میں کھانا بناؤں گی۔ دراصل ڈنر پر سیفی بھائی کے ایک دوست آ رہے تھے مگر پھپھو زبردستی کچن میں آ گئی تھیں۔

''اتنا کام اکیلی کیسے کرو گی کچھ مدد کر دیتی ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پھپھو کے کچن میں آنے سے مجھے کچھ حوصلہ بھی ہو گیا تھا۔ صبح پھپھو کی طبیعت خراب دیکھ کر سیفی بھائی نے کہا تھا کہ وہ دعوت ملتوی کر دیتے ہیں لیکن میں نے منع کر دیا۔

''میں کروں گی سب۔''

''تم۔''

وہ کچھ کچھ حیران ہوئے اور پھر ان کی آنکھوں میں میرے لئے ستائش کے رنگ بکھر گئے۔

''میں تمہیں اور طرح کی لڑکی سمجھا تھا رما! میرا نہیں خیال تھا کہ تمہیں کچن وغیرہ کے کاموں سے کوئی دلچسپی ہو گی۔ جب میں لاہور میں تھا تو کبھی کبھار اقتدار کے ہاں چلا جایا کرتا تھا لیکن نزہت تو کبھی بھی کچن میں نہیں گئیں۔ ان کا کک ہی جو پکا لے میرے خیال میں تو شاید انہیں صرف آملیٹ بنانا ہی آتا ہو گا، لیکن تمہیں کچن میں امی کے ساتھ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔''

''جب تک ابا میاں (سیفی کے دادا) زندہ رہے تو اتنی پریشانی نہیں ہوئی۔ سال بھر کا اناج ڈلوا دیتے اور بھی ضروریات کا خیال رکھتے تھے لیکن پھر ان کی وفات کے بعد بڑی تنگی ہو گئی۔ سیفی کے تایا اور بڑے چچا نے تو صاف کہہ دیا کہ اختر میاں باپ کی زندگی میں وفات پا گئے تھے سو ان کی وراثت ختم ہو گئی، زمین جائیداد میں کوئی حصہ نہیں سیفی کا، وہ تو شکر کہ ابا میاں گھر کا وہ حصہ جس میں ہماری رہائش تھی۔ سیفی کے نام کر گئے تھے۔ بڑا اوکھا وقت کاٹا۔ میٹرک کے بعد تو سیفی نوکری ڈھونڈنے لگا تھا لیکن نجو آ گئے۔ وہ لاہور زبردستی ساتھ لے گئے اور کالج میں ایڈمیشن دلوا دیا۔''

سیفی پڑھتا ساتھ ٹیوشن کرتا، کسی نے حوصلہ افزائی نہیں کی، الٹا روڑے ہی اٹکائے۔

''بس نجو کا دم تھا جس نے ہمت بندھائے رکھی۔''

''نجو چچا سے پہلے ہی مجھے بہت پیار تھا۔ اب تو مجھے اور پیارے لگنے لگے ہیں۔''

''پھپھو! آپ نے اتنی تکالیف اٹھائیں۔ آ جاتیں ہمارے پاس۔''

''بس بیٹا! ایک دو بار تو ہمت ہار ہی گئی تھی لیکن پھر نجو حوصلہ دیتا سیفی ہمت بڑھاتا کہ اب مشکل وقت تھوڑا سا ہی رہ گیا ہے۔ بس کیا بتاؤں ایسا وقت بھی آیا کہ دو وقت کھانا نہیں پکا، کنیز فاطمہ کو پتا چلا تو چپکے چپکے شوہر سے چھپ کر کھانا دے گئی۔ سیفی تو لاہور میں تھا۔ حمزہ میرا بہت خیال رکھتی تھی۔''

''یہ حمزہ آپا کے ابا کو کیوں چڑ ہے سیفی بھائی سے۔''

''اللہ جانے۔ شروع سے ہی دونوں بھائیوں میں نہیں بنتی تھی سیفی نے تو ہمیشہ ہی احترام کیا ہے اپنے دونوں چچاؤں اور تایا کا لیکن بھائی صاحب کو تو اللہ واسطے کا بیر تھا سیفی سے۔ شاید ان کا بیٹا نہیں تھا کوئی اس لئے یا پھر معلوم نہیں کیوں، ہاتھ تو سر پر سیفی کے تایا بڑے چچا نے بھی نہیں رکھا۔ لیکن ایسا بیر بھی نہیں تھا انہیں سیفی سے۔''

''امی! کیا پرانے قصے سنا کر بور کرتی رہتی ہیں رما کو۔'' سیفی بھائی جانے کب کچن میں آ گئے تھے۔ میں بہت دھیان سے گوشت کو دہی لگاتے ہوئے پھپھو کی باتیں سن رہی تھی۔

''نہیں تو، میں تو بور نہیں ہوتی۔''

''پھر بھی جو گزر گیا سو گزر گیا۔ ایک کپ چائے مل جائے گی۔''

"ضرور......" میں نے اسی وقت چائے کا پانی رکھ دیا سیفی بھائی پھر جا کر کام میں مصروف ہوگئے۔

"بریانی بہت اچھی تھی اور سوپ بھی، بلکہ ہر چیز ہی اچھی بنی تھی۔ شامی کباب بھی سب کو بہت پسند آئے۔

رات کو جب میں تھک کر پھپھو کے کمرے میں لیٹی یوں ہی اخبار دیکھ رہی تھی کہ دوستوں کو رخصت کر کے سیفی بھائی اندر آئے اور انہوں نے تعریف کی۔ مجھے لگا جیسے میری تھکن اتر گئی ہو۔"

"تم نے سچ مچ مجھے حیران کر دیا رما! کیا واقعی تم نے پکایا ہے یہ سب۔"

"نہیں میرے فرشتوں نے۔" میں ہنسی۔"

"پتا ہے تمہارے بنائے ہوئے کھانوں میں سے حمزہ کے ہاتھ کے کھانوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ حمزہ بالکل ایسی ہی بریانی اور کباب بناتی ہے۔"

اور میں نے بریانی اور کباب بنانا حمزہ آپا سے ہی سیکھا تھا لیکن میں نے سیفی بھائی کو یہ نہیں بتایا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ جب بھی یوں ہی باتوں باتوں میں کبھی حمزہ آپا کا ذکر آتا تو ان کی آنکھیں دمکنے لگتی تھیں۔ اور پورا چہرہ روشن روشن سا لگنے لگا تھا۔

ان کے بیڈ روم سے ملحق ان کا چھوٹا سا اسٹڈی روم تھا جس کی شیلفوں میں بے شمار کتابیں سجی تھیں۔ اس روز میں وقت گزاری کے لیے ان کی اسٹڈی سے کوئی کتاب لینے گئی تو سینٹر ٹیبل پر ایک کتاب اوندھی پڑی تھی میں نے اٹھا کر دیکھی۔ پروین شاکر کی "خوشبو" تھی۔ میں نے یوں ہی ورق گردانی کی۔ شعر و شاعری کا مجھے کوئی زیادہ شوق نہیں ہے۔

پہلے صفحے پر لکھا تھا۔ "تمہاری سالگرہ پر۔"

ON YOUR BIRTH DAY FROM HAMZA

میں نے کتاب واپس ٹیبل پر رکھ دی۔

"تو......تو کیا حمزہ آپا اور سیفی بھائی۔"

لیکن ضروری تو نہیں کہ ان کے درمیان محبت کا تعلق بھی ہو، آخر کو وہ کزن بھی تھے اور اگر حمزہ آپا نے ان کی برتھ ڈے پر کوئی کتاب انہیں گفٹ کی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیفی بھائی اور حمزہ آپا ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔

میں شیلف میں سے اپنے لئے کوئی کتاب دیکھنے لگی۔ ایک کتاب اٹھائی وہ شیکسپیئر کا ڈرامہ تھا۔

جولیس سیزر JULIUS CAESAR میں نے یونہی اسے کھولا تب ہی سیفی بھائی آ گئے۔

"تم رما۔" انہوں نے میرے ہاتھ میں جولیس سیزر دیکھ لی۔

"تمہیں بھی شیکسپیئر پسند ہے۔" ان کی آنکھوں میں واضح حیرت اور ستائش تھی۔

"حمزہ کو بھی شیکسپیئر بہت پسند تھا۔ ایف اے میں ہی اس نے شیکسپیئر برنارڈ شاہ سب کو گھول کر پی لیا تھا اور HAMLET اور OTHELLO اس کی بہت پسند تھے تمہیں کون سا پلے پسند ہے۔"

"یہی...... دونوں زیادہ پسند ہیں۔" حالانکہ میں نے دونوں نہیں پڑھے تھے۔

"رئیلی REALY رما! تم مجھے مسلسل حیران کر رہی ہو۔" وہ سامنے ہی بیٹھ گئے۔

"پتا ہے حمزہ بہت اچھی رائٹر بن سکتی تھی لیکن اس نے اس طرف توجہ ہی نہیں دی ہاں شاعری کی طرف اس کا رجحان زیادہ رہا بہت باذوق ہے وہ۔ تمہیں کبھی اس نے اپنے شعر سنائے۔"

"ہاں بہت کم۔" میں پتا نہیں کیوں گھبرا رہی تھی۔ حالانکہ حمزہ آپا کی شخصیت کا یہ گوشہ مجھ پر عیاں نہیں تھا۔ دراصل اپنی ذات کے متعلق تو انہوں نے کبھی کوئی بات کی ہی نہیں تھی۔ ان چار سالوں میں بہت کچھ ان کے متعلق جاننے کے باوجود ہم کچھ نہیں جانتے تھے۔ اگر کوئی پوچھتا کہ حمزہ کیسی ہیں تو کہنے کے لئے اس کے سوا اور ہمارے پاس کیا تھا۔ کہ وہ بہت اچھی ہیں، بہت پیاری ہیں، بہت محبت کرنے والی اور کیرینگ ہیں بہت اچھی ککنگ کرتی ہیں وغیرہ اور بس...... اس روز سیفی بھائی نے مجھے حمزہ آپا کے لکھے ہوئے کئی شعر سنائے۔

اب نہیں ہوں میں اس قدر تنہا
میری تنہائی کے دریچے میں
اپنی آنکھیں سجا گیا کوئی

وہ آنکھیں موندے جب سنا رہے تھے تو ان کے چہرے کا اور ہی عالم تھا۔ اور میرا

دل جیسے اندر ہی اندر لمحہ بھر کو ڈوب سا گیا اور میرے دل نے گواہی دی۔

سیفی بھائی حمزہ آپا کے اسیر ہیں اور اس روز میں سارا دن بلاوجہ اداس رہی، دل بھر بھر آتا رہا۔

شاید مجھے ممی، ڈیڈی اور سونی یاد آرہے تھے۔ رات کھانے کے بعد سیفی بھائی اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ شاید کھانے کے بعد وہ مجھے کمپنی دیتے تھے۔ پھپھو اپنے کمرے میں عشاء کی نماز پڑھ رہی تھیں اور میں اکیلی بیٹھی ریموٹ ہاتھ میں لئے مختلف چینل ٹرائی کر رہی تھی کہ شاید کہیں کوئی اچھا پروگرام مل جائے۔ زی ٹی وی سے ایک انتہائی ربش مووی دکھائی جارہی تھی۔ میں نے چینل بدلا، تب ہی پھپھو نماز پڑھ کر ٹی وی لاؤنج میں آ گئیں۔

''یہ سیفی چلا گیا کیا اپنے کمرے۔''

''جی پھپھو! انہیں کچھ فائلیں دیکھنا تھیں۔''

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' وہ میرے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

''جی پھپھو۔'' میں نے ان کی طرف دیکھا۔ سفید رنگ کے دوپٹے پر بہت نفیس کڑھائی کی گئی تھی۔

''پھپھو! بہت خوبصورت کڑھائی ہے اور بہت نفیس۔''

''ہاں حمزہ نے کی ہے۔'' کنیز بھابھی نے بچیوں کی تربیت بہت اچھی کی ہے۔ ہر فن مولا ہیں اور حمزہ تو ہیرا ہے۔ اس جیسی لڑکی ہزاروں میں کوئی ایک ہوگی۔''

''نہیں امی جان! حمزہ جیسی لڑکی ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ایک بھی نہیں ہے۔''

سیفی بھائی نہ جانے کب آ گئے تھے۔

کیا میں بھی حمزہ آپا جیسی بن سکتی ہوں، ہزاروں لاکھوں میں ایک۔

کیا بات ہے رما! بہت اداس لگ رہی ہو۔ اچھی تو ہو نا۔'' سیفی بھائی قریب آ گئے تھے۔

''جی۔'' میں نے اثبات میں سر ہلایا لیکن ٹپ ٹپ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، اور میں ابھی تک سمجھ نہیں پا رہی کہ میں کیوں روئی تھی۔

''ارے...... ارے......'' سیفی بھائی گھبرا گئے، پھپھو بھی پریشان ہو گئیں۔ انہوں نے یک دم مجھے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

''کیا ہوا میری جان۔''

اور میں پھپھو کے سینے سے لگی بہت دیر تک بے مقصد روتی رہی۔ اور وہ مجھے بہلاتی رہیں۔

''کیا ہوا؟ کہیں درد ہے۔ سیفی نے کچھ کہا۔'' سیفی بھائی الگ پریشان سے کھڑے تھے۔

''کچھ نہیں۔'' میں نے ان سے الگ ہوتے ہوئے آنسو پونچھے۔

''مجھے گھر یاد آ رہا ہے۔''

''تھینک گاڈ! تم تو بالکل بچی ہو یار! میں سیٹ کا پتا کرتا ہوں اور تمہیں گھر چھوڑ آتا ہوں۔''

''نہیں۔ ابھی گھر نہیں جانا۔'' میں نے فوراً منع کر دیا۔

''کمال ہے۔'' وہ ہنس پڑے۔

''گھر بھی یاد آ رہا ہے اور گھر بھی نہیں جانا چاہتی ہو۔''

''وہ ابھی نجو چچا کے پاس رہنا ہے نا۔ وہ اور زارا چچی ناراض ہوں گی پھر بڑے ماموں کے گھر بھی ابھی تک نہیں گئی۔''

''تم سچ مچ یونیورسٹی کی ہی طالبہ ہو نا۔''

انہوں نے مصنوعی حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھا۔ میں جھینپ گئی۔

''میں تمہارے لئے آج واپسی پر یہ مووی لایا تھا۔ بہت اچھی آرٹ مووی ہے۔ تم انجوائے کرو گی۔ اور وہی دینے آیا تھا تمہیں، کیونکہ آج میں تمہیں کمپنی نہیں دے سکوں گا، کچھ فائلیں دیکھنا ہیں۔''

میں نے مووی لے لی۔

''اصل میں پتا ہے کیا ہے۔'' ان کے لہجے میں شفقت تھی۔

''تم بور ہو رہی ہو۔ یہاں، تمہاری ہم عمر کوئی لڑکی بھی تو نہیں ہے۔''

کتنا کہا تھا بھائی صاحب کو حفظہ یا ربیعہ میں سے ایک بچی مجھے دے دیں، بیٹی بنا کر رکھوں گی۔ بیٹیوں سے کتنی رونق ہو جاتی ہے گھر میں لیکن بھائی صاحب نے انکار کر دیا کہنے لگے خود تو کھانے کو ہے نہیں اور میری بیٹی مانگ رہی ہیں۔ آٹھ بیٹیوں کا یہ مطلب نہیں

کہ میں اب انہیں بانٹنے لگوں۔"

"امی پلیز۔" سیفی بھائی کے مسکراتے ہونٹ بھنچ گئے۔

"کتنی بار کہا ہے۔ گزری باتوں کو مت یاد کیا کریں۔" وہ مووی دے کر چلے گئے مگر میں نے مووی نہیں دیکھی اور پھپھو کے ساتھ ہی سونے کے لئے اٹھ گئی اور آج صبح ابھی ناشتہ کر ہی رہے تھے کہ نجو چچا اور زارا چچی آ گئیں۔

بے ایمان بے وفا لڑکی! پھپھو کو پا کر چچا کو بھلا دیا۔ پتا بھی ہے کتنے دن ہو گئے ہیں تمہیں ادھر آئے ہوئے۔"

"اور آپ کون سا لینے آ گئے۔" سیفی بھائی نے میری مدد کی۔

نجو چچا نے اس طرح انہیں دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں۔

"بروٹس تم بھی۔"

اور یوں آج میں نجو چچا کے ساتھ نجو چچا کے گھر آ گئی ہوں، لیکن پتا نہیں کیوں دل ابھی تک اداس ہے۔ بوجھل بوجھل سا، جیسے کوئی بھاری بوجھ آ گرا ہو، اور اپنی کیفیت میری خود سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ شاید مجھے واقعی گھر یاد آ رہا ہے۔ صبح فون کروں گی اور سونی سے کہوں گی اگر اسے فرصت ہو تو مجھے آ کر لے جائے۔

24 جولائی 1990ء

آج کراچی میں میری آخری شام ہے اور صبح واپس لاہور جا رہی ہوں۔ کراچی میں یہ ڈیڑھ ماہ بہت اچھا گزرا ہے اور خاص طور پر وہ پندرہ دن جو میں نے پھپھو کے گھر گزارے ہیں۔ وہ میری زندگی کے یادگار دنوں میں سے ہیں۔ جب میں بستر پر لیٹتی ہوں تو مجھے پھپھو کے گھر گزرے دن یاد آتے ہیں۔

سیفی بھائی کی باتیں، ان کا بولنے کا دھیما دھیما انداز اور کبھی کبھی بے ساختہ میری تعریف میں کہے گئے چند جملے میں بار بار دل میں دہراتی ہوں اور لطف لیتی رہتی ہوں۔ میں پہلی دفعہ پھپھو کے گھر جا کر رہی تھی۔ پھپھو نے مجھے بہت خوبصورت سوٹ لے کر دیئے ہیں اور سیفی بھائی نے میری پسند سے خرید کر دیئے ہیں اور خود اپنی طرف سے سیفی نے مجھے محسن نقوی کی "عذاب دید" دی ہے۔ جس کے پہلے صفحہ پر انہوں نے لکھا ہے۔

"پیاری سی رما کے لئے پہلی بار اپنے گھر آنے پر۔" اور ان کے قلم سے لکھا ہوا یہ

جملہ میں نے کوئی سینکڑوں بار پڑھا ہے اور ہر بار ہی دل میں ایک خوشی اور مسرت کا نامعلوم سا احساس جاگا ہے۔ اور میں نے محسن نقوی کی "عذاب دید" کو کوئی تین بار پڑھ لیا ہے اور یہ شاعری کی پہلی کتاب ہے جو میں نے پڑھی ہے اور مجھے پہلی بار احساس ہوا ہے کہ شعر کیسے دل میں اتر جاتا ہے اور شاعر کا ہاتھ کس طرح زندگی کی نبض پر ہوتا ہے اور میں نے نجو چچا کے ساتھ جا کر طارق روڈ پر نادر بک ہاؤس سے تین چار شعری مجموعے لئے ہیں۔

"خیریت۔" نجو چچا کو حیرت ہوئی۔

"یہ شوق کب سے چرایا۔"

"سیفی بھائی کے پاس بہت اچھا کولیکشن ہے وہاں کچھ کتابیں دیکھیں اچھی لگیں۔"

پھپھو کے گھر سے آ کر اور نجو چچا کی پیاری سی بیٹی کی پیاری پیاری باتیں بھی مجھے خوش نہیں کر سکیں تو میں نے گھر فون کیا، ممی گھر پر نہیں تھیں اور سونی اسی وقت کورٹ سے آیا تھا۔ میں نے کوئی گھنٹہ بھر بات کی، سونی نے مونی کا اسی روز موصول ہونے والا پورا خط مجھے پڑھ کر سنایا۔

"نجو چچا کا کباڑا کر دیا تم نے۔ اتنے فاصلے سے اتنی لمبی کال۔"

لیکن اتنی لمبی کال کے باوجود میں اداس تھی۔

میں خالہ جان کے ہاں چلی گئی۔

مصباح سے ہی پتا چلا کہ عفی بھائی اگرچہ پڑھائی سے فارغ ہو گئے ہیں لیکن فی الحال ان کی آمد متوقع نہیں ہے کیونکہ ان کا پروگرام سیر و تفریح کا ہے کم از کم چھ ماہ مزید۔

"یعنی چھ ماہ مزید انتظار۔" میں نے مصباح کو چھیڑا۔ وہ شرما گئی۔

"مصباح! تمہیں سونی سے بہت محبت ہے۔"

"پتا نہیں۔" اس کی پلکیں جھک گئیں۔

مصباح اور میں تقریباً ہم عمر ہی ہیں۔ اس نے بی اے کے بعد تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا ہے۔ اور مختلف کورسز وغیرہ کر رہی ہے۔

"مصباح! اگر سونی سے خدانخواستہ تمہاری شادی نہ ہو سکے تو۔"

"خدا نہ کرے رما۔" اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔

"میں نے ہوش سنبھالتے ہی اسے سوچا ہے اور میں اس کے علاوہ کسی اور شخص کے

ساتھ زندگی گزارنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔

''اور شاید حمزہ آپا نے بھی سیفی بھائی کے ساتھ زندگی گزارنے کا سوچا ہو اور اگر ان کی شادی عفی بھائی سے ہوگئی تو کیا وہ خوش رہ سکیں گی۔''

''رما۔'' مصباح کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''مجھے بتاؤ پلیز کیا بات ہے، دیکھو مجھ سے کچھ مت چھپاؤ۔ کیا سونی کہیں اور شادی کرنا چاہتا ہے، کیا اپنی اس کلائنٹ سے وہ، وہ میڈم رباب۔''

''اوہ پاگل۔'' میں ہنس دی۔

''تم کتنی وہمی ہو مصباح! میں نے تو یونہی پوچھا تھا تمہاری محبتوں کا اندازہ کرنے کے لئے۔''

''اگر سونی نے بے وفائی کی تو میں...... میں تو مر جاؤں گی رما۔''

''خدا نہ کرے'' میں نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

اور پھر دو دن مصباح کے گھر رہ کر میں پھپھو کی طرف چلی آئی۔ پھپھو مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں، میں اب واپسی کا سوچ رہی ہوں۔ نجو چچا نے کہا ہے۔ وہ ایک ہفتے تک مجھے واپس چھوڑ آئیں گے سوچا آپ سے ملنے چلی آؤں۔''

''میں خود سیفی سے کل ہی کہہ رہی تھی کہ تمہارا اپتا کرے۔''

''پھپھو! آپ چلیں نا میرے ساتھ۔'' ہمارے ساتھ آ کر رہیں۔'' میں نے اصرار کیا۔

''سیفی کو تکلیف ہوگی کھانے کی اور پھر سچ تو یہ ہے کہ سیفی کے بغیر میں کہیں رہ نہیں سکتی۔''

''اب سیفی بھائی کی شادی کر دیں نا آپ۔''

''ہاں سوچ رہی ہوں۔ اب کے گاؤں جا کر تو بھائی صاحب سے بات کروں گی۔''

''مگر آپ تو کہہ رہی تھیں، وہ سیفی سے چڑتے ہیں پسند نہیں کرتے انہیں۔''

''ہاں لیکن اپنے سیفی کی خوشی کے لئے ان کے پاؤں بھی پکڑنے پڑے تو پکڑوں گی اور پھر ماشاء اللہ سیفی اتنی بڑی پوسٹ پر ہے اور آگے ترقی کے امکانات بھی ہیں وہ انشاء

اللہ انکار نہیں کریں گے پھر کنیز فاطمہ کی بھی تو مرضی ہے۔'' انہیں پورا یقین تھا۔ میں چپ سی بیٹھی رہ گئی۔ میرا جی چاہا کہ انہیں بتا دوں کہ ممی نے حمزہ آپا کے لئے عفی بھائی کی بات چلائی ہے۔ لیکن میں نے کچھ نہیں کہا، اور میں عجیب سی کیفیت میں گھری بیٹھی رہی۔

پتا نہیں پھپھو کیا کیا باتیں کرتی رہیں میں نے سنی ہی نہیں۔ میرا دل، ذہن سماعتیں گویائی سب جیسے اس نامعلوم کیفیت کی زد میں آ کر پتھر ہو گئے تھے۔

شام کو پھپھو کچن میں تھیں تو میں نے چاہا کہ ان کی کچھ مدد کراؤں لیکن انہوں نے مجھے زبردستی بھیج دیا۔

''میں نے صبح ہی سب کر لیا تھا۔ تم جاؤ۔'' سیفی ٹی وی لاؤنج میں ہوگا اس سے باتیں کرو میں بھی آتی ہوں۔''

''تو آپ واپس جا رہی ہیں'' مجھے دیکھ کر انہوں نے کتاب بند کر دی۔

''جی ہاں واپس تو جانا ہی ہوتا ہے جانے والوں کو ایک دن۔''

اور جانے والوں کو کہاں روک سکا ہے کوئی۔''

وہ مسکرائے اور میرے دل میں جیسے لمحہ بھر کے لیے کچھ خوشگوار سی دھڑکنیں بیدار ہوئیں تب ہی فون کی بیل بج اٹھی۔

''تمہارا فون ہے رما۔'' انہوں نے فون اٹینڈ کر کے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

دوسری طرف سونی تھا اور اہم خبر جو اس نے دی وہ حمزہ آپا کی آمد کی تھی۔

''رئیلی حمزہ آپا آئی ہوئی ہیں کیا؟''

میری آواز اتنی بلند تھی کہ سیفی بھائی جو مجھے ریسیور دے کر پھر کتاب کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔

''ہاں اور مزے کی بات یہ ہے کہ انہیں لاہور میں جاب مل گئی ہے لیکچرر شپ کی۔''

سونی نے بتایا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ اب گھر میں ویسی ویرانی نہیں رہے گی۔

''یہ بہت اچھی خبر سنائی ہے تم نے سونی! سچی حمزہ آپا کے چلے جانے سے کیسی ویرانی ہو گئی تھی گھر میں، حالانکہ وہ کتنا کم بولتی تھیں پھر بھی کیسی رونق سی رہتی تھی گھر میں ہے نا۔''

میں مسلسل بول رہی تھی اور سیفی بھائی کا پورا دھیان میری طرف تھا اور جب سونی کو خدا حافظ کہہ کر میں نے ان کی طرف دیکھا تو وہ ہولے ہولے مسکرا رہے تھے۔

"رما! تم نے کتنی صحیح اور سچی بات کی۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں ایسے جو کم بولتے ہیں پھر بھی آس پاس ہوں تو رونق رہتی ہے۔ چراغاں کا گماں ہوتا ہے اور ادھر ادھر ہو جائیں تو ویرانی اور اندھیرا ہو جاتا ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ حمزہ آپا گاؤں چلی گئیں تو جی ہی نہیں لگتا تھا گھر میں۔"

"تمہیں حمزہ سے بہت پیار ہے۔"

"بہت زیادہ۔" میں نے سچے دل سے کہا۔

"وہ ہے ہی ایسی۔" انہوں نے زیرلب کہا۔

"اب مزے ہوں گے۔" میں حمزہ آپا کے اپنے ہاں آ کر رہنے کے خیال سے بہت خوش ہو رہی تھیں۔

"اب وہ لاہور ہی رہیں گی چھٹیوں میں جایا کریں گی گھر...... انہوں نے جاب کر لی ہے۔

"اچھا" سیفی بھائی کو حیرت ہوئی۔

"کیا جاب۔"

"لیکچررشپ کی۔"

"اچھا کیا مگر تعجب ہے۔ چچا جان نے اسے جاب کی اجازت کیونکر دے دی۔"

"سنا ہے بھائی صاحب دوسری شادی کے چکر میں ہیں۔" پھپھو دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی لاؤنج میں آ گئیں۔

"نجو بتا رہا تھا۔ گاؤں سے حکیم الدین آیا تھا ایک روز ان کے پاس اپنے کسی کام سے، وہی بتا رہا تھا۔

"اب اس عمر میں۔" سیفی بھائی کی پیشانی پر ناگواری سے لکیریں سی پڑ گئیں۔

"بیٹے کی تمنا میں خوار ہو رہے ہیں۔"

"آٹھ بیٹیاں ہو گئیں۔" اب انہیں قسمت پر شاکر ہو جانا چاہیے۔" ان کے لہجے میں ہنوز ناگواری تھی۔

"میں بات کروں گا ان سے۔"

"سیفی بیٹا! وہ ویسے ہی تم سے ناراض رہتے ہیں۔ خواہ مخواہ بات نہ کرنا ان سے۔"

"اور ان سب کو، حمزہ ربیعہ، فاکہہ سب کو دکھی ہونے دوں۔ میں ضرور بات کروں گا آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ تب ہی حمزہ نے جاب کی ہے۔ شاید وہ برسات آنے سے پہلے چھتوں کی مرمت کی قائل ہے۔"

"حمزہ بے چاری جاب نہ کرے تو کیا کرے۔ بچیوں پر پیسہ خرچ کرتے ہوئے تو بھائی صاحب کی جان نکلتی ہے۔ اتنی پیاری صورتیں لیکن کبھی جو ڈھنگ کا کپڑا لا کر دیا ہو انہیں۔ سمجھتے ہیں جو بیٹیوں پر خرچ ہوا ضائع گیا۔"

سیفی بھائی ایک دم اٹھ کر لاؤنج سے باہر چلے گئے۔

"بچپن سے ہی کڑھتا آیا ہے چچا کی حرکتوں پر، بہنوں کے لئے الجھتا بھی انہی کے لیے تھا چچا سے۔"

پھپھو نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"بے چاری بھابھی کنیز فاطمہ نے بھی جلتے انگاروں پر چل کر زندگی گزاری ہے۔"

وہ ہولے ہولے حمزہ آپا کی امی اور ابا کے متعلق بتانے لگیں اور میرا دل حمزہ آپا کے لئے گداز ہوتا رہا۔ اور آج جب سیفی بھائی مجھے نجو چچا کے ہاں چھوڑنے آئے تو بہت چپ چپ تھے۔

"رما!" جانے سے پہلے انہوں نے مجھ سے کہا۔

"حمزہ سے کہنا، حوصلہ رکھے۔" کتنا عام سا سادا سا اور معمولی سا جملہ ہے لیکن اس سادا سے، عام سے، معمولی سے جملے نے میرے اندر ہلچل مچا دی۔ پتا نہیں کہاں سے سمندر ابل پڑے، میں سب سے معذرت کر کے اپنے کمرے میں چلی آئی اور کتنی ہی دیر تک بے آواز روتی رہی اور مجھے خود بھی اپنے رونے کا کوئی حقیقی سبب معلوم نہیں مجھے تو خوش ہونا چاہیے کہ میں اتنے دنوں بعد اپنے گھر جا رہی ہوں۔ اپنے ممی، ڈیڈی اور سونی کے پاس، میں ان سب کے لیے کس قدر افسردہ ہو رہی تھی۔ لیکن پتا نہیں کیوں دل پر بڑا بوجھ سا ہے۔ ڈائری میں اتنا کچھ لکھنے کے بعد بھی بوجھ کم نہیں ہوا۔ جی چاہتا ہے روتی رہوں جیسے میرا کچھ کھو گیا ہو۔ کوئی بہت قیمتی چیز میرے وجود کا کوئی حصہ، ایسا دکھ تو میں نے کبھی بھی محسوس نہیں کیا، جب میرا پیارا ڈوگی مرا تھا جب بھی میں تھوڑا سا روئی تھی اور بس پھر ممی مجھے آئس کریم کھلانے لے گئی تھیں اور جب نزی آپی کی شادی ہوئی تھی تب بھی نہیں۔ پھر یہ کیسا دکھ تھا جو دل کو بھینچ رہا اور

سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہے اور کیوں۔

☆☆☆

18 اگست 1990ء

بارشوں کے موسم میں
ایک بے نمو خواہش
کھڑکیوں سے لگ لگ کر
ایسے ایسے لمحے کا انتظار کرتی
جو کبھی نہیں آتا

میں رمانہ ملک جو بہت لا ابالی، لاپروا ہوا کرتی تھی یہ کن بھول بھلیوں میں پڑ گئی ہوں۔ سب حیران ہیں کہ میں اتنی سنجیدہ اتنی سگھڑ اور اتنی باذوق کیسے ہو گئی ہوں۔ اور خود مجھے بھی نہیں پتا کہ ایسا کیوں ہے۔

بس مجھ پر تو ایک جنون سوار ہے کہ میں ہر فن مولا تو نہیں بس حمزہ آپا کی طرح پچاس ساٹھ فن مولا ضرور بن جاؤں اور جب کبھی سیفی بھائی آئیں تو حیران رہ جائیں اور کہیں۔

"رما! تم مجھے بہت حیران کر رہی ہو اور تم تو بالکل حمزہ جیسی لگ رہی ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ پیاری۔

اور سونی نے کتنی بار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھا ہے۔

"یہ تم کراچی جا کر کچھ بدل نہیں گئی ہو۔"

پتا نہیں مجھے تو کچھ احساس نہیں ہوتا۔ لیکن شاید باقی سب محسوس کرتے ہیں اور کیا آدمی کے اندر ہونے والی تبدیلیوں کا اثر ظاہر پر بھی ہوتا ہے۔ میں نے کئی بار اپنے آپ کو آئینے میں ہر زاویے سے دیکھا ہے لیکن مجھے تو اپنے آپ میں بظاہر کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوتی۔ پتا نہیں سونی کیوں اس طرح کہتا ہے اور میرے اندر...... باہر تو جانے کیا کچھ بدل گیا ہے جیسے بھونچال آ جائے تو سب کچھ تلپٹ ہو جائے۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آئے کیا کچھ بدل گیا ہے کہ کیا کچھ بدل گیا ہے اگر حمزہ آپا یہاں ہوتیں تو میں ان سے ضرور پوچھتی لیکن حمزہ آپا تو اسی دن چلی گئی تھیں جب میں کراچی سے آئی تھی، وہ جانے کو تیار تھیں۔ مجھے بہت افسوس ہوا

تھا۔

"کلاسز تو ستمبر سے شروع ہوں گی ابھی تو میں صرف آرڈر لینے آئی تھی اور شاید میں ہاسٹل میں رہوں اب کے۔"

"کیوں۔"

"ابا کہہ رہے تھے۔"

"ہرگز نہیں۔" ممی نے فیصلہ سنا دیا۔

"اپنا گھر ہوتے ہوئے ہاسٹل میں رہنے کی کیا تک ہے بھلا اور میں خود بات کر لوں گی بھائی صاحب سے۔"

"حمزہ آپا۔" میں نے بہت غور سے انہیں دیکھا۔ وہ بہت زرد زرد لگ رہی تھیں۔

"خیریت تو ہے ناں آپ بہت کمزور لگ رہی ہیں۔"

"ہاں، کچھ بیمار تھی۔"

اور ہاں۔" ممی کے جانے کے بعد میں نے انہیں بتایا۔

"وہ سیفی بھائی کہہ رہے تھے کہ حمزہ سے کہہ دینا، حوصلہ رکھے۔

حمزہ آپا کی نظریں بے اختیار میری طرف اٹھی تھیں اور پھر جھک گئی تھیں لیکن اس ایک لمحے میں، میں نے ہزاروں رنگ ایک ساتھ ان کی آنکھوں میں دمکتے دیکھ لیے تھے اور چہرے کی زردیوں میں ہلکا سا گلابی رنگ جھلکنے لگا تھا اور میرا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر ہولے سے دبا کر چھوڑ دیا تھا۔

یونیورسٹی تو یکم ستمبر سے کھلے گی اور دن کس قدر بور گزر رہے ہیں حالانکہ ان بیتے دنوں میں میں نے بے شمار کتابیں پڑھ ڈالی ہیں۔

"حتیٰ کہ شیکسپیئر کے **Hamiet** اور **Othello** کو بھی، پہلی بار تو وہ مجھے کوئی خاص پسند نہیں آئے۔ ایک تو اتنی اولڈ انگلش تھی اس میں لیکن جب دوسری بار پڑھا تو بہتر لگا۔

جس حساب سے میں نے کتابوں کی خریداری کی ہے۔ سونی کے بقول وہ مارے حیرت کے مرتے مرتے بچا ہے۔

"کیا کراچی میں بہت اہل ادب رہتے ہیں۔ اور وہاں کے پانی میں کیا اتنی ہی تاثیر ہے رما کہ تم اتنی ادب شناس ہو گئی ہو ایک دم چند دنوں میں۔"

اور وہ کیا جانے کہ بعض اوقات کوئی ایک لمحہ زندگی کا پورا پیٹرن بدل کر رکھ دیتا ہے اور مجھے کورس کے علاوہ کچھ پڑھنا کس قدر بور کام لگتا تھا۔ حمزہ آپا اکثر کوئی نہ کوئی کتاب اٹھائے رکھتی تھیں اور مجھے الجھن ہوتی تھی۔

''سچی حمزہ آپا! آپ تھکتی نہیں ہیں۔'' وہ مسکرا دیتیں۔

اور شعر تو میرے سر پر سے گر جاتے ہیں بالکل کلاسیکل موسیقی کی طرح۔

اور اب ہر شعر اپنے اندر کتنے مفہوم لیے محسوس ہوتا ہے جیسے شاعر نے ہمارے دل کی واردات کہہ دی ہو اور سونی نے یہ حیرت انگیز خبر مونی کو بھی سنا دی تھی۔ اس روز مونی کا اچانک فون آ گیا تھا اور جب سے وہ ساچن گیا تھا۔ یہ دوسری بار اس کا فون آیا تھا۔

''یار! ایک حیرت انگیز نیوز ہے۔''

سونی کو خواہ مخواہ سسپنس پھیلانے کا شوق تھا۔ حالانکہ ایسی کوئی حیرت انگیز بات بھی نہیں تھی۔

''یار! اپنی رما بڑی انٹلیکچوئیل ہو گئی ہے۔''

''یعنی تمہارا مطلب ہے۔ کھوئی کھوئی رہنے لگی ہے۔ خلاؤں میں دیکھتی رہتی ہے۔'' مونی نے اپنی لغت کے حساب سے مطلب نکالا

''نہیں سچ مچ انٹلیکچوئیل ہو گئی ہے۔ تم آؤ گے تو پھر اس کا انتخاب دیکھنا یار ساری پاکٹ منی بکس پر خرچ کر دی ہے بلکہ جمع جتھا بھی اس شوق کی نذر ہو چکا ہے اس کی شیلف میں کتابیں ہی کتابیں بھری ہیں۔''

''ابن صفی کے جاسوسی ناول ہوں گے۔ قسم سے آج بھی پڑھنے بیٹھو تو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ ایسا کرو! یار مجھے چھ سات عمران سیریز بھجوا دو۔''

''بھجوا دوں گا یار لیکن رما تو یہ بڑی بڑی کتابیں پڑھ رہی ہے۔ موٹی موٹی بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں کی شیکسپیئر، برنارڈ شاہ مولر Sorry مجھے مزید نام نہیں آتے۔''

''رما! کیا واقعی تم بہت بدل گئی ہو۔'' وہ جانتا تھا کہ اس وقت میں ایکسٹینشن پر ہوں۔ سونی نے اس کا فون آنے پر چیخ کر مجھے ایکسٹینشن اٹھانے کو کہا تھا۔

''ہاں داڑھی مونچھ نکل آئی ہے میری۔''

''سونی کی باتوں پر میں چڑ گئی تھی۔''

''یہ تو سراسر تبدیلی جنس کا کیس ہے، اف سونی کچھ کرو یار! ہم اپنی پیاری سی بہن کو ہر گز نہیں کھونا چاہتے۔''

وہ اتنی دور سے اور اتنے دنوں بعد بات کر رہا تھا ورنہ تو جی چاہ رہا تھا کہ ریسیور رکھ دوں۔

''تم ٹھیک تو ہو نا مونی۔'' میں نے موضوع بدلنے کی ناکام کوشش کی۔

''ایک دم فرسٹ کلاس لیکن یار رما مجھے سونی کی بات، ہضم نہیں ہو رہی ہے۔ یعنی تم اور شاعری کی کتابوں سے دلچسپی کس قدر متضاد باتیں ہیں یاد ہے نا بچپن میں اسکول میں تمہیں Speech کرنی تھی اور تمہیں شعر تو یاد ہی نہیں ہو رہا تھا سونی اور نزی آپی بے چاری تمہیں شعر یاد کروا کروا کر تھک گئی تھیں۔ لیکن شعر تمہارے حلق سے یوں برآمد ہوتا تھا جیسے کوئی تانگہ ناہموار اور کچی سڑک پر ہلکورے لے کر چل رہا ہو اور پھر میٹرک اور ایف اے میں تم حصہ نظم سے کتنا چڑتی تھیں۔

''خواہ مخواہ خود تو مر کھپ گئے یہ شاعر اور ہمارے لیے مصیبت چھوڑ گئے پھر کیا یہ ضروری تھا کہ یہ سب کورس میں شامل ہوتا اور یہ غالب اتنے مشکل شعر کیوں کہتے تھے اور میٹرک میں تو حصہ نظم یوں ہی چھوڑ آئی تھیں پیپر میں اور تمہارے صرف 37 نمبر تھے اردو الف میں۔'' مونی کی یادداشت غضب کی تھی۔ سونی اس کی ہر بات پر تائید میں ہاں بالکل صحیح کہہ رہے ہو تم دہرا رہا تھا۔ تب ہی ممی آ گئیں۔

''ممی مونی کا فون ہے۔''

میں نے انہیں بلا کر ریسیور ان کے ہاتھ میں دے دیا اب کیا یہ ضروری ہے کہ آدمی تمام عمر یوں ہی نا اہل رہے اور کوئی بھی شوق کسی بھی عمر میں ہو سکتا ہے۔ لیکن سب خواہ مخواہ حیران ہونے کی ایکٹنگ کر رہے ہیں۔ اب ماریہ حیدر مجھے ملنے آئی تو میرے ہاتھ میں خلیل جبران کی ''النبی'' دیکھ کر حیران ہوئی۔

''رما! تم یہ پڑھ رہی ہو۔''

''ہوں۔''

''یہ سب نئی بکس خریدی ہیں تم نے۔''

اس نے ادھر ادھر میرے کمرے میں گھوم کر شیلف میں اور ٹیبل پر پڑی ہوئی

کتابوں کو دیکھا تھا۔

''رما! تم کچھ بدلی بدلی نہیں لگ رہی ہو۔''

''ہاں شاید میرا ہیر اسٹائل بدل گیا ہے اس لیے۔''

''ہاں یار! تم بال سیٹ کروا لو۔ بہت اچھے لگتے تھے تمہارے چہرے پر بہت انوسنٹ لگتی تھیں۔ اور یہ تم اعتکاف میں بیٹھی ہو کیا۔ ساری چھٹیوں میں ایک دن بھی چکر نہیں لگایا۔''

''دراصل میں کراچی چلی گئی تھی۔''

''اور کراچی سے آئے کتنے دن ہو گئے ہیں تمہیں۔ تم دراصل قنوطی ہو گئی ہو۔ آنٹی نے مجھے بتایا ہے۔ ہر وقت کمرے میں گھسی رہتی ہو چلو کل فارحہ کی طرف چلتے ہیں فائزہ کو بھی فون کر دوں گی۔ نیلم نے بتایا تھا فون کر کے کہ ان دنوں وہ میکے آئی ہوئی ہے اور بہت خوش ہے اپنے نکھٹو گریجویٹ کے ساتھ۔ ایک بات ہے رما لڑکیاں پہلے کیسے کیسے بھی آئیڈیل کیوں نہ بنا لیں جب شادی ہو جاتی ہے تو جیسے بھی ٹیڑھا میڑھا بندہ مل جائے تو اسی سے محبت کرنے لگتی ہیں۔ اب دیکھو نا اس فارحہ کو کیسے کیسے خواب دیکھا کرتی تھی اور اب بقول نیلم کے اتنی خوش ہے۔''

''کیا سچ مچ ایسا ہی ہوتا ہے ماریہ۔''

مجھے اس کی اس بات سے بڑی تقویت ہوئی تھی۔ جیسے دل کو یقین آ گیا ہو کہ حمزہ آپا عفی بھائی کو شادی کے بعد پسند کرنے لگیں گی۔

''پتا نہیں نیلم تو یہی کہہ رہی تھی۔''

اور میں نے ماریہ کے ساتھ فارحہ کی طرف جانے کا پروگرام بنایا تھا لیکن آج صبح سے ہی بارش ہو رہی ہے۔ اور بارش کا موسم اور بھی اداس اور اکیلا کر رہا ہے۔ اس قدر بوریت ہو رہی ہے۔ سونی گھر پر ہی ہے آج نہ تو وہ کورٹ گیا ہے اور نہ ہی اس کا چیمبر جانے کا ارادہ ہے۔ میں اس کی طرف گئی تا کہ اس سے باتیں کر کے بوریت دور ہو۔ کارڈز کھیلیں یا کچھ اور ہی ممی بھی گھر پر نہیں ہیں۔

وہ اور ڈیڈی کل سے اسلام آباد گئے ہیں اپنے کسی دوست کے بیٹے کی شادی میں شرکت کرنے۔

لیکن سونی تو فون گود میں رکھے باتیں کر رہا تھا۔ اور یہ پتا نہیں سونی کو کیا ہو گیا ہے۔ میں لمحہ بھر وہاں رکی تو اس نے اشارے سے پوچھا۔

''کیا ہے۔''

''کچھ نہیں۔''

اور میں واپس چلی آئی۔ گھنٹہ بھر بعد پھر گئی تو وہ تب بھی فون سے چمٹا ہوا تھا۔ اور کوئی بڑا رومینٹک سا شعر پڑھ رہا تھا۔

''ویٹ کرو یار! کچھ دیر بعد پھر کرتا ہوں۔'' وہ بہت فریش لگ رہا تھا۔

''کس کا فون تھا۔'' میں نے پوچھا۔

''ہے ایک دلربا۔''

''سونی! کیا تم مصباح سے محبت نہیں کرتے۔'' وہ اتنی دیر سے فون پر بات کر رہا تھا تو مجھے شک سا ہوا۔''

''کرتا ہوں سو فی صد بلکہ دو سو فی صد۔''

''اور یہ جو تم ایک گھنٹہ سے فون سے چمٹے ہو۔''

''یہ بس ایسے ہی۔'' وہ ہنس دیا۔

''رباب ہے۔''

''نہیں...... وہ تو مصباح نے قسم دے دی تھی کہ آئندہ اس سے بات نہیں کرنی۔ مگر یاد بہت آتی ہے بڑی خوبصورت باتیں کرتی تھی۔ اور آواز تو اتنی خوب صوت تھی کہ بندہ بس سنتا ہی رہے۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ اور یہ تو شینا ہے والد فوت ہو چکے ہیں۔ کرایہ دار مکان خالی نہیں کر رہے۔ اور نہ ہی کرایہ دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں آئی تھی اور دوستی ہو گئی۔

''سونی! تم مصباح سے محبت کرتے ہو پھر یہ رباب، یہ شینا۔''

''کچھ نہیں بس یہ تو یونہی دل لگی ہے۔ جسٹ فار پاسنگ ٹائم اور پھر شینا نے خود مجھ سے دوستی کی آفر کی ہے۔''

''اور اگر اس دل لگی میں کوئی سیریس ہو گیا تو۔''

''نہیں کوئی سیریس ویریس نہیں ہوتا۔ رما! یہ بس یونہی ہی ہے اور دیکھو مصباح کو

مت بتانا۔ چلتا ہے سب۔ اور مصباح تو مصباح ہے۔ یہاں دل میں اور اس کی جگہ کوئی
لے سکتا۔" اور پتہ نہیں سونی کی یہ کیا نرالی منطق ہے اور پہلے تو وہ ایسا نہیں تھا۔ میں بیزار
اٹھ آئی تھی اور سونی پھر نمبر ملانے لگا تھا۔ کس قدر بیزار طویل اور لمبے دن ہیں نہ دن کتنا
اور نہ رات اور آج موسم کتنے غضب کا ہو رہا ہے ابھی کچھ دیر پہلے میں کھڑکی سے باہر دیکھ
تھی۔

ذرا دیر کو سورج کی جھلک نظر آئی تھی اور پھر بادل آ گئے۔ بادلوں سے گھرا آ
ہلکی سی دھوپ اور ساتھ ہی بارش کی پھوار کتنا اچھا لگ رہا تھا۔

اور ایسے میں دل میں کیسی انہونی خواہش پیدا ہو رہی ہے اور میں رما ملک پتا نہ
کس سمت چل پڑی ہوں خود بھی نہیں جانتی۔

کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے
کوئی ایک لفظ تو ایسا ہو جو قرار ہو
کہیں ایسی رت بھی ملے ہمیں جو بہار ہو
کبھی ایسا وقت بھی آئے کہ ہمیں پیار ہو
کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ چراغ جاں
اسے نور دے اسے تاب دے بنے کہکشاں
کوئی غم ہو جس کو کہا کریں غم جاوداں
کوئی یوں قدم ملائے کہ بنے کارواں
کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے
میرے راہ گزر خیال میں کوئی پھول ہو
میں سفر میں ہوں میرے پاؤں پہ کبھی دھول ہو
مجھے شوق ہے کبھی مجھ سے کوئی بھول ہو
غم ہجر ہو شب تار ہو بڑا طول ہو
کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے
کہ جو عکس ذات ہو ہو بہو
میرا آئینہ میرے رو برو

کوئی ربط جس میں نہ میں نہ تو
سر خامشی کوئی گفتگو
کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے

جواد اشرف کی یہ نظم میں نے ایک سنڈے میگزین میں دیکھی تھی اور مجھے بہت اچھی لگی تھی اور آج ابھی کچھ دیر پہلے میں اسے اپنی ڈائری میں لکھ رہی تھی کہ نہ جانے کب سونی چپکے سے میرے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے چپکے سے ڈائری اچک لی۔

"سونی۔" میں نے اس سے ڈائری چھیننا چاہی تو اس نے ایک دم پیچھے ہٹ کر ہاتھ اونچا کر لیا۔

"واہ، واہ۔"

"کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے"

"سونی۔" میں روہانسی ہو گئی۔

"نہیں یہ ڈائری تو اب شام کو پڑھی جائے گی۔"

جب حمزہ آپا کالج سے آئیں گی اور سیفی بھائی۔

"سیفی بھائی۔" میرا دل دھک سے رہ گیا۔

"ہاں سیفی بھائی نے صبح کورٹ فون کیا تھا، اپنے آفس کے کسی کام سے آئے ہیں، شام کو فارغ ہو کر ادھر آئیں گے۔"

میرا آئینہ میرے روبرو
کوئی ربط جس میں نہ میں نہ تو

"کیا بات کہی ہے رما تمہارا ذوق کافی بہتر ہو گیا ہے۔"

وہ مزے لے رہا تھا۔

"حمزہ آپا تو اپنی ڈائریاں چھپا کر رکھتی تھیں۔ اب دیکھیں گے یہ لڑکیاں آخر اپنی ڈائری میں کیا لکھتی ہیں۔" اور اس سے کوئی بعید بھی نہیں تھا کہ وہ سب کے سامنے پڑھنا شروع ہو جاتا۔

"فار گاڈ سیک سونی! تمہیں مصباح کی قسم یہ واپس کر دو۔" مجھے بروقت سوجھ گئی اور اس نے ایک دم مجھے ڈائری واپس کر دی۔

’’یہ فاؤل ہے رما! اور تم نے میری کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے ورنہ۔‘‘

وہ مجھے دکھاتا ہوا چلا گیا ہے اور میں ابھی تک کچھ کچھ حیران سی بیٹھی ہوں، سونی کو میں سمجھ نہیں پائی، محبت مصباح سے کرتا ہے۔ شادی مصباح سے کرے گا اور گھنٹوں فون پر لڑکیوں سے گپیں لگاتا ہے اور اب تو اکثر رات کو بھی اس کا فون بزی رہنے لگا ہے۔

حمزہ آپا کے کالج میں ویلکم پارٹی تھی فرسٹ ایئر کی اور انہوں نے بتایا تھا وہ دیر سے آئیں گی اور میں نے سوچا تھا چلو ڈائری میں یہ نظم لکھ لوں کتنے دنوں سے کٹنگ فائل میں رکھی ہوئی تھی کہ سونی نے آ کر اور یہ سونی کیا کہہ رہا تھا سیفی بھائی۔

میرا دل یکبارگی زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کاش ابھی اسی وقت سیفی بھائی آ جائیں حمزہ آپا کے آنے سے پہلے۔

پتا نہیں کیوں میرا دل چاہ رہا ہے۔ حمزہ آپا اکتیس اگست کی شام کو ہی آ گئی تھیں اور مزید کمزور ہو گئی تھیں۔

’’حمزہ آپا لگتا ہے وہاں آج کل قحط پڑا ہوا ہے۔‘‘

سونی نے انہیں چھیڑا تھا۔ وہ مسکرا دی تھیں لیکن ان کی مسکراہٹ بڑی پھیکی پھیکی سی تھی۔ ممی کو بھی تشویش ہوئی تھی۔

’’بیٹا! اپنا خیال رکھا کرو۔ یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے۔‘‘

انہوں نے معمول سے زیادہ پیار کیا تھا ان کو اور اس روز رات کے کھانے کے بعد خلاف معمول ممی بہت دیر تک ہمارے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی رہی تھیں۔ اور انہوں نے عفی بھائی کے بچپن کی بہت ساری باتیں کی تھیں۔ ان کی عادات کی، ان کی دریا دلی اور ہمدرد طبیعت کی، ان کی سادگی کی۔

’’اور آپ نے عفی بھائی کو خواہ مخواہ باہر بھیج کر بہت ساری خوبیوں سے محروم کر دیا ہے۔‘‘

سونی کو تو بلا سوچے سمجھے بولنے کی عادت تھی۔ ممی نے غصیلی نظروں سے اسے دیکھا۔

’’میرا عفی آج بھی لاکھوں میں ایک ہے۔ دیکھ لو امریکہ میں رہ کر سگریٹ تک نہیں پیتا۔‘‘

’’وہاں پینے کو اور بھی تو بہت کچھ ہوتا ہے۔‘‘

ممی کا رنگ سرخ ہو گیا۔

’’عفی میں ایسی کوئی فضول عادت نہیں ہے اور سونی! تم بہت بولتے ہو فضول۔‘‘

’’ممی میں تو یونہی کہہ رہا تھا۔ عفی بھائی کے لیے تو نہیں کہہ رہا تھا۔‘‘ سونی نے جھٹ ان کے گلے میں باہیں ڈال کر انہیں منا لیا۔ رات کو جب ہم دونوں اپنے کمرے میں آئے تو درمیان والا دروازہ کھولتے ہوئے میں نے حمزہ آپا سے پوچھا۔

’’حمزہ آپا! آپ ادھر آئیں گی یا میں ادھر آ جاؤں۔‘‘

’’تم ہی آ جاؤ رما۔‘‘ وہ بہت تھکی تھکی لگ رہی تھیں۔

’’میں نے تو سوچا تھا اتنے دنوں بعد ملے ہیں۔ بہت دیر تک باتیں کریں گے۔ میں نے بہت اچھی اچھی بکس خریدی ہیں آپ کو دکھاؤں گی آپ بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔‘‘

ان کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے میں نے غور سے انہیں دیکھا۔

’’اور آپ کیا پھر بیمار ہو گئی تھیں؟‘‘

’’بیمار تو نہیں تھی رما! لیکن شاید تھک بہت گئی ہوں۔ بہت سفر کیا ہے میں نے۔‘‘

ان کی آنکھیں دھندلی ہو رہی تھیں۔

’’حمزہ آپا! آپ نے کبھی اپنے دل کی بات ہم سے نہیں کی، اتنا عرصہ ہمارے ساتھ رہیں۔ کبھی اپنے، اپنے گھر والوں کے متعلق بات نہیں کی۔‘‘ میں نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

’’اتنی ساری پیاری بہنیں ہیں آپ کی۔ کبھی ان کی بھی بات نہیں کی۔ آپ ہمیں شاید اپنا نہیں سمجھتیں۔‘‘

’’نہیں......نہیں رما ایسی بات نہیں ہے۔ بس یوں ہی کبھی ذکر ہی نہیں آیا تھا تم سب کو ہی اپنا سمجھتی ہوں۔ بہت سکون ملا ہے مجھے یہاں، سب سے بڑھ کر بھائیوں کی محبت سونی اور مونی کے روپ میں۔‘‘

’’تو پھر بتائیں۔ آپ آج اتنی پریشان کیوں ہیں۔ مجھے اپنا سمجھیں نا۔‘‘

’’کیا بتاؤں رما۔‘‘ انہوں نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔

’’ابا نے بیٹے کی خواہش میں دوسری شادی کر لی ہے۔ اس سے پہلے بھی خوشیاں زیادہ تو نہیں تھیں لیکن کم از کم ابا صرف ہمارے تو تھے۔ لڑتے تھے۔ غصہ ہوتے تھے مگر۔‘‘ ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

میں نے ہولے ہولے ان کا ہاتھ تھپتھپایا۔

’’کچھ باتیں تقدیر میں لکھی ہوتی ہیں حمزہ آپا! ان کا کرب ان کا دکھ اپنی جگہ پر

تقدیر اور مقدر سے آدمی لڑ تو نہیں سکتا۔"

"ہاں۔" انہوں نے آنسو پونچھے۔

اس رات انہوں نے مجھ سے بہت ساری باتیں کیں اپنی باتیں خاص اپنی ذات سے متعلق جو انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھیں۔

"ابا نے ساری زندگی اماں کی عزت نفس مجروح کی اور ساری زندگی بیٹیوں کی پیدائش کا مجرم انہیں ہی ٹھہرایا۔ کبھی ہماری ضروریات کا خیال نہیں کیا۔ مگر اب تو بالکل ہی بیگانہ ہو گئے ہیں۔ سال بھر کا اناج ہے۔ سبزی گھر کی ہے اور کیا ضرورت ہے۔ عجیب باتیں کرتے ہیں ابا بھی۔

پتا ہے رما! میری جاب پر بہت واویلا مچایا انہوں نے۔

"مگر میں نے ان سے کہہ دیا کہ مجھے ہر صورت میں جاب کرنی ہے اور میں سوچ رہی ہوں ذرا اسٹیبل ہو جاؤں تو پھر کوئی گھر کرائے پر لے کر سب کو یہاں لے آؤں۔ حفظہ کو تو پڑھائی کا شوق نہیں ہے مگر ربیعہ نے اس سال انٹر کر لیا ہے۔"

میں نے پہلی بار حمزہ آپا کو اتنا مضطرب اور بے سکون دیکھا ہے۔ حالانکہ پہلے وہ بہت پر سکون اور بہت مطمئن لگتی تھیں۔ اس رات حمزہ آپا نے بہت باتیں کیں مگر سیفی بھائی کا ذکر تک نہیں کیا۔

ہاں پھپھو کا ذکر کیا۔ ان کی تعریف کی کہ انہوں نے اماں کو ڈھارس دے رکھی تھی اور اب ان کے جانے سے اماں تنہا ہو گئی ہیں۔ حوصلہ سا رہتا تھا اور میں نے سوچا کہ وہ جو میں نے سمجھا تھا کہ حمزہ آپا سیفی بھائی کو اور سیفی بھائی حمزہ آپا کو پسند کرتے ہیں۔ شاید میرا وہم ہے ورنہ حمزہ آپا کچھ تو ذکر کرتیں ان کا۔

اور اس رات میں بڑے دنوں بعد سکون سے سوئی تھی...... ورنہ نیندیں تو جیسے اڑ ہی گئی تھیں۔

اور اب......اب سیفی بھائی آ رہے ہیں۔

اور میں ابھی سے ان کا انتظار کر رہی ہوں۔ گیٹ پر بیل ہوتی ہے تو چونک اٹھتی ہوں۔ اور دل سینے کے اندر یوں مچلنے لگتا ہے جیسے باہر آنے کو بے تاب ہو اور یہ کیسی اندھی اور عجیب سی کیفیت ہے ایک بالکل نامانوس اور نئی کیفیت۔

شاید...... شاید میں سیفی بھائی سے محبت کرنے لگی ہوں۔ اور یہ کیسا انکشاف ہے جس نے مجھے ساکت کر دیا ہے۔ ایک لمحہ کو تو خود مجھے یقین نہیں آ رہا اور یہ محبت کب اور کیسے ہو گئی۔ مجھے خود بھی خبر تک نہیں ہوئی۔

کیا خبر یہ محبت نہ ہو۔ دراصل سیفی بھائی مجھے اچھے لگتے ہیں سوبر سے مونی اور سونی سے بالکل مختلف اور پھر وہ میری پھپھو کے بیٹے ہیں۔ جنہیں میں نے اتنے عرصہ بعد دیکھا ہے شاید اس لیے۔

لیکن دل نے ان ساری دلیلوں کو مسترد کر دیا ہے۔

رما ملک یہ محبت ہے
اسے ہی محبت کہتے ہیں
کسی کو سوچتے رہنا
محبت ہے
ہمیشہ بے خیالی میں
کتابوں، چاند تاروں، بادلوں پر
یا کبھی رنگوں کی لہروں پر
کوئی سی جھلملاتی بات لکھ دینا
محبت ہے
کسی کو سوچتے رہنا
محبت ہے

☆☆☆

12 اکتوبر 1990ء

اس ایک مہینے میں کتنی بہت ساری باتیں بیک وقت رونما ہوئی ہیں اور اتنی جلدی جلدی کہ ڈائری لکھنے کا وقت ہی نہیں ملا حالانکہ کتنی ڈھیر ساری باتیں اکٹھی ہو گئی ہیں لکھنے کو

مونی کی اچانک آمد۔

عفی بھائی کے مسلسل فون اور حمزہ آپا سے فوراً منگنی پر اصرار تاکہ ان کے آتے ہی شادی طے پا جائے۔ ممی کا بار بار حمزہ آپا کے گھر جانا۔

حمزہ آپا کی پریشانی۔

اور سیفی بھائی کی جھنجلاہٹیں۔

کتنی بار جی چاہا کہ ڈائری میں کچھ لکھوں، شاید مجھے بھی حمزہ آپا کی طرح لکھنے کی عادت سی ہوگئی ہے۔ جب تک کچھ لکھ نہ لوں، بے چینی سی رہتی ہے مگر اس ایک ماہ میں شدید چاہت کے باوجود کچھ لکھ ہی نہیں سکی۔ عجیب سی کیفیت ہے جیسے آدمی عالم برزخ میں ہو یا کہیں خلا میں لٹک رہا ہو اور فیصلے کا منتظر ہو۔

اور شاید حمزہ آپا بھی اسی کیفیت سے گزر رہی ہیں۔ کسی قدر چپ ہوگئی ہیں۔

کچھ کہتی بھی تو نہیں ہیں۔ جانے ان کے دل میں کیا ہے اور ان کے ابا ابھی تک کچھ واضح جواب نہیں دے رہے ہیں۔

''عفی آجائے پھر۔''

حالانکہ بقول ممی کے انہوں نے بڑا یقین دلایا ہے کہ عفی سے ان کی بات ہوتی رہتی ہے فون پر اور اسے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر حمزہ آپا کے ابا نے ساری بات عفی کے آنے پر رکھ دی ہے۔

عفی بھائی کل شام کی فلائیٹ سے آرہے ہیں۔ ممی آج پھر گاؤں گئی ہیں اور حمزہ آپا بھی ایک ہفتے سے گاؤں گئی ہوئی ہیں اور لوٹ کر آئی ہی نہیں۔ پتا نہیں کیا بات ہے۔ ممی آئیں گی تو پتا چلے گا کہیں طبیعت نہ خراب ہو اور سیفی بھائی کا صبح سے چار بار فون آچکا ہے۔

''حمزہ کہاں ہے۔ کب آئے گی۔''

پتا نہیں وہ اتنے بے چین اور مضطرب کیوں ہو رہے ہیں۔ شاید حمزہ آپا کی وجہ سے پریشان ہیں۔ اس روز بھی وہ انہیں پریشان دیکھ کر کتنے بے چین ہوگئے تھے۔ حمزہ آپا فنکشن سے فارغ ہو کر آئیں تو بہت تھکی ہوئی تھیں۔ اس لیے سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں اور انہیں سیفی بھائی کے آنے کا پتا بھی تو نہ تھا۔ سیفی بھائی سونی اور میں لونگ روم میں بیٹھے گپ لگا رہے تھے کہ تبو سونی کی فرمائش پر قہوہ لے کر آئی۔

''یہ حمزہ آپا ابھی تک نہیں آئیں۔ بہت دیر نہیں ہوگئی۔'' سونی نے قہوے کا کپ اٹھاتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

''ہاں دیر تو ہوگئی ہے۔''

''کہیں ڈرائیور بھول تو نہیں گیا۔ تم نے اسے کہہ دیا تھا نا کہ آج شام کو حمزہ آپا کو لینے جانا ہے کالج۔''

سونی اس وقت کسی بھائی کی طرح ہی فکر مند لگ رہا تھا۔ یوں تو حمزہ آپا خود ہی آتی جاتی تھیں۔ زیادہ تر میں یا سونی صبح انہیں ڈراپ کر دیتے تھے لیکن واپسی پر وہ خود ہی آجاتی تھیں لیکن آج چونکہ فنکشن شام کو تھا اس لیے سونی انہیں خود چھوڑ کر آیا تھا اور ان سے کہہ دیا تھا کہ وہ خود انہیں لینے جائے گا یا ڈرائیور کو بھیج دیں گے۔ ان کا خیال رکھنا ہمارا فرض تھا کہ اب وہ ہماری ہونے والی بھابھی تھیں۔

''وہ تو کب کی آگئیں۔'' تبو ہنسی۔ سیفی بھائی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''کہاں ہیں۔''

''اپنے کمرے میں جی ان کے سر میں درد تھا۔''

''ان کو بتاؤ جا کر سیفی بھائی آئے ہیں۔''

''نہیں تبو! آرام کرنے دو انہیں۔'' سیفی بھائی نے منع کر دیا۔

''میں خود ہی جانے سے پہلے مل لوں گا۔''

سیفی بھائی کو رات کی فلائیٹ سے واپس جانا تھا۔ اور کچھ دیر بعد جب سونی اپنا ضروری فون سننے کے لیے اٹھ گیا اور میں کچن میں چلی گئی تا کہ فضل داد کی مدد کرا سکوں اور کھانا وقت پر سرو ہو سکے، سیفی بھائی کھانا کھا کر جائیں تو سیفی بھائی حمزہ آپا سے ملنے چلے گئے۔

فضل داد کو کھانے کا سمجھا کر میں باہر نکلی تو سوچا پہلے ذرا حمزہ آپا کو دیکھ لوں۔ کہیں زیادہ طبیعت نہ خراب ہو۔ مگر پھر دروازے کے پاس ہی ٹھٹک کر رک گئی۔ حمزہ آپا بالکل سامنے ہی کھڑی تھیں اور ان کے رخساروں پر آنسوؤں کے قطرے تھے۔

''میں ہوں نا...... میں ہوں نا تمہارے ساتھ حمزہ پھر کیوں پریشان ہوتی ہو...... اپنی ساری پریشانیاں مجھے دے دو۔''

انہوں نے انگلی کی پوروں سے ان کی آنسو پونچھ لیے، میں وہیں سے واپس پلٹ آئی۔ میرے اردگرد جیسے ایک نامعلوم اداسی کا غبار سا چھا گیا۔

اور پھر سیفی بھائی چلے گئے۔

اپنی اداسی میں، میں نے حمزہ آپا پر دھیان ہی نہیں دیا وہ تو سونی نے مجھے احساس

دلایا کہ حمزہ آپا بہت پریشان ہیں اور اداس بھی۔

''کیوں۔'' میں خالی الذہن سی تھی۔

''شاید اپنے ابا کی وجہ سے۔'' سونی کو غالباً سیفی بھائی نے بتایا ہوگا۔

''جو ہوگیا۔سو ہوگیا۔تم کیوں کڑھتی ہو۔'' ممی نے بھی حمزہ آپا کو سمجھایا۔

''تمہارے کڑھنے سے یا پریشان رہنے سے کچھ تبدیل تو نہیں ہوسکتا۔''

''ابا ایک ماہ سے گھر نہیں آئے۔اماں کا خط آیا ہے۔'' انہوں نے تفصیل بتائی۔

''اور چھوٹی نے رو رو کر بخار چڑھا لیا ہے۔ابا نے اگر گھر میں کسی کا لاڈ اٹھایا ہے تو وہی ہے۔''

''کون لیڈی ڈیانا'' میں نے پوچھا۔''ایسا کریں حمزہ آپا! اس ویک اینڈ پر گھر جائیں تو اسے لے آیئے گا خوش ہو جائے گی۔''

اور جب لیڈی ڈیانا آئی ہوئی تھی تو مونی بھی آ گیا۔سرپرائز کے چکر میں بغیر اطلاع کے۔

''ارے! یہ ہمارے استقبال کے لیے لیڈی ڈیانا بھی موجود ہیں۔''

سب سے پہلے اس کی ملاقات لیڈی ڈیانا سے ہی ہوئی تھی اور پھر تبو شبو سے۔

اور تبو شبو نے چیخ چیخ کر سب کو اکٹھا کرلیا۔

''مونی بھیا آئے ہیں مونی بھیا آئے ہیں۔''

ہم سب ہی لونگ روم میں اکٹھے ہوگئے تھے اور ممی تو مونی کو گلے لگا کر رو پڑی تھیں۔

بہت ٹھنڈ تھی وہاں اور مونی کے پاؤں اور انگلیاں سوجی ہوئی تھیں اور درد کرتی تھیں۔حمزہ آپا فوراً ہی گرم پانی لے آئی تھیں۔

''مونی! اس میں پاؤں ڈال کر رکھو کچھ دیر۔''

''حمزہ آپا۔'' مونی غور سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''کیا آپ یہ سمجھ رہی تھیں کہ میں واپس نہیں آؤں گا۔''

''خدا نہ کرے۔''

تو پھر یہ حال، یہ بکھرے بکھرے گیسو، یہ تھکی تھکی نگاہیں۔''

''بڑی خوش فہمی ہے یار تمہیں۔'' سونی نے چھیڑا۔

''یہ تمہاری جدائی کا غم نہیں اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔''

''حمزہ آپا! کہیں آپ کو کسی سے محبت تو نہیں ہوگئی۔'' اس نے جھک کر سرگوشی کی۔

حمزہ آپا کا رنگ مزید زرد لگنے لگا اور آنکھیں جیسے چھلکنے کو بیتاب ہوگئیں۔میرا جی چاہا کہ بتا دوں۔ہاں حمزہ آپا کو محبت ہے،سیفی بھائی سے اور یہ کہ تم انتہائی ناکام سراغرساں ہو، لیکن میں خاموش ہی رہی تھی۔ پتا نہیں کیوں میں اس راز کو سونی اور مونی سے چھپا رہی تھی حالانکہ میں نے کبھی ان سے کوئی بات نہیں چھپائی۔

مونی کے آنے سے کتنی رونق ہوگئی تھی۔حمزہ آپا بھی پہلے سے بہتر لگنے لگی تھیں اور وہ مونی کو اپنے ہاتھوں سے مزے مزے کے کھانے پکا کر کھلا رہی تھیں۔ دن میں تو وہ کالج میں ہوتیں لیکن رات کے کھانے پر ضرور اہتمام ہوتا۔

اس روز انہوں نے مونی کی فرمائش پر سبزی بریانی پکائی تھی۔ڈیڈی کو بہت پسند آئی۔

''بھئی جی چاہتا ہے،حمزہ کو تو ہمیشہ کے لیے اپنے گھر میں رکھ لیں۔عفی آجائے تو اس سے پوچھ کر حمزہ بیٹی کو ہمیشہ کے لئے گھر میں لے آؤ عطیہ بیگم! ایسی اچھی بہو چراغ لے کر ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی۔''

ڈیڈی غالباً عفی بھائی کی پسند اور ممی کی کوششوں سے لاعلم تھے۔

''آپ نے تو میرے منہ کی بات کہہ دی ہے۔''

ممی نے محبت سے حمزہ آپا کی طرف دیکھا اور حمزہ آپا کی ہنستی آنکھیں یک دم بجھ سی گئیں اور میں نے غور کیا کہ حمزہ آپا نے کچھ بھی نہ کھایا وہ کوفتہ جو کچھ دیر پہلے انہوں نے اپنی پلیٹ میں ڈالا تھا، وہ اسی طرح پڑا رہا اور وہ سر جھکائے بیٹھی رہیں۔ممی ڈیڈی نے اسے ان کی شرم سمجھا۔

''تو پھر انتظار کس کا ہے۔جایئے کنیز فاطمہ سے بات کیجئے۔'' ڈیڈی نے ممی سے کہا۔

''عفی کا ہی انتظار ہے۔'' ممی نے مبہم جواب دیا۔شاید وہ ڈیڈی کو مکمل رضامندی کے بعد ہی کچھ بتانا چاہتی تھیں۔

اس روز حمزہ آپا بہت بے چین رہیں اور بہت مضطرب میں نے کئی بار ادھ کھلے دروازے سے انہیں دیکھا۔وہ کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتیں کبھی ٹہلنے لگتیں۔

''حمزہ آپا۔'' ان کی بے چینی مجھے بھی مضطرب کر رہی تھی۔

میں دروازہ کھول کر ان کی طرف چلی گئی وہ اپنے بیڈ پر بیٹھی تھیں اور پلکوں پر ستارے جگمگا رہے تھے۔

"کیا بات ہے، آپ اتنی پریشان کیوں ہیں۔"

"یہ صحیح نہیں ہے...... یہ صحیح نہیں ہے، رما! ممی کو منع کر دو، وہ ایسا نہیں سوچیں۔"

"کیسا۔" میں انجان بن گئی۔

"یہی میرے اور عفی کے متعلق۔" انہوں نے ہونٹ کاٹے۔

"کیوں عفی بھائی اتنے اچھے تو ہیں۔" میری نظریں خود بخود جھک گئی تھیں۔

"ہاں اچھے ہیں لیکن رما! مجھے ابھی شادی نہیں کرنا۔ میرے اوپر بہت ذمہ داریاں ہیں۔ میں نے تو کچھ اور سوچ رکھا ہے مجھے اپنی بہنوں کا، اپنی ماں کا خیال رکھنا ہے۔ اپنی بہنوں کو پڑھانا ہے، ابا تو بس۔ تمہیں تو پتا ہے نا رما سب کچھ۔ پلیز آنٹی کو منع کر دو، وہ عفی بھائی کی شادی کسی اور سے کر لیں۔" ٹپ ٹپ آنسو ان کی آنکھوں سے گر پڑے۔

ان کے آنسوؤں سے مجھے تکلیف ہونے لگی، وہ یوں اس طرح کب روئی تھیں۔ آنسو چھپائے ہمیشہ پرسکون اور مطمئن رہتیں۔

"میں ممی سے کہہ دوں گی۔ کہوں گی ممی سے لیکن اس کے علاوہ تو کوئی اور بات نہیں ہے کیا آپ کسی اور کو پسند تو نہیں کرتیں۔"

"نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

انہوں نے نظریں جھکا لی تھیں اور میں نے دیکھا کہ آنسو کتنے تواتر سے ان کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

ان کی اس نہیں نے جیسے میرے دل پر پڑا ایک بہت بھاری بوجھ اتار دیا تھا۔ میں نے ممی سے وہ سب کچھ کہہ دیا جو انہوں نے کہا تھا۔

"پاگل ہو تم حمزہ۔" ممی نے پیار سے انہیں سمجھایا۔

"ہم سب تمہیں چاہتے ہیں اور تمہارے مسائل ہمارے ہیں تم جاب کرنا چاہو گی تو بے شک کرتی رہنا، یہاں کون سا گھر میں ہل جوتنا ہوتا ہے۔ اتنے ملازم ہیں۔ تم شوق سے اپنی تنخواہ ساری کی ساری کنیز فاطمہ کو بھجوا دینا۔ بلکہ ہم سب ہر معاملے میں تمہارے ساتھ ہوں گے بلکہ شادی سے تو تم زیادہ مضبوط ہو جاؤ گی...... حفظہ فاکہہ سب کو تم اپنے پاس رکھ سکتی ہو تو

پرابلم۔"

"ممی کتنی مختلف تھیں سب سے کھلے دل کی اعلیٰ ظرف اس روز مجھے ممی پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

"یو آر گریٹ ممی۔" میں نے ان کے رخساروں پر بوسہ دیا اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔ لیکن وہ بہت دیر تک حمزہ آپا کو سمجھاتی رہیں۔

لیکن حمزہ آپا تو پھر بھی پریشان تھیں۔ اداس الجھی الجھی مونی اور سونی کی باتوں پر بھی انہیں ہنسی نہیں آتی۔ جیسے وہ ان کی بات سن ہی نہ رہی ہوں۔ محفل میں ہوتے ہوئے بھی موجود نہ ہوں۔

اس روز مجھے یونیورسٹی میں کچھ دیر ہو گئی تھی۔ واپس آئی تو سیفی بھائی ٹی وی لاؤنج میں ٹہل رہے تھے اور حمزہ آپا صوفے پر بیٹھی تھیں۔ غالباً رو رہی تھیں۔

میں وہیں رک گئی۔

"خدا کے لئے حمزہ مت روؤ۔" سیفی بھائی ٹہلتے ٹہلتے رک گئے۔

تمہارے آنسو مجھے کمزور کر رہے ہیں۔ آخر چچا کو میرے ساتھ کیا ضد ہے حمزہ۔"

"عجیب بے بسی تھی ان کے لہجے میں، ٹوٹا ٹوٹا بکھرا لہجہ ان کا دکھ میرے دل میں اتر آیا۔

"اماں نے بہت ضد کی ہے۔ بہت لڑی ہیں میرے لیے۔ لیکن انہیں تو چڑ ہو گئی ہے۔ کہتے ہیں۔ کسی بھنگی سے حمزہ کا رشتہ کر دوں گا لیکن سیفی سے نہیں۔" حمزہ آپا زور زور سے رونے لگیں۔

وہ سر تھام کر بیٹھ گئے۔

"میں میں آج گاؤں جا رہا ہوں۔ خود بات کروں گا ان سے۔" میں وہیں سے اپنے کمرے میں پلٹ آئی۔ اب تو کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ وہ جو میں خود کو جھوٹی تسلیوں اور دلیلوں سے بہلاتی رہتی تھی۔ وہ غلط تھا سیفی بھائی تو حمزہ آپا سے محبت کرتے تھے اور حمزہ آپا سیفی بھائی سے۔

پھر یہ بیچ میں عفی بھائی کہاں سے آ گئے تھے اور اگر عفی بھائی درمیان میں نہ ہوتے تو شاید حمزہ آپا کے ابا کا دل سیفی بھائی کے لئے نرم پڑ جاتا۔ لیکن اب تو مقابلے میں عفی بھائی تھے اور ہر لحاظ سے عفی بھائی کا پلڑا بھاری تھا۔ اور اگر جو میں ممی کو بتا دوں کہ حمزہ آپا اور سیفی بھائی۔

اور ممی تو سیفی بھائی کو بھی بہت چاہتی ہیں۔ اور حمزہ آپا کو بھی اور ممی اگر چاہیں تو وہ حمزہ آپا کے ابا کو قائل کر سکتی ہیں۔ انہیں بات کرنے کا ہنر آتا ہے۔ لیکن پتا نہیں کیوں میں نے ممی کو یہ سب کچھ نہیں بتایا شاید میں نہیں چاہتی کہ سیفی بھائی کی حمزہ آپا سے شادی ہو۔ کیا اس لیے کہ عفی بھائی حمزہ آپا سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ نہیں یہ بات نہیں۔ دل نے میری بات کی نفی کر دی ہے۔

''تو کیا......تو کیا میں چاہتی ہوں کہ سیفی بھائی سے میری شادی ہو جائے۔''

اور میرا دل زور سے دھڑک کر نارمل ہو گیا اور میں کتنی دیر تک ساکت بیٹھی رہی۔

پھر اس روز میں بہت روئی۔ پتا نہیں کیوں......حمزہ آپا کے لیے یا اپنے لیے۔

☆☆☆

پھر سیفی بھائی چلے گئے گاؤں۔

حمزہ آپا کی آنکھوں میں کبھی امید کے دیے جگمگانے لگتے اور کبھی آنکھیں یک دم بجھ جاتیں۔ میرا جی چاہا، میں سیفی بھائی کی کامیابی کے لیے دعا کروں۔ لیکن میرے ہاتھ نہ اٹھ سکے اور سیفی بھائی تین دن بعد واپس آ گئے۔ اس دن چھٹی کا دن تھا سونی ابھی تک سو رہا تھا یا پتا نہیں کمبل میں گھسا اپنی فل فلوٹیوں سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ چھٹی والے دن عموماً بارہ بجے سے پہلے اپنے کمرے سے نہیں نکلتا تھا۔ ممی ڈیڈی بھی دیر سے ناشتہ کرتے تھے اور ابھی صرف دس بجے تھے حمزہ آپا اور میں ایک ایک سلائس کے ساتھ ایک ایک کپ چائے پی چکے تھے اور اس وقت حمزہ آپا کے کمرے میں ہی ایک طرف بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی اور حمزہ آپا شاید فرسٹ ائیر کے پیپر سیٹ کر رہی تھیں کہ سیفی بھائی آ گئے۔ ملگجے سے شلوار قمیض میں بے حد تھکے تھکے اور نڈھال سے وہ آ کر کرسی پر گر سے گئے۔

میں نے بہت غور سے انہیں دیکھا۔ بال پیشانی پر بکھرے تھے اور بے حد خوب صورت آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، جیسے کئی راتوں سے جاگ رہے ہوں۔

''حمزہ۔''

انہوں نے شاید مجھے دیکھا نہیں تھا۔ کیونکہ میں ایک سائیڈ پر تھی۔ ان کی نظریں حمزہ آپا پر تھیں جنہوں نے انہیں دیکھتے ہی پن ایک طرف رکھ دیا تھا اور اب امید و نا امیدی کی کیفیت میں ہونٹ بھینچے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''میں فی الحال اپنا مقدمہ ہار گیا ہوں چچا کوئی بات سننے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔''

انہوں نے سر جھکا لیا اور شکستگی آنسو بن کر حمزہ آپا کی آنکھوں میں اتر آئی۔

''لیکن اگر۔'' انہوں نے لمحہ بھر بعد اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔ ان کی آنکھوں میں امید کا ایک ننھا سا دیا جل اٹھا تھا۔

''کچھ وقت اور گزر جانے دو کہ حمزہ! انشاء اللہ سب بہتر ہو جائے گا۔ تم کسی بھی اور شخص سے شادی سے انکار کر دینا مجھے یقین ہے۔'' ان کے لہجے میں ٹھہراؤ سا تھا اور ایک یقین و بے یقینی کی سی کیفیت۔

''چچا اس وقت غصے میں ہیں یقیناً کسی نے انہیں میرے خلاف اکسایا ہے وہ زیادہ دیر مجھ سے خفا نہیں رہ سکیں گے۔ پتا ہے نا تمہیں بچپن میں وہ میرا تم سے زیادہ خیال کرتے تھے۔ پھر پتا نہیں کیوں وہ ایکا ایکی مجھ سے نفرت کرنے لگے۔ کچھ دن بعد میں پھر جاؤں گا ان کے پاس، اپنے ناکردہ گناہوں کی معافی مانگ لوں گا۔

مگر میری جان! بس اک ذرا انتظار کر لے۔'' وہ دانستہ مسکرائے اور حمزہ آپا کی طرف دیکھا۔ میں ایک دم کھڑی ہو گئی۔

''سیفی بھائی! آپ کے لیے چائے لاؤں۔'' انہوں نے یوں مجھے دیکھا جیسے وہ میری موجودگی سے باخبر نہ ہوں۔

''یس پلیز۔''

ان کے لہجے میں ایک دم پھر صدیوں کی تھکن اتر آئی تھی اور اب حمزہ آپا ایک ہفتے سے گاؤں گئی ہوئی ہیں۔ اور آج کل ممی بھی گاؤں گئی ہوئی ہیں اور جب ممی جا رہی تھیں تو میرا جی چاہا انہیں روک دوں منع کر دوں۔ لیکن میں ایسا نہیں کر سکی۔ پتا نہیں کیوں حالانکہ میں نے اس روز سیفی بھائی کے جانے کے بعد سوچا تھا کہ ممی کو ضرور بتا دوں گی اور ممی بڑی لبرل ہیں۔ لیکن میں ممی کو روک نہیں سکی ہوں انہیں بتا نہیں سکی ہوں۔ کہ حمزہ آپا تو سیفی بھائی سے اور سیفی بھائی حمزہ آپا سے اور ممی چلی گئی ہیں۔

میں خوش نہیں ہوں پتا نہیں کیوں لمحہ لمحہ بعد میرا دل ڈوبنے لگتا ہے اور کوئی سیال اندر ہی اندر میرے وجود کو بھگونے لگتا ہے۔ جی چاہ رہا ہے رولوں بہت سارا اور اپنے رونے کی کوئی وجہ بھی مجھے معلوم نہیں۔ شاید اندر کہیں ادراک سا ہے کوئی جو شعور کی دیواروں سے سر

پہنچ رہا ہے کہ۔

طلب کی منزل نہیں ہے آساں طلب کے رستے ہیں پتھروں کے
طویل صدیوں کے جیسے ہوں گے تمام لمبے مسافتوں کے

15 نومبر 1990ء

جب موسم سرد ہوائیں
چپ سی گھولتے ہیں
جب آنسو پلکیں رولتے ہیں
جب سب آوازیں اپنے اپنے بستر پر
سو جاتی ہیں
تب آہستہ آہستہ آنکھیں کھولتے ہیں
دکھ بولتے ہیں
دکھ بولتے ہیں

اور آج دل بے طرح اداس ہے۔ جی چاہتا ہے کسی سے بات کروں مگر کس سے۔

ممی تو اپنے ویمن کلب کے سالانہ فنکشن کے سلسلے میں بے حد مصروف ہیں۔ اتنی تیاری تو انہوں نے سونی اور عفی بھائی کی شادیوں کے لیے بھی نہیں کی۔ ابھی فنکشن غالباً دسمبر کے لاسٹ ویک میں ہونا ہے اور ممی ابھی سے تیاریوں میں مصروف ہیں۔

سونی اور مصباح شمالی علاقہ جات کی سیر وتفریح میں مگن ہیں اور مونی کوئٹہ میں ہے اور حمزہ آپا کالج سے آکر کمرے میں بند ہو جاتی ہیں۔

عفی بھائی اکثر کہیں نہ کہیں چلے جاتے ہیں۔ ان کی اپنی بہت ساری دلچسپیاں ہیں اور حمزہ آپا شاید ان کی دلچسپیاں شیئر نہیں کر سکتیں اور انہیں بھی اس بات کی پرواہ نہیں کہ حمزہ آپا کی دلچسپیوں کو شیئر کریں اور گھر میں کتنی خاموشی اور ویرانی ہے۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ صرف ایک ماہ پہلے اس گھر میں دو دولہنیں آئی ہیں۔ حالانکہ بظاہر ان شادیوں کے آثار در و دیوار پر موجود ہیں۔

ابھی سونی اور عفی بھائی کا کمرہ اس طرح سجا ہے۔ بلکہ سونی نے تو ابھی تک بیڈ کے ارد گرد لگی پھولوں کی لڑیاں بھی نہیں اتارنے دیں جب تک سونی اور مصباح گھر پر رہے۔ کچھ رونق سی رہی لیکن جب سے وہ گئے ہیں ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ ممی نے بھی کتنی دفعہ

حمزہ آپا سے کہا ہے کہ وہ ہنسا بولا کریں خوش رہا کریں۔ مگر حمزہ آپا...... حمزہ آپا تو میرا جی چاہتا ہے میں حمزہ آپا سے باتیں کروں بہت ساری پہلے کی طرح مگر پتا نہیں کیوں ان کے پاس جاتی ہوں تو نظریں جھک جاتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے ان کی آنکھیں کہہ رہی ہوں۔

''رما! تم تو جانتی تھیں سب۔ تمہیں تو پتا تھا۔ خاموش نظریں مجھے شکوہ کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ تم نے پھر کیوں نہ روکا۔''

ممی گاؤں سے واپس آئیں تو کتنی خوش تھیں۔ وہ عفی بھائی کی شادی کی تاریخ طے کر آئی تھیں اور اب چھوٹی خالہ کی طرف کراچی جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

ایک لمحہ کو تو میرا دل ڈوب سا گیا تھا۔

''حمزہ آپا مان گئیں۔''

''وہ بے زبان بچی۔ اس نے کیا کہنا تھا بھلا۔ ڈر تو بھائی صاحب کی طرف سے تھا کہ کہیں اینٹھ نہ جائیں۔''

''وہ کنیز خالہ۔''

''وہ بے چاری چپ تھی۔ اللہ میاں کی گائے اس نے کیا کہنا تھا۔''

''اور حمزہ آپا آپ کے ساتھ نہیں آئیں۔''

''لو اس کا باپ بڑی اونچی ناک والا ہے۔ اس نے کہا شادی سے پہلے حمزہ سسرال میں کیسے جائے اور یوں بھی عفی آ رہا ہے اس کا یہاں آنا مناسب ہی نہیں۔''

''اور ان کا کالج؟'' میں نے بیوقوفوں کی طرح پوچھا۔

''ہاسٹل میں رہے گی دس پندرہ دن اور پھر تو شادی کے لیے چھٹی لے لے گی۔''

ہمارے گھر میں پہلی شادی تھی۔

شادی نہیں بلکہ شادیاں بہن ہونے کے ناتے مجھے تو بہت خوش ہونا چاہیے تھا۔

لیکن پتا نہیں کیوں میں اندر سے خوش نہیں تھی۔ حالانکہ میں خوش ہونا چاہتی تھی۔

اور ممی نے فون پر فون کر کے پھپھو کو دس دن پہلے ہی بلوا لیا...... سیفی بھائی انہیں چھوڑنے آئے تھے۔

بے حد بکھرے بکھرے سے تھے وہ آنکھیں کسی انجانے درد سے سلگ رہی تھیں یوں جیسے دل کو جھلنے والا درد آنکھوں میں آکر ٹھہر سا گیا ہو، وہ رکے نہیں پھپھو کو چھوڑ کر چلے گئے۔

اور پھر شادی پر بھی کسی ضروری میٹنگ کا بہانہ کر کے نہ آئے مونی نے انہیں کتنی بار یاد کیا تھا۔

''یار! یہ سیفی بھائی بہت فضول ہیں۔ آئے ہی نہیں۔ تم بھی ان کی شادی پر ہرگز نہیں جانا۔''

اور اس نے صرف سونی سے ہی یہ نہ کہا بلکہ فون کر کے سیفی بھائی کو بھی کہہ دیا مگر سیفی بھائی پھر بھی نہ آئے جب ہم عفی بھائی کی مہندی لے کر گئے تو بھنگڑا ڈالتے ہوئے بھی انہوں نے سیفی بھائی کو یاد کیا تھا۔

مایوں کے پیلے جوڑے میں حمزہ آپا بہت زرد لگ رہی تھیں۔ حفظہ، فاکہہ وغیرہ بھی بہت اداس تھیں۔ نہ تو انہوں نے جوابی گانے گائے نہ کوئی مذاق کیا۔ خاموش جیسے سب کے لبوں پر کسی انجانے دکھ کی مہر لگی ہو...... مونی اور اس کے دوستوں نے اور سب کزنز نے مل کر بہت شور وغل کیا۔ بھنگڑا ڈالا اور پھر مونی نے کوئی گھنٹہ بھر بہت تیز میوزک پر ڈانس کیا اور پھر تھک کر میرے پاس آ بیٹھا۔

''پتا نہیں کیا بات ہے رما اتنا خوش ہونے کے باوجود جیسے خوشی نہیں ہے۔ تم نے کبھی ایسا محسوس کیا؟''

''نہیں تو۔'' میں مکر گئی۔

''شاید میرا وہم ہے۔''

وہ اٹھ کر سونی کی طرف چلا گیا جسے سب مصباح کو حوالے سے چھیڑ رہے تھے اور عفی بھائی کو تنگ کر رہے تھے جو قریب ہی بیٹھے تھے۔

حمزہ آپا کے ابا نے بہت اچھا انتظام کیا تھا۔ بارات کا انتظام بھی بہت اچھا تھا اور بہت شاندار کھانا کھلایا گیا سب کچھ بہترین تھا سبھی کہہ رہے تھے کہ یہ سب اس لیے ہے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ دوسری شادی کے بعد بیٹی کا بیاہ صحیح طریقے سے نہیں کیا ان کی بیوی بھی دیکھی تھی چالیس سال کی کوئی اسکول ٹیچر تھی اور اس عمر میں گوٹے لگے کپڑے پہنے بہت فضول لگ رہی تھی۔ پھپھو سے بطور خاص آ کر ملی میں پھپھو کے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

''تمہاری جیٹھانی سے سنا تھا کہ حمزہ کو تم نے بہو بنانا ہے پھر یہ......''

''نصیب کی بات ہے پھر عفی بھی اپنا ہی بچہ ہے۔''

پھپھو کے لہجے میں حسرت تھی اور پھپھو کے دکھ کو میرے علاوہ کون جان سکتا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ چلتے پھرتے کام کرتے ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تو وہ اپنے آنسو چھپائے ادھر ادھر ہو جاتی تھیں۔

''حمزہ اتنا عرصہ رہی ہے لاہور کوئی چکر چل گیا ہوگا۔'' کس قدر فضول ذہنیت تھی اس عورت کی۔

''بہن! کیسی باتیں کرتی ہو۔'' پھپھو کا رنگ سرخ ہو گیا۔

''نہ حمزہ ایسی بچی ہے اور نہ خدانخواستہ عفی اس طرح کے ہیں اور پھر عفی تو ملک سے باہر تھے۔ مہینہ بھر پہلے ہی آئے ہیں۔''

اور ممی کے اس جھوٹ کی اہمیت کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جو انہوں نے عفی بھائی کے متعلق بولا تھا کہ وہ آٹھ سال سے ملک سے باہر ہیں اور میں ممی کی ذہانت کی قائل ہو گئی۔

حمزہ آپا دلہن بن کر بہت خوبصورت لگ رہی تھیں بہت معصوم یوں لگتا تھا جیسے روپ ان پر ٹوٹا پڑ رہا ہو میں مبہوت سی کھڑی انہیں دیکھتی رہی اور میں نے سوچا عفی بھائی کتنے خوش قسمت ہیں جنہیں حمزہ آپا جیسی بیوی ملی ہیں اور خوب صورت تو دولہا بنے عفی بھائی بھی لگ رہے تھے۔ سب نے ہی تعریف کی کہ بہت خوب صورت جوڑا ہے۔

رات کو تھک ہار کر جب سب حمزہ آپا کو لے کر واپس آ رہے تھے تو مونی کچھ چپ چپ سا تھا۔ میں مونی اور سونی ایک ہی گاڑی میں تھے۔

''یار پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے جیسے کچھ غلط ہو گیا ہے۔'' راستے میں ایک جگہ کولڈ ڈرنکس کے لیے سونی نے گاڑی روکی تو مونی نے تبصرہ کیا۔ اس کی چھٹی حس بہت تیز تھی۔

''مثلاً کیا۔'' سونی نے پوچھا۔

''پتا نہیں، یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم لیکن مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے سب اداس اور خفا ہوں۔ حتیٰ کہ لیڈی ڈیانا بھی روٹھی روٹھی لگ رہی تھیں جیسے حمزہ آپا کو ہم ان کی مرضی کے بغیر لے جا رہے ہوں۔''

''جب بیٹیوں کی رخصتی ہو تو اداسی تو ہوتی ہے بیٹی والے گھر میں۔'' میں نے دل کا درد چھپا کر کہا۔

''مگر۔'' مونی کچھ کہتے کہتے رک گیا ممکن ہے میرا وہم ہو۔''

''وہم!'' میں نے سوچا شاید وہم ہی ہو حالانکہ میں بھی تو یہی کچھ محسوس کر رہی تھی۔
اور میرا دل بھر رہا تھا جی چاہتا تھا روؤں مگر کس لیے کوئی جواز تو ہو اور پھر مجھے اگلے روز رونے کا بہانہ مل گیا۔ ہمیں سونی کی بارات لے کر کراچی جانا تھا اور ولیمہ سونی اور عفی بھائی کا اکٹھا تھا دو روز بعد۔ سونی، مونی اور اپنے کسی دوست کے ساتھ پارلر گیا ہوا تھا اور صبح سے سونی والے فون کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ میں نے جب بھی اٹھایا میری آواز سنتے ہی کسی نے فون رکھ دیا۔

یقیناً سونی کی فرینڈز ہوں گی میرا خیال تھا اور پھر اس خیال کی تصدیق بھی ہو گئی اس وقت اسکا حجلہ عروسی دیکھنے گئی تھی۔ ممی نے کہا تھا اسے دیکھ لو کہ سب ٹھیک ہے اور پھر کمرہ لاک کر دو تب ہی بیل بج اٹھی دوسری طرف اس کی کوئی دوست تھی۔

''آپ رما ہیں نا'' اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''جی لیکن آپ کون۔''

''میں...... میں پلیز...... پلیز سونی سے میری بات کرا دیں ایک دفعہ۔''

''وہ جو کوئی بھی تھی سونی نے یقیناً میرا تعارف کروا رکھا تھا۔

''سوری مس شاید آج آپ کی ان سے بات نہ ہو سکے۔ آج ابھی کچھ دیر بعد ان کی بارات روانہ ہو رہی ہے۔''

''مجھے پتا ہے لیکن پلیز صرف دو منٹ کے لیے میری بات کروا دیں، ان سے۔''
آنسوؤں پر سے جیسے اس کا اختیار ختم ہو گیا تھا۔

''اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھ سے بات کرے گا۔ چاہے کچھ بھی ہو سہرا باندھنے کے بعد بھی وہ مجھ سے بات کرے گا۔ اس نے۔'' وہ زارو زار رونے لگی۔

''پلیز آپ روئیں نہیں اور دیکھیں میں آپ کا Message دے دوں گی۔ آپ اپنا نام بتا دیں۔ لیکن آپ کو اس پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''کوکب۔'' رباب تھی اور پھر شینا تھی اور اب یہ کوکب۔ ریسیور رکھ کر میں مڑی تو سونی میرے پیچھے کھڑا تھا۔

''کس کا فون تھا۔'' وہ بہت خوش اور بہت مطمئن لگ رہا تھا۔ اور ستائشی نظروں سے اپنے کمرے کو دیکھ رہا تھا۔

''کوکب کا۔''

''کوکب اوہ ہاں کوکب۔''

''تم جانتے ہو؟ تمہیں پتا ہے وہ کل سے کتنی بار فون کر چکی ہے۔ سارا دن بیلیں ہوتی رہی ہیں اور آج صبح سے۔''

''تو۔'' اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

''میں کیسے اس سے بات کر سکتا ہوں۔ اتنے مہمان ہیں گھر میں۔''

''تو تم نے اس سے وعدے کیوں کئے تھے کیوں کہا تھا کہ تم اسے ہر روز فون کرو گے۔ بلکہ سہرا باندھنے کے بعد بھی اس سے بات کرو گے۔''

''ہاں وہ...... وہ تو بس ایسے ہی وہ جذباتی ہو رہی تھی تو کہہ دیا۔'' وہ ذرا بھی شرمندہ نہیں لگ رہا تھا۔

''تم، تم نے سونی! کیوں کیا ایسا، کیوں امیدیں دلاتے رہے ہو لڑکیوں کو، کیوں جھوٹے وعدے کئے ان سے کیا ملا تم کو ایک لڑکی کو اذیت میں مبتلا کر کے دکھ دے کر رلا کر۔'' میں رونے لگی۔

''رما! رما کیا ہو گیا ہے تمہیں فار گاڈ سیک مت روؤ۔'' اس نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''دیکھو دیکھو میں سوری کر لوں گا۔ میں ان سب لڑکیوں سے سوری کر لوں گا۔ مگر پلیز تم نہیں روؤ آج کے دن۔ یہ تو خوشی کا دن ہے۔'' وہ میرے رونے سے گھبرا رہا تھا۔

''اور تمہارے سوری سے کیا ان کے دل کے زخم بھر جائیں گے۔'' میں مسلسل روئے چلی جا رہی تھی۔

''یقین کرو رما! ایسا نہیں ہے۔ یہ سب لڑکیاں بھی ایسی ہیں۔ پتا نہیں یہ کوکب کیوں اتنی سنجیدہ ہو گئی ہے لیکن پلیز تم مجھے معاف کر دو مت رو۔''

اور میں تو اتنے دنوں سے رونے کو بہانہ ڈھونڈ رہی تھی۔ سو اس کے کندھے سے لگی روتی رہی۔ اتنا بوجھ تھا جو دل پر دھرا تھا وہ رونے سے ہلکا ہو گیا۔

دراصل اس ساری بیماری کا ایک سبب دیر سے شادیاں ہیں۔ لڑکیوں کو پڑھنا ہے۔ لڑکے کو اسٹیبلش ہونے کے لیے وقت چاہیے اور یوں شادی تک کا درمیانی عرصہ گزارنے کے لیے لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے میں انوالو ہو جاتے ہیں۔''

مونی، سونی کو ڈھونڈتا ہوا ادھر آیا تو اس نے بہت سنجیدگی سے کہا اور پھر میری

طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''اتنا چھوٹا سا دل ہے تمہارا۔ چلو جا کر منہ ہاتھ دھولو۔ ممی تمہیں بلا رہی ہیں۔''

اتنا بہت سارا رو لینے سے جیسے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ میں تیار ہو کر حمزہ آپا کے پاس چلی آئی، آپی انہیں تیار کر رہی تھیں لیکن وہ بہت اداس لگ رہی تھیں۔ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ دو دن کی بیاہی دلہن ہیں۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور نہ آنکھوں میں کوئی جگنو دمک رہے تھے۔

اور میرے دل پر جیسے پھر بوجھ سا آ گرا اور یہ بوجھ اس وقت اور بڑھ گیا جب میں نے سیفی بھائی کو دیکھا، ہم سیدھے نجو چچا کے ہاں گئے تھے اور بارات کو وہاں سے ہی تیار ہو کر ہوٹل میں جانا تھا۔ پھپھو وہاں پہنچتے ہی بے چین ہو گئیں۔

ذرا گھر جاؤں گی سیفی کو دیکھوں گی اور بارات کی روانگی سے پہلے آ جاؤں گی۔''

سب ہی ادھر ادھر جا رہے تھے۔ نزی آپی اور اقتدار بھائی بڑے ماموں کے ہاں چلے گئے تھے۔ میں پھپھو کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ ممی نے روکا بھی۔

''دونوں بہنیں چلی جاؤ گی تو حمزہ اکیلی ہو جائے گی۔''

''میں جلدی آ جاؤں گی۔ یہاں رش میں صحیح طرح سے تیار نہیں ہو پاؤں گی۔''

شاید دل میں کہیں سیفی بھائی کو دیکھنے کی خواہش تھی۔

سیفی بھائی ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر نیم دراز تھے۔ ملگجے سے کپڑے، شیو بڑھی ہوئی اور آنکھیں سوجی ہوئی جیسے کئی راتوں سے جاگ رہے ہوں۔ پٹھان لڑکے نے جسے انہوں نے باہر کے کام وغیرہ کے لیے رکھا ہوا تھا۔ دروازہ کھولا۔ پھپھو بیتابانہ سیفی کی طرف بڑھی تھیں۔

''یہ کیا حال بنا رکھا ہے تم نے میرے بچے۔''

انہوں نے ان کی پیشانی چومی تو انہوں نے اپنی جلتی ہوئی آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا اور اٹھ بیٹھے۔

''رما بھی ہے۔''

''پھپھو نے پیچھے مڑ کر مجھے دیکھا۔ میں ہولے ہولے چلتی ہوئی سامنے آ کر بیٹھ گئی اور میرے دل میں کوئی کچوکے لگانے اور برچھیاں مارنے لگا۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا تو

پھر بھی مجھے اپنا آپ مجرم لگا۔ میں نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی اور میری آنکھوں میں آنسو جل رہے تھے۔

پھپھو نے ان کے پاس بیٹھ کر ان کے ہاتھ تھام لیے ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ انہیں اپنے دل میں چھپا لیں اور ان کا سارا دکھ اپنے اندر جذب کر لیں۔

''میں ٹھیک ہوں امی۔'' انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''آپ پریشان نہ ہوں، ذرا سا فلو ہو گیا تھا بس۔''

''کیسے پریشان نہ ہوں۔'' پھپھو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''جیسے میں کچھ نہیں جانتی۔''

''یہ رما کیسے ساتھ آ گئی آپ کے۔'' انہوں نے موضوع بدلا۔

''آج سونی کی بارات ہے۔''

''اوہ ہاں۔''

وہ یوں چونکے جیسے انہیں یاد ہی نہ ہو کہ آج سونی کی بارات ہے۔

''کیوں بارات میں نہیں جاؤ گے؟ کیا زیادہ طبیعت خراب ہے۔'' پھپھو میری وجہ سے بہت احتیاط کر رہی تھیں۔

''نہیں مار کھانی ہے سونی سے۔'' انہوں نے لہجے کو خوشگوار بنایا۔

''بی بی جی! صاحب کو تو بخار تھا۔ کچھ کھاتے پیتے ہی نہیں، آج بھی نہ ناشتہ کیا نہ کھانا کھایا۔'' ملازم لڑکے نے شکایت کی۔

''بھئی اب رات کو خوب ڈٹ کر کھائیں گے ایک ہی بار۔'' پھپھو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''چلو عبدل! تم چائے کا پانی رکھو۔ میں آتی ہوں کچن میں۔'' اور پھپھو کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر خاموش سر جھکائے بیٹھے رہے۔

''سیفی بھائی۔''

میں نے آہستہ سے انہیں پکارا تو انہوں نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔

''رما! میں تم سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ تم جو کچھ جانتی ہو، اسے اپنے تک ہی محدود رکھو گی، میں اسے خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔''

پھر وہ ایک دم اٹھ کر چلے گئے شاید اپنے کمرے میں اور میں وہاں ہی ساکت بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

ولیمے والے دن حمزہ آپا اور مصباح دونوں نے آف وائٹ شرارے پہنے تھے اور دونوں بہت پیاری لگ رہی تھیں بہت دلکش جب وہ پارلر سے آئیں تو سب نے ہی ان کی بے حد تعریف کی لیکن حمزہ آپا کے جمال میں ایک حزن تھا...... ایک دکھ کی سی کیفیت تھی۔ جبکہ مصباح کے چہرے پر رنگ ہی رنگ تھے۔ آنکھوں میں دمک تھی اور ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ، سونی بہانے بہانے سے کئی بار وہاں آیا جہاں اسٹیج پر دونوں کو بٹھایا گیا تھا۔ پرشوق نظریں مصباح کو خراج پیش کر رہی تھیں اور ہونٹوں پر شوخ جملے آ رہے تھے۔ جبکہ عفی بھائی ایک بار بھی ادھر نہیں آئے تھے۔ وہ اپنے کچھ ملنے والوں کے پاس کھڑے گپ شپ لگاتے رہے تھے۔ ان کے چہرے پر بھی سونی کے چہرے والی رونق نہیں تھی جیسے کوئی خاص تبدیلی نہ ہوئی ہو ان کی زندگی میں نزی آپی بڑی دیر سے حمزہ آپا کے پاس بیٹھی ان کو ملنے والی رونمائی ان کے پرس میں ڈالتی جا رہی تھیں کہ ان کے صاحبزادے نے رونا شروع کر دیا اور وہ اسے فیڈ کرانے کے لیے ڈریسنگ روم میں آئیں تو میں ان کے پیچھے ہی چلی آئی۔

''رما'' جمی کو فیڈ دیتے ہوئے انہوں نے پرسوچ نظروں سے مجھے دیکھا۔

''حمزہ کچھ خوش نہیں لگتی، تمہارا تو چار سال کا مسلسل ساتھ رہا ہے۔ تمہیں اس نے کچھ بتایا۔ عفی کا سلوک اس کے ساتھ صحیح تو ہے نا۔''

''عفی بھائی کی اپنی مرضی پر یہ شادی ہوئی ہے نزی آپی! پھر بھلا ان کا سلوک حمزہ آپا کے ساتھ خراب کیوں ہوگا'' میں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''ہاں یہ تو ہے لیکن۔ لیکن رما...... یہ کچھ اچھا نہیں ہوا حمزہ آپا اور عفی بھائی ایک ندی کے دو کنارے ہیں بہت تضادم ہے دونوں کے مزاج میں۔ عفی بھائی کو حمزہ آپا سوٹ نہیں کرتی تھیں۔ ان کیلیے تو وہی مسز ہمدانی کی بیٹی صحیح تھی۔''

مجھے نزی آپی کی بات پر حیرت ہوئی۔ میں تو نزی آپی کو یوں ہی لاابالی سی سمجھتی تھی اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ اتنی گہرائی میں بھی سوچ سکتی ہیں۔ اور یہ ہمارے گھر کے لوگ سب ہی کتنے مختلف ہیں۔ سب ہی حمزہ آپا کے لیے سوچ رہے ہیں۔

''حالانکہ انہوں نے خود حمزہ آپا کے لیے بار بار ممی سے کہا تھا۔'' میں نے وضاحت کی۔

''دراصل عفی کے لیے یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے تمہیں پتا ہے رما وہاں ان کی بہت گرل فرینڈ تھیں اقتدار کے ایک دوست نے بتایا تھا۔ اور جب ہم ان سے ملنے گئے تھے تب بھی ایک لڑکی ان کے ساتھ رہ رہی تھی ان کے فلیٹ میں۔ خود عفی نے تعارف کروایا تھا۔ کہ وہ ان کے ساتھ ان کے اپارٹمنٹ کو شیئر کر رہی ہے۔''

اور میرے دل میں جیسے کسی نے سوئی چبھو دی اور آج اتنے دن ہو گئے ہیں اب بھی بیٹھے بیٹھے کبھی یوں لگتا ہے جیسے، کسی نے دل میں سوئی چبھو کر نکال لی ہو حمزہ آپا اداس ہیں خوش نہیں سب ہی محسوس کر رہے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے مونی جو اپنے یونٹ کے کسی کام سے لاہور آیا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کیلیے گھر بھی آیا تھا۔ عفی بھائی اس وقت کلب جا رہے تھے۔

''اکیلے۔'' مونی نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''اور حمزہ آپا۔''

''بھئی ان کا جی چاہے تو وہ بھی جا سکتی ہیں۔ جب جہاں مرضی ہو یورپ میں میاں بیوی ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے۔'' وہ چلے گئے اور اپنے جوتوں کے تسمے باندھتے ہوئے مونی نے بہت افسردگی سے کہا۔

''شاید سونی نے سچ ہی کہا تھا رما! عفی بھائی اور حمزہ آپا کا کپل مناسب نہیں ہے بلکہ حمزہ آپا تو سیفی بھائی کے اور پھر اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

حمزہ آپا اور سیفی بھائی...... سیفی بھائی اور حمزہ آپا۔

لیکن اب ایسا نہیں تھا۔

حمزہ آپا اور عفی بھائی تھے۔

اور اگر سیفی بھائی اور میں۔

میں اور سیفی بھائی تو کیا ہمارا کپل

دل کی گہرائیوں میں چھپی خواہش شعور میں در آئی تو میں نے گھبرا کر مونی کو دیکھا۔

وہ بیگ اٹھائے افسردہ سا کھڑا تھا۔

''اوکے رما اللہ حافظ۔'' میں ذرا حمزہ آپا سے مل لوں۔''

''اللہ حافظ۔'' میرے لب ہلے لیکن میں اس انکشاف سے کسی قدر سہمی سی ششدر اور سراسیمہ سی کھڑی رہ گئی۔

اور سیفی بھائی تو شاید پہلے دن ہی جب پہلی بار میں نے انہیں دیکھا تھا۔ مجھے اچھے لگے تھے اور کیا میں سیفی بھائی کے لیے حمزہ آپا نہیں بن سکتی۔ پھر وہی خواہش وہی سراسیمہ کر دینے والی خواہش دل کی دیواروں پر دستک دے رہی ہے اور میرا دل پاگل دل ڈوب ڈوب کر ابھر رہا ہے۔

28 فروری 1998ء

کتنا سہل جانا تھا
خوشبوؤں کو چھو لینا
بارشوں کے موسم میں
شام میں ہر اک منظر
گھر میں قید کر لینا
روشنی ستاروں کی
مٹھیوں میں بھر لینا
کتنا سہل جانا تھا
خوشبوؤں کو چھو لینا
جگنوؤں کی باتوں سے
پھول جیسے آنگن میں
روشنی سی کر لینا
اس کی یاد کا چہرہ
خوابناک آنکھوں میں
جھیل کے گلابوں پر
دیر تک سجا رکھنا
کتنا سہل جانا تھا

اے نظر کی خوش فہمی
اس طرح نہیں ہوتا
تتلیاں پکڑنے کو دور جانا پڑتا ہے
اس طرح نہیں ہوتا
اس طرح نہیں ہوتا

اور میں، میں ملک میں بھی کتنا سہل جانا تھا سب کچھ لیکن سب کچھ اتنا سہل نہیں تھا۔ ستاروں کو مٹھیوں میں بھرنے کی خواہش تو کی جا سکتی ہے۔ لیکن ستاروں کو مٹھیوں میں بھرنا کتنا مشکل ہوتا ہے اسے میرے علاوہ کون جان سکتا ہے میں نے بھی ستاروں کو مٹھیوں میں بھرنے کی خواہش کی تھی لیکن وہ میرے ہاتھوں سے پھسل گئے۔

میں نے بھی سوچا تھا کہ میں حمزہ آپا جیسی بن جاؤں گی تو سب کچھ سہل ہو جائے گا۔

لیکن کچھ بھی تو سہل نہ ہوا بلکہ یہ راہیں تو زیادہ اوکھی اور مشکل ہیں۔

میں نے حمزہ آپا بننے میں اپنا آپ تھکا ڈالا لیکن حاصل کیا ہوا کچھ بھی نہیں اور میں نے سوچا تھا ایک دن وہ مجھ سے محبت کرنے لگے گا ایسی ہی محبت جیسی اس نے حمزہ آپا سے کی لیکن محبت ہر ایک کا نصیب نہیں ہوتی اور وہ۔

سیف اللہ اختر، میرا پھوپھی زاد اونچا لمبا قد، سانولا رنگ بے انتہا خوبصورت ایک دم سیاہ آنکھیں اور پوری شخصیت میں ایک سحر طاری کر دینے والا تاثر اور سچ تو یہ ہے کہ جب پہلی بار نجو چچا نے میرا تعارف کروایا تھا۔

''یہ ہیں ہماری لٹھن اور یہ ہیں سیف اللہ اختر ہماری اکلوتی ہمشیرہ کے اکلوتے فرزند ارجمند۔'' اور ان کی چمکتی سیاہ آنکھوں میں اپنائیت اور خلوص کی جو روشنی سی لپکی تھی اور انہوں نے مسکرا کر مجھے دیکھا تھا اور پھر مونی کے کندے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''اور یہ میری بدنصیبی نہیں تو اور کیا ہے کہ میں اب تک اتنے پیارے پیارے بہن بھائیوں کی رفاقتوں سے محروم رہا۔''

اور میں جو ان کی چمکتی سیاہ آنکھوں کے سحر میں جکڑی گئی تھی ان کے لہجے کی خوب صورتیوں میں ہمیشہ کے لئے قید ہو گئی تھی اور سچ تو یہ تھا کہ میں اس وقت اسی لمحے سے سیفی

سے محبت کرنے لگی تھی۔ یہ الگ بات کہ میں نے مدتوں اس بات کو جھٹلایا۔

اس لیے کہ میں نے جان لیا تھا کہ حمزہ آپا اور سیفی، سیفی اور حمزہ۔ اور اس راز کی امین میں تھی، صرف میں۔

حالانکہ انہوں نے مجھے اپنے راز میں شریک نہیں کیا تھا۔ لیکن خود بخود میں اس راز کی شریک بن گئی تھی اور اب جبکہ حمزہ آپا ہمارے گھر میں عفی بھائی کی دلہن بن کر آ گئی تھیں تو سب سے زیادہ عذاب میں بھی میں ہی تھی۔ کاش میں اس راز کی امین نہ ہوتی۔ راتوں کو میں بستر پر کروٹیں بدلتی۔

حمزہ آپا کا اداس چہرہ۔

ان کی آنکھوں کی حزن ان کے لبوں کی چپ اور سیفی، سیفی کا وہ بڑھا ہوا شیو، بکھرے بال سرخ آنکھیں اور ٹوٹا لہجہ یہ سب مجھے رلاتا۔

سونی کی بارات والے دن کے بعد میں نے سیفی کو نہیں دیکھا تھا لیکن میرا دل کہتا تھا کہ وہ اب بھی ایسے ہی ہوں گے۔ حمزہ آپا کی طرح کھوئے کھوئے اور اداس اداس سے اور پتا نہیں کیوں میرے دل کا بوجھ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔ میں مجرم نہیں تھی پھر بھی اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی تھی میں تو دہرے عذاب میں تھی۔

ایک طرف میرے ضمیر پہ آگہی کا بوجھ تھا اور دوسری طرف دل، میں ہجر آگ جل رہی تھی۔

نارسائی کا دکھ اسے پیسے جا رہا تھا، گھر میں اتنی ویرانیاں تو کبھی بھی نہ تھیں در و دیوار بھی اداس لگتے تھے۔ کبھی کبھی مصباح اور سونی کی ہنسی ان اداس در و دیوار میں روشنی سی بکھیر دیتی تھی لیکن وہ تو ایک دوسرے میں گم تھے۔

سونی کورٹ سے آتا تو وہ اکثر گھومنے چلے جاتے۔ چھٹی والے دن تو وہ گھر پر ٹکتے ہی نہ تھے۔ اور رات کو سونی چیمبر سے دیر سے آتا۔ عفی بھائی آفس سے آ کر کچھ آرام کرتے اور پھر کلب وغیرہ چلے جاتے نہ صرف یہ کہ انہوں نے کلب جوائن کر لیا تھا بلکہ تھوڑے سے عرصے میں ہی ان کا حلقہ احباب خاصا وسیع ہو گیا تھا اور ممی، مصباح اور حمزہ آپا کو گھر لانے کے بعد اور بھی بے فکر ہو گئی تھیں اور خود کو فلاح و بہبود کے کاموں میں زیادہ ہی الجھا لیا تھا انہوں نے لیکن اس روز خلاف توقع وہ گھر پر تھیں۔ انہیں ہلکا سا فلو تھا۔ حمزہ آپا نے ان کے

لیے دار چینی اور پودینے والا قہوہ بنایا تھا اور وہ لونگ روم میں صوفے پر نیم دراز تھیں۔ شیشوں سے ہلکی دھوپ چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔ اور حمزہ آپا ان کے قریب ہی بیٹھی تھیں اور میں ذرا فاصلے پر بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی چھٹی کا دن تھا مصباح اور سونی کسی دوست کے ہاں لنچ پر انوائیٹڈ تھے عفی بھائی اپنے بیڈ روم سے تیار ہو کر باہر نکلے تو ممی نے انہیں آواز دے لی۔

''کہاں جا رہے ہو۔''

''ایک دوست کے ساتھ پروگرام ہے، آج رات لیٹ آؤں گا۔''

''عفی! حمزہ آپا کو باہر لے جایا کرو۔ بور ہوتی رہتی ہے اکیلے۔''

''میں نے اسے منع تو نہیں کیا ممی۔ جب جی چاہے باہر چلی جایا کرے میرے پاس وقت نہیں ہوتا فضول۔''

''اور تم دوسروں کے ساتھ گھومتے رہو۔'' ممی کو ایک دم غصہ آ گیا۔

''اور وہ کل کون تھی تمہارے ساتھ گاڑی میں۔''

''میری دوست تھی۔''

''دوستوں کو گھمانے کے لیے تمہارے پاس وقت ہے اور بیوی کے لیے نہیں۔''

عفی بھائی نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے اور پلیز ممی! آئندہ آپ میرے پرسنل افیئر میں انٹرفیئر مت کیجئے گا۔''

وہ تیز تیز قدم اٹھاتے چلے گئے اور ممی بہت دیر تک چپ بیٹھی رہیں۔ پھر اٹھ کر اندر چلی گئیں۔ حمزہ آپا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

''حمزہ آپا!'' میں نے اٹھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔ مجھے ایک دم یوں لگا جیسے ان کے آنسوؤں کی ذمہ دار میں ہوں۔

''حمزہ آپا پلیز مجھے معاف کر دیجئے گا۔''

''کیوں۔'' انہوں نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے۔

''تم نے کیا کیا ہے رما؟''

''ہاں میں نے کیا کیا ہے، کچھ بھی نہیں لیکن پھر بھی میں اپنے آپ کو مجرم سمجھتی ہوں، میں نے سوچا اور حمزہ آپا کی طرف دیکھا۔

’’میں نے آپ کو بچانے کی کوشش بھی تو نہیں کی حمزہ آپا! اور ہمیں کیا پتا تھا کہ عفی بھائی ایسے ہوں گے۔‘‘

میں ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو انہوں نے مجھے گلے سے لگا لیا۔

’’پگلی یہ تو مقدر کے کھیل ہوتے ہیں اور پھر عفی بہت اچھے ہیں بس اپنے اپنے مزاج کا رنگ ہوتا ہے۔‘‘

اور میں بہت دیر تک ان کے گلے سے لگی روتی رہی۔ پتا نہیں میری کوشش کامیاب ہوتی یا نہیں لیکن یہ ملال تو نہ ہوتا اور احساس جرم یوں کچوکے تو نہ لگاتا۔

’’حمزہ آپا‘‘ میں نے ان سے الگ ہو کر اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

’’ہم سب، میں سونی، مونی اور ممی ڈیڈی، ہم سب آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔‘‘

’’جانتی ہوں۔‘‘ وہ مسکرائیں۔

’’اور تم منہ ہاتھ دھو کر آؤ، آج دونوں گھومنے چلتے ہیں۔ لمبی ڈرائیو پہ کھانا بھی باہر کھائیں گے۔‘‘ حمزہ آپا کا ضبط بے انتہا تھا۔

اس روز حمزہ آپا سے سوری کر لینے سے جیسے میرے دل کا بوجھ بہت حد تک کم ہو گیا تھا حالانکہ ایک سوری کر لینے سے کسی جرم کی سنگینی کم تو نہیں ہو سکتی لیکن میرا ذہن وقتی طور پر ہلکا پھلکا ہو گیا تھا اور میں جو حمزہ آپا سے بچتی پھر رہی تھی کوشش کرنے لگی کہ عفی بھائی کی عدم موجودگی میں جب حمزہ آپا اکیلی ہوتی ہیں، انہیں زیادہ سے زیادہ کمپنی دوں زندگی اسی طرح گزر رہی تھی۔ میرے فائنل ہو گئے تھے اور میں فارغ تھی اور کراچی جانے کا پروگرام بنا رہی تھی۔ نجو چچا سے زیادہ میں سیفی سے ملنے کے لئے بیتاب ہو رہی تھی۔ پتا نہیں کیسے ہیں وہ کیا حمزہ آپا کو اب بھی یاد کرتے ہیں یا بھول گئے ہیں اور ان کے شب و روز کیسے گزرتے ہیں اور ان کی زندگی میں کہیں میری گنجائش بھی ہو سکتی ہے۔ یا نہیں اور پتا نہیں کیا کیا تھا میرے ذہن میں، میں نے حمزہ آپا سے کہا کہ وہ کچھ دن کے لیے گاؤں چلی جائیں سب سے مل آئیں۔ طبیعت بہل جائے گی میں بھی کراچی کا چکر لگا آتی ہوں۔

’’ہاں عفی سے کہوں گی، تم کہہ رہی ہو تو۔‘‘

حمزہ آپا کی اپنی تو جیسے کوئی مرضی ہی نہیں تھی۔ جس نے جو کہہ دیا مان لیا۔

مگر ابھی حمزہ آپا گاؤں نہیں گئی تھیں کہ ڈیڈی کی طبیعت خراب ہو گئی معمولی سا انجائنا کا اٹیک تھا لیکن پھپھو نے سنا تو بے چین ہو کر آ گئیں۔

حمزہ آپا کو گلے لگاتے ہوئے بے اختیار آنسو ان کے رخساروں پر پھسل آئے۔ حمزہ آپا کی آنکھیں ضبط کی کوشش میں ایک دم سرخ ہو رہی تھیں۔

’’کیسی ہو، خوش ہونا۔‘‘

حمزہ آپا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ لیکن اس سے ان کی آنکھوں میں جو درد کی کیفیت تھی میں تڑپ اٹھی اور پہلی بار میں نے خلوص دل سے سوچا کاش ایسا نہ ہوتا۔ حمزہ آپا کی عفی بھائی کے بجائے سیفی بھائی سے شادی ہو جاتی۔ اور دل کو کچھ ہوا یوں جیسے ڈوب کر ابھرا ہو۔

’’سیفی کیسے ہیں۔‘‘ انہوں نے آہستگی سے پوچھا۔

’’میرے علاوہ کوئی اور بھی ان کے راز کو جانتا تھا اور وہ پھپھو تھیں۔

لیکن پھپھو نے ان کی بات کا جواب نہ دیا اور میری طرف متوجہ ہو گئیں اور حمزہ آپا یوں کھڑی رہ گئیں جیسے لب دریا پیاسی کھڑی ہوں۔ پھپھو آئیں تو صرف چند دنوں کے لیے تھیں ڈیڈی کو دیکھنے لیکن خود بیمار پڑ گئیں۔

’’ڈیڈی تو ٹھیک ہو گئے لیکن پھپھو کو ہاسپٹل ایڈمٹ کروانا پڑا نہ صرف یہ کہ اپنڈکس پھٹنے کا خطرہ تھا بلکہ اپنڈکس کے ساتھ کوئی اور بھی مسئلہ تھا۔ فوری طرح پر آپریٹ کرنا پڑا سیفی آپریشن سے کچھ دیر پہلے پہنچ گئے۔ میں، حمزہ آپا، ممی سونی، مصباح سب ہی ہاسپٹل میں تھے۔ انہوں نے ایک نظر حمزہ آپا کو دیکھا اور پھر پھپھو کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ لیکن اس ایک نظر میں اتنی حسرت، اتنی آرزوئیں تھیں کہ مجھے خود بخود ادراک ہو گیا کہ سیفی حمزہ آپا کو ابھی تک نہیں بھول پائے ہیں اور پھر دن ہی کتنے ہوئے تھے آٹھ ماہ میں بھی آٹھ ماہ بعد سیفی کو دیکھ رہی تھی اور ان آٹھ ماہ کے دن رات میں مسلسل انہیں سوچا تھا اور اب وہ سامنے تھے تو دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا۔

پھپھو تقریباً آٹھ دن ہاسپٹل میں رہیں اور میں ان کے پاس ہی رہی حمزہ آپا پروگرام کے مطابق دو دن بعد گاؤں چلی گئی تھیں اور اچھا ہی ہوا کیونکہ میں دیکھ رہی تھی کہ حمزہ

آپا اور سیفی دونوں کے لیے کس قدر مشکل تھا، خاص طور پر سیفی تو ان کی موجودگی میں بہت ڈسٹرب ہو جاتے بار بار سگریٹ جلاتے، انگلیاں اضطراب میں مروڑتے اور جب ان کی نگاہیں حمزہ آپا کی طرف اٹھتیں تو پھر جھپکنا بھول جاتیں سوحمزہ آپا نے یہی بہتر جانا کہ وہ گاؤں چلی گئیں، حالانکہ ممی نے کہا بھی تھا کہ پھپھو ہاسپٹل سے آ جائیں تو چلی جانا، لیکن ہر بات پر سر جھکا دینے والی حمزہ آپا نے ممی سے درخواست کی کہ وہ انہیں گاؤں جانے دیں۔ اور ممی خاموش ہو گئیں لیکن انہیں اس بات کا بہت افسوس تھا کہ وہ ان دنوں جب پھپھو ہاسپٹل میں تھیں کیوں گئیں۔

''کم از کم تمہیں ریسٹ مل جاتا، نزی کا بچہ چھوٹا ہے مصباح اس پوزیشن میں نہیں کہ ہاسپٹل میں رہے اور میرا بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے۔ اب تم اکیلی دن رات۔'' وہ ناراض لگ رہی تھیں۔

''یہ آپ خالص ساسوں والی بات نہ کریں کیا آپ حمزہ آپا کو نہیں جانتیں۔ یہ تو پھپھو ہیں تو ہم میں سے بھی کوئی بیمار ہوتا تو وہ اس طرح نہ جاتیں لیکن کنیز خالہ اتنی بیمار ہیں اور کب سے بلا رہی تھیں۔ میں نے انہیں کہا ہے خود جانے کو۔

''کنیز بیمار ہے؟ کیا ہوا اسے؟ حمزہ نے مجھ سے تو ذکر نہیں کیا۔'' ممی سارا غصہ بھول گئیں۔ ''اور بے چاری بیمار نہ ہو تو کیا ہو، اس عمر میں شوہر سوکن لے آیا۔ یہ تھوڑا غم ہے۔ جی کا روگ۔'' حمزہ آپا کے جانے سے سیفی خاصے مطمئن ہو گئے تھے۔

اس روز پھپھو ہاسپٹل سے گھر آئی تھیں، اور میں ان کے لئے سوپ بنا کر لائی تھی۔ اور پھپھو کا موڈ نہیں ہو رہا تھا پینے کا۔

''پھپھو پلیز، تھوڑا سا چکھ کر تو دیکھیں۔ اتنے مزے کا ہے، میں نے خود بنایا آپ کے لئے۔'' سیفی پاس ہی بیٹھے تھے۔

''اور آپ کھائیں گی نہیں تو کراچی کیسے جائیں گی اور پھر آپ کو فکر ہو گی، سیفی بھائی پتا نہیں ناشتا بھی کرتے ہیں یا نہیں، کھانا بھی کھاتے ہیں یا نہیں''

وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں اور سوپ کا پیالہ میرے ہاتھ سے لے لیا۔

''رما! تم نے امی کا اتنا خیال رکھا ہے۔ کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں۔''

''اپنا شکریہ اپنے پاس رکھیں۔ میں نے آپ کی امی کا نہیں اپنی پھپھو کا خیال رکھا

ہے۔''

''تم بہت اچھی ہو رما'' ان کی نگاہوں میں بھی میرے لئے تحسین تھا۔

''واقعی رما نے بیٹیوں سے بڑھ کر خیال رکھا ہے۔'' پھپھو نے بھی تائید کی۔

لیکن میں ان کی بات نہیں سن رہی تھی، میرے کانوں میں تو بس ایک ہی بات گونج رہی تھی۔

''تم بہت اچھی ہو۔'' جیسے کائنات بھی وجد میں آ کر محو رقص ہو گئی ہو، ایک جملے کی تال پر۔

''تم بہت اچھی ہو رما بہت اچھی۔'' میں رقص میں تھی۔

اس روز میں نے کتنی ہی بار آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا خوبصورت شفاف جلد گورا رنگ، دلکش براؤن آنکھیں، مناسب ہائیٹ بلکہ میرا قد حمزہ آپا سے ایک دو انچ بڑا ہی ہو گا۔

شکل وصورت کے لحاظ سے میں ان سے زیادہ خوبصورت تھی۔ اب تو میرے بال بھی کچھ بڑھ گئے تھے۔ پھر میں نے اپنے آپ کو حمزہ آپا بنانے میں ساری توانائیاں خرچ کر دیں ان ہی کی طرح ہر کام کرتی حتیٰ کہ لب ولہجہ بھی ویسا ہی دھیما ہو گیا، ٹھہر ٹھہر کر دھیمے لہجے میں بولتی حالانکہ اس سے پہلے خاصا اونچا بولتی تھی۔ مونی کو کئی بار تشویش ہوئی۔

''یار سونی یہ رما کے ساؤنڈ بکس میں کوئی خرابی تو نہیں ہو گئی۔''

''ہاں مونی! تشویش تو مجھے بھی ہے۔''

لیکن مجھے ان کی پروا کہاں تھی۔ مجھ پر تو حمزہ آپا جیسا بننے کی دھن سوار تھی میں نے بھی سفید دوپٹے اور سفید شلوار کے ساتھ رنگین شرٹ پہننا شروع کر دی تھی۔

جب بھی آتے سیفی مجھے دیکھ کر حیران ہوتے، ان کی آنکھوں میں میرے لئے لمحہ بھر کو تحسین کا جذبہ نظر آتا اور وہ اکثر زبان سے بھی اس کا اظہار کر جاتے۔

''رما! تم نزی سے بالکل مختلف ہو بلکہ مزاج میں کچھ کچھ حمزہ سے ملتی ہو، نزی کے مزاج کے رنگ بالکل مختلف ہیں۔''

''اچھا کیسے ہیں نزی آپی کے مزاج کے رنگ۔'' میں جان بوجھ کر بات بڑھاتی۔

''تیز، بہت تیز چیختے چلاتے، جو کبھی تو خنک موسموں میں آنکھوں کو اچھے لگتے ہیں،

لیکن کبھی گرم موسموں میں چبھتے ہیں آنکھوں میں، اور تمہارے مزاج کے رنگ ہلکے ہیں بہت ہلکے جو کسی بھی موسم میں آنکھوں میں چبھتے نہیں ہیں۔ بالکل حمزہ آپا کے مزاج کے رنگوں کی طرح دھیمے اور ہلکے۔ آنکھوں کو اچھے لگنے والے۔'' اور میرے اندر باہر پھلجھڑیاں سی چھوٹنے لگتیں۔

اور پھر ایک دن پھپھو نے مجھے سیفی کے لئے مانگ لیا۔ اور یہی تو چاہا تھا میں نے۔

میری ساری ریاضت تو اسی کے لئے تھی۔ وہ ایک شخص جسے میں نے چاہا، بالآخر میرا ہو گیا۔ نزی آپی نے مجھ سے پوچھا تھا اور یہ جان کر کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ وہ لمحے بھر کو چپ سی رہ گئی تھیں۔

''رما! تم سیفی بھائی کے ساتھ خوش رہ سکو گی۔''

اور ان کو کیا پتا تھا کہ یہ تو میرے دل کی اولین خواہش ہے۔ اور یہی تو چاہا تھا میں نے، کتنی دعائیں مانگی ہیں میں نے، اور کتنی ریاضت کی ہے۔

''اصل میں......'' وہ کچھ سوچ میں پڑ گئیں۔

''تمہیں پتا ہے بچپن سے ہی سیفی بھائی کی بات حمزہ سے طے تھی اور پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے جیسے سیفی کبھی بھی حمزہ کے سحر سے نہیں نکل سکے گا، اور تم...... ایک تقسیم شدہ شخص کے ساتھ خوش رہ سکو گی رما۔''

مجھے ان پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ میں ہمیشہ سے جانتی تھی کہ وہ مجھ سے بے انتہا پیار کرتی ہیں اور اس وقت جب کہ ممی سمیت سب سیف اللہ اختر کے رشتے پر بے انتہا خوش تھے۔ ان کی یہ تشویش، ان کی حد سے زیادہ محبت کی دلیل تھی۔ لیکن میرے لئے سیفی کی رفاقت میری زندگی کا سب سے بڑا اور قیمتی خواب تھی۔ میں اس شخص سے کتنی محبت کرتی تھی اس کی گہرائیوں کا مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا لیکن میں اتنا جانتی تھی کہ سیفی سے بچھڑ کر زندگی میرے لئے مر جائے گی۔

''رما! بیداد، میرا دیور بہت اچھا ہے ہر لحاظ سے ہم تو اس کے لئے سوچ رہے تھے اگر تم کہو تو میں ممی سے بات کروں، وہ تم سے...... وہ صرف تمہارا ہو گا اس کی زندگی صاف سلیٹ کی مانند ہے، پہلا نام تمہارا ہو گا۔''

''نہیں آپی! میں خود...... میں خود بھی سیفی۔''

''جانتی ہوں لیکن میری جان یہ قریب رہ کر دور رہنے کا عذاب سوچ لو......''

نزی آپی کا مشاہدہ غضب کا تھا لیکن میں نے تو کچھ سوچنا نہیں تھا...... سو...... کوئی

میرے دل سے پوچھے تو میں بتاؤں کہ یہ قریب ہو کر دور رہنے کا عذاب کیا ہوتا ہے۔ اور میں اس عذاب میں ہوں کئی سالوں سے......

میری نارسائی کے ہاتھ میں
نہ چراغ ہے نہ کوئی ہنر
کسی راستے کی تلاش میں ہے
لہو لہو میری چشم تر

اور میں نے سوچا تھا کہ میں حمزہ آپا جیسی بن جاؤں گی تو وہ محبت بھی حاصل کر لوں گی جو حمزہ آپا کو ملی۔ لیکن میں تو سر سے پاؤں تک حمزہ آپا بن گئی مگر وہ محبت جس کی مجھے تمنا تھی وہ مجھے نہیں ملی۔

سیفی آج بھی وہیں ہیں جہاں سفر کے آغاز میں کھڑے مجھے ملے تھے، حمزہ آپا کی محبتوں میں ڈوبے ہوئے۔ حمزہ آپا کے تصور میں کھوئے ہوئے۔

دن رات ان کے تصور میں غلطاں، بے چین اور مضطرب۔ میں ان کی رفیق زندگی۔

جو کبھی رمانہ ملک تھی۔ مگر آج رمانہ سیف اللہ ہوں، پھپھو دن رات مجھے دعائیں دیتی ہیں، مگر کیا یہ اتنا لمبا سفر میں نے صرف ان کی ممنونیت حاصل کرنے کے لئے کیا تھا۔

یہ اتنی ریاضت

رما ملک سے حمزہ بننے تک کا سفر اور میرے اندر جیسے کوئی کچوکے لگاتا اور خنجر چبھوتا ہے۔ وہی اضطراب وہی بے چینی، وہی آنکھیں ہر لحظہ آنسو لٹانے کو بے تاب۔ پا کر نہ پانے کا دکھ نہ پانے کے دکھ سے کتنا بڑا ہے یہ میں نے اب جانا ہے، سیفی کہتے ہیں۔

''رما! تم بہت اچھی ہو تمہارے علاوہ اگر کوئی اور اس گھر میں آتا تو شاید میں بکھر جاتا۔ ٹوٹ جاتا، رما! تم نے اتنی اعلاظرفی کہاں سے سیکھی ہے۔ تم نے مجھے سنبھال رکھا ہے اور یہ تو امی کی خواہش تھی وہ میرا گھر بسانا چاہتی تھیں جب کہ مجھے ایسی کوئی چاہ نہ تھی۔''

ایسے ہی سینکڑوں جملے ہیں جو ان سارے بیتے برسوں پر پھیلے ہوئے ہیں لیکن ان میں وہ ایک جملہ نہیں کہیں بھی نہیں، وہ ایک جملہ جسے سننے کی چاہ من میں آگ لگی ہے۔

میں نے کئی بار اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا ہے کہ حمزہ آپا سے کہیں زیادہ

خوبصورت ہوں، اور پھر حمزہ کی عادتیں اپنانے میں، میں نے اپنا آپ تھکا ڈالا ہے لیکن پھر بھی، پھر بھی سیفی کے دل سے حمزہ آپا کی یاد کھرچ نہیں سکی ہوں، کبھی کبھی تو میرا دل بہت دکھتا ہے۔

اور میں مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو مجرم سمجھنے لگتی ہوں، جب کبھی ممی کہتی ہیں۔

''عفی کی شادی میں غلطی ہوگئی رما! میں بھی اس کی باتوں میں آ گئی کہ وہ حمزہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ حمزہ ایسی سادا دل لڑکی دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے عفی کے ساتھ تو مسز ہمدانی کی بیٹی ہی چل سکتی تھی۔''

مونی کو بھی حمزہ آپا کا دکھ ہے، ہائے یہ ہمارے گھر کے لوگ، جنہیں عفی بھائی کے بجائے حمزہ آپا سے ہمدردی ہے۔ حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں جانتے اور میں جو سب جانتی ہوں مجرم بنی سب کی سنتی رہتی ہوں۔

مونی کی ان دنوں لاہور میں پوسٹنگ ہو چکی ہے اور ممی اس کے لئے لڑکی ڈھونڈ رہی ہیں ابھی کل ہی مونی نے فون پر مجھے اطلاع دی ہے۔

''سنو حمزہ آپا نے ڈائری لکھنا چھوڑ دی ہے۔ کہہ رہی تھیں اب لکھنے کے لئے رہ ہی کیا گیا ہے۔''

واقعی اب لکھنے کے لئے کیا رہ گیا ہے ان کے پاس اور کتنا تجسس ہوتا تھا ہمیں کہ حمزہ آپا اپنی ڈائری میں کیا لکھتی ہیں۔

''کھانوں کی ترکیبیں۔'' سونی کی رائے تھی۔

''گھریلو ٹوٹکے اور اشعار شیشی بھری گلاب کی قسم کے شعر۔''

مونی رائے دینے میں سونی سے کبھی پیچھے نہیں رہا تھا۔ لیکن پھر جب مصباح نے انکشاف کیا کہ ضرور حمزہ آپا کو کسی سے محبت ہے جس کا حال وہ اپنی ڈائری میں لکھتی ہیں، تب مونی نے اور میں نے کتنا کھوج لگایا تھا ان کی ڈائریوں کا اور کتنا شوق ہوا کرتا تھا ہمیں ان کی ڈائری پڑھنے کا اور اب جب کہ ان کی ساری ڈائریاں سامنے پڑی ہیں سیفی کے وارڈ روب کی نچلی دراز کی چابی ہمیشہ میرے بیڈ کی سائیڈ والی ٹیبل میں رہتی ہے۔ میں نے کبھی انہیں پڑھنے کی کوشش نہیں کی۔

ایک بار میں نے ایک ڈائری پڑھی تھی۔ وہ بھی .... کہیں کہیں سے۔

مجھے لگا تھا جیسے میں...... میں تو پھانسی کی مستحق ہوں میں نے ڈائری بند کر دی تھی۔

اور مجھے لگا کہ اگر میں نے حمزہ کی یہ ساری ڈائریاں پڑھ لیں تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ یا ایک دم بند ہو جائے گا حمزہ آپا ہر سال کے اختتام پر یہ ڈائری سیفی کو دے دیا کرتی تھیں۔

ہر نیو ایئر پر گزرے سال کی ڈائری کا تحفہ کس قدر منفرد اور مختلف گفٹ ہوتا تھا ان کا اور ان ساری ڈائریوں میں ان کے خوبصورت جذبے بند ہیں۔ اور سیفی کے لئے یہ ڈائریاں بہت قیمتی متاع ہیں۔ دنیا جہان کے خزانوں سے زیادہ قیمتی، کبھی کبھی وہ جب بہت اداس ہوتے ہیں تو کوئی ڈائری نکال کر اسے یوں احتیاط سے ہاتھوں میں تھام کر پڑھتے ہیں جیسے کوئی الہامی کتاب ہو اور میں مضطرب سی کوریڈور میں یا ٹی وی لاؤنج میں ٹہلتی رہتی ہوں، اور سیفی مجھے اپنے سے بہت دور لگتے ہیں۔ سوچتی رہتی ہوں کہ۔

وہ اضطراب فراق ہے وہی اشتیاق وصال ہے
تیری جستجو میں جو حال تھا تجھے پا کے وہی حال ہے

اور کبھی کبھی سیفی اچانک اٹھ کر لاؤنج میں آ جاتے ہیں۔ ڈائری واپس لاک کر کے۔

''سوری رما! میں شاید تمہیں بہت خوشی نہیں دے سکا، کبھی میری ذات سے کوئی تکلیف پہنچے۔ میرے رویے سے دکھ ہو تو پلیز میری مجبوری سمجھ کر مجھے معاف کر دینا کہ تم...... تم تو جانتی ہو سب۔''

اور یہ جاننا ہی تو میرے لئے مسلسل عذاب ہے، کاش میں کچھ نہیں جانتی ہوتی تو یہ احساس جرم تو نہ ہوتا، اور ایسا ہی ایک چھوٹا سا سوری مجھے بھی کرنا ہے۔ سیفی سے۔ لیکن میں کیا کہوں کہ میں نے، میں نے کیا کیا ہے۔ اور وہ چپ چاپ بیٹھے مجھے دیکھتے رہتے ہیں یا قریب بیٹھے ذکی سے کھیلتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی میں پوچھتی ہوں۔

''آپ کو حمزہ آپا بہت یاد آتی ہیں۔'' تو وہ بے اختیار میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔''

''پتا نہیں کتنا یاد آتی ہیں۔''

لیکن ڈونٹ وری

A LITTLE

PAIN IN THE HEART

SMALL TEAR IN THE EYES

اور پھر وہ میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہیں۔

AND IS NO THING (دل میں ہلکا سا درد، آنکھ میں نمی، بس اور تو کچھ نہیں)

ایک تارا سا ان کی سیاہ چمکیلی آنکھوں میں چمکتا ہے اور وہ میرے ہاتھوں کو ہولے سے دبا کر گویا سب کچھ ٹھیک ہے کا یقین دلا کر ذکی کو گود میں اٹھا کر اپنے بیڈ روم میں چلے جاتے ہیں اور میں وہیں بیٹھی رہ جاتی ہوں۔

مجھے حمزہ آپا کا دکھ ہے، مجھے سیفی کا دکھ ہے، اور سب سے بڑھ کر مجھے اپنا دکھ ہے اور کسی کے لئے کچھ نہیں کر سکتی۔

نہ حمزہ آپا کے لئے، جو میرا آئیڈیل نہیں تھیں لیکن میں نے ان جیسا بننے کی کوشش کی۔

اور نہ سیفی کے لئے، جنہیں میں نے چاہا، محبت کی، بلکہ شاید عشق کیا۔

اور نہ اپنے لیے حالانکہ میں نے تو

کتنا سہل جانا تھا

خوشبوؤں کو چھو لینا

روشنی ستاروں کی

مٹھیوں میں بھر لینا

کتنا سہل جانا تھا

لیکن...... اے نظر کی خوش فہمی

اس طرح نہیں ہوتا

اس طرح نہیں ہوتا

☆☆☆

دشت فراق

"یہ...... محبت وحبت سب کتابی باتیں ہیں عنیزہ سید!" نائلہ احمد نے تیزی سے پاؤں ہلاتے ہوئے کہا۔

"محبت کے کرب سے آشنا ہونا چاہتی ہوں۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ انتظار کی لذت کیا ہوتی ہے اور پھر جب انتظار کی گھڑیاں گزر جاتی ہیں تو کیا محسوسات ہوتے ہیں۔ میں اس درد سے، کرب سے آگاہی حاصل کرنا چاہتی ہوں کہ نہ پانے کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ کھونے کا کرب کیا ہے؟"

وہ آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے سر ٹکائے ہولے ہولے، ٹھہرے ٹھہرے سے لہجے میں بولتی چلی گئی۔ تو نائلہ نے بیزار ہو کر اسے جھنجوڑ ڈالا۔

"دراصل تم انتہائی احمق اور بے وقوف لڑکی ہو اور تمہاری ساری خواہشیں بھی تمہاری طرح فضول اور احمقانہ ہیں۔ لہٰذا......"

"نہیں نائلہ احمد! تم نہیں سمجھ سکتیں۔ میرے اس پرابلم کو پتا نہیں میں کیا چاہتی ہوں۔ میں خود نہیں سمجھ سکی۔ میرے اندر عجیب عجیب خواہشیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے میرے اندر اک جہاں آباد ہے۔ ایک دنیا چھپی ہے اور میرا دل چاہتا ہے کوئی اس چھپی ہوئی دنیا کو دریافت کر لے۔ میں شاید دوسروں سے مختلف ہوں لوگ روشنیوں کو پسند کرتے ہیں اور میرا دل چاہتا ہے کہ کمرے میں اندھیرا ہو اور میں آنکھیں بند کیے اداس اداس دھنوں والے گیت سنتے رہوں۔ پتا ہے نیلی!" اس نے خوابناک لہجے میں کہا۔

"مجھے دھواں بہت اچھا لگتا ہے۔ تم نے کبھی ماچس کی تیلی کو جلا کر بجھایا ہے۔

دھوئیں کو سفید سرمئی مرغونوں کو اوپر کی طرف اٹھتا ہوا دیکھنا کتنا اچھا لگتا ہے۔''

''میرا خیال ہے میں تمہیں بس نمبر چار پر بٹھا دوں۔ سیدھی مینٹل ہاسپٹل جاتی ہے۔'' نائلہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''پتا نہیں یہ لوگ جنہیں تم لوگ پاگل کہتے ہو۔ سچ مچ پاگل ہوتے ہیں یا ان کی دنیا تمہاری دنیا سے مختلف ہوتی ہے اور تم انہیں پاگل قرار دے دیتی ہو۔''

خدا کے لئے عینی! اب میں تمہیں مار بیٹھوں گی۔

''تمہیں پتا ہے راحیل بھائی کی فلائٹ پورے چار بجے ہے اور اگر میں ان سے نہ مل سکی نا تو۔ پورے چار سال کے لئے جا رہے ہیں۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''ایک تو میں تمہارے ان چچیرے، خلیرے ممیرے بھائیوں سے تنگ آ چکی ہوں۔ انہوں نے تو کبھی مڑ کر خبر تک نہیں لی اور عزیزہ نائلہ احمد ہیں کہ ان کی محبت میں مری جا رہی ہیں۔''

''جھوٹ تو نہ بولو عینی راحیل بھائی اور مراد بھائی تو کتنی ہی بار مجھے ملنے آئے ہیں۔''

''خالی ہاتھ سوکھے منہ کبھی اتنا تو ہوا نہیں کہ کڑاہی گوشت، اسٹیم روسٹ، شامی کباب وغیرہ ہی لے آئیں کہ بچی بے چاری ہاسٹل کے کھانے کھا کر کمزور ہو رہی ہے۔''

''میں تمہاری طرح مذہبی نہیں ہوں۔''

''یوں کہو مسلسل چار سال سے ہاسٹل میں رہتے رہتے معدہ کمزور ہو گیا ہے کچھ ہضم نہیں ہوتا۔''

''بکے جاؤ۔ میں اکیلی ہی چلی جاتی ہوں۔''

''اچھا اچھا چلو۔'' عنیزہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''تم تیار ہو جاؤ ناں کب سے کہہ رہی ہوں۔''

''ٹھیک تو ہوں۔''

عنیزہ نے لاپروائی سے اپنا جائزہ لیا اور اپنی لیدر جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑی ہوگئی۔

''میں وعدہ کرتی ہوں عینی ڈیر! کہ بہت جلد تمہارے لیے ایک مناسب لڑکا

ڈھونڈنے کی مہم شروع کر دوں گی تا کہ تم اس سے جی بھر کر محبت کر سکو۔''

نائلہ نے ہنستے ہوئے کہا اور دونوں بیگ گلے میں لٹکائے ہاسٹل کی چار دیواری سے باہر نکل آئیں۔

''ناک کٹواؤ گی اپنے باپ دادا کی کسی دن۔'' نائلہ نے جھلا کر کہا۔

''ہاں یار! یہ ناک کا مسئلہ نہ ہوتا تو پھر تم دیکھتیں عنیزہ سید کیا چیز ہوتی۔''

''کیا چیز ہوتی۔'' نائلہ نے رک کر سر سے پاؤں تک اسے دیکھا۔

''وہ جو کچھ بھی ہوتی، ایک شاعر، مصور یا ادیب مگر ایک دبی دبی سمٹی سہمی لڑکی نہ ہوتی جو ہر قدم اٹھانے سے پہلے بی جان اور بابا جان کی طرف دیکھتی ہے جس کی سوچوں میں بھی ہزاروں وسوسے ہیں۔ خدا کی قسم نائلہ احمد عنیزہ سید اس لیے پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ روایتوں کے ہاتھ قتل ہو جائے۔ بلکہ اسے تو کچھ بننا تھا کوئی منفرد اور بلند مقام پانا تھا۔ پتا ہے بچپن میں عماد الدین کہا کرتا تھا کہ تمہاری انگلیاں فنکاروں جیسی ہیں اور تم بڑی ہو کر ایک عظیم مصور بنو گی۔''

اس نے ہاتھ پھیلا کر اپنی لمبی اور پتلی انگلیوں کو دیکھا۔

''میں نے بچپن میں کوئلے سے دیواروں پر بیشمار تصویریں بنائی تھیں۔ بابا جی اور بی جی کی عماد الدین اور سعد اللہ کی اور نذیراں کہتی تھی کہ یہ تو سچ مچ کی عماد الدین اور سعد اللہ کی مورتیں تھیں۔ مگر بابا جان نے ساری دیواروں پر سفیدی پھروا دی اور مجھ سے کہا۔ ''یہ گناہ ہے۔''

''یکایک اس کے دمکتے چہرے کی رنگت ماند پڑ گئی تھی۔

''ایک تو مجھے تم سمجھ میں نہیں آئیں آج تک۔'' نائلہ نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

''کبھی تو اتنی سنجیدہ نظر آتی ہو کہ گمان ہوتا ہے سقراط کی روح اپنی قبر سے نکل آئی ہے اور کبھی ایک دم ہی پٹڑی سے اتر جاتی ہو۔''

''اپنی سمجھ تو مجھے خود آج تک نہیں آئی۔ نیلی ڈیر! تم کیا سمجھو گی۔

اتنی ناقابل فہم مت بنو کہ اکیلی رہ جاؤ۔''

''اکیلی تو میں اب بھی ہوں'' اس نے آہستگی سے کہا اور جوتے اتار کر لحاف میں

گھس گئی۔

"بائے۔ اگر میں سو جاؤں تو جگانا مت۔"

"ارے کیا کھانا کھائے بغیر سو جاؤ گی۔"

"ہاں، دل نہیں چاہ رہا۔" وہ لحاف کے اندر سے ہی منمنائی۔

"یوں بھی شام کی چائے ابھی تک حلق میں ہی دھری ہے۔ اور یہاں چھ بجے ہی ٹن ٹن ہو جاتی ہے۔ جی چاہ رہا ہے یا نہیں بس ٹھونس لو۔" نائلہ منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا کر کتاب لے کر بیٹھ گئی۔

عنیزہ نے ایک بار ذرا سا منہ باہر نکال کر اسے دیکھا۔ پھر اسے پڑھتے دیکھ کر غڑاپ سے اندر کر لیا۔

وہ ایسی ہی تھی نائلہ کو پتا تھا کہ اب وہ کتنا ہی اسے بلائے گی، پکارے گی وہ جواب نہیں دے گی۔ اسے یوں ہی بیٹھے بیٹھے ایک دم اداسی کے دورے پڑتے تھے۔ اور وہ گھنٹوں نائلہ سے بات نہیں کرتی تھی۔ جانے آنکھیں کیا سوچا کرتی تھیں اور کبھی کبھی وہ بے انتہا خوش ہوتی۔ بعض اوقات بچوں کی سی حرکات کرتی نائلہ اسے کہتی کہ وہ مچور لڑکی ہو کر ایسی حرکتیں نہ کیا کرے تو وہ بے بسی سے اس کی طرف دیکھتی۔

"نیلی پلیز، مجھے مت ٹوکا کرو کبھی کبھی مجھے اس طرح ہو جانے دیا کرو کہ بچپن میں میں نے یہ سب کچھ نہیں کیا اور میرا بچپن مجھ سے بہت جلد بچھڑ گیا تھا۔ میرا دل کہتا ہے نیلی! کہ میں پیچھے کی طرف لوٹ جاؤں۔ ایک بار پھر سے بچی بن جاؤں اور وہی حرکتیں کروں جو بچے کرتے ہیں مگر میری یہ خواہش کس قدر انہونی ہے پتا نہیں میں نے ایسی ناممکن خواہش کیوں پال رکھی ہے۔"

پتا نہیں وہ اتنی ناآسودہ کیوں رہتی تھی۔ حالانکہ اسکا خاندانی پس منظر بڑا ٹھیک ٹھاک تھا۔ اس کے دادا امیر علی شاہ مسلم لیگ کے بڑے سرگرم رکن تھے اور ان کی اپنے علاقے میں بڑی عزت تھی اور اب بھی ان کے خاندانوں کو بڑی عزت سے دیکھا جاتا تھا کہ اسکے والد نے اپنے دادا کی گدی سنبھال لی تھی اور چک امیر علی شاہ کا پورا علاقہ ان کی اپنی جاگیر تھا۔

رات کے کھانے کے لئے گھنٹی بج رہی تھی۔

نائلہ نے کتاب ایک طرف رکھ کر اس کی طرف دیکھا۔

"عینی! تمہارے لیے کچھ کھانا کمرے میں لے آؤں۔" "پلیز بولو نا مجھے پتا ہے تم جاگ رہی ہو۔"

مگر عنیزہ نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ خاموشی سے دروازہ بھیڑ کر باہر نکل آئی کہ عنیزہ اپنی ایسی بے تکی حرکتوں کے باوجود اسے بہت عزیز تھی۔

☆☆☆

اور میں عنیزہ سید اپنی زندگی کے اس پیٹرن سے قطعی خوش نہیں ہوں۔ پتا نہیں کیوں۔ حالانکہ میری زندگی میں کوئی کمی نہیں، وہ سب کچھ تو ہے میرے پاس جس کی کوئی لڑکی تمنا کر سکتی ہے پھر بھی میں مطمئن نہیں ہوں۔ شاید میں...... اپنے اندر کی دنیا کھوجنا چاہتی ہوں اور میں نے اکثر محسوس کیا ہے کہ میرے اندر ایک جہاں آباد ہے۔ اور میں اس چھپی ہوئی دنیا کو باہر لانا چاہتی ہوں مگر مجھے لگتا ہے جیسے میری اپنی ذات کے دروازے مجھ پر بند ہیں۔ کوئی کھڑکی، کوئی روشندان، کوئی روزن نہیں ملتا اور میں بند اندھیرے کمرے میں اندھوں کی طرح راستہ ٹٹولتی پھرتی ہوں۔ شاید میں ہمیشہ بھٹکتی رہوں گی۔ مجھے کوئی راستہ نہیں ملے گا جو مجھے میری ذات سے باہر لے آئے اور ایک دن میں بھی بی جان کی طرح تسبیح ہاتھ میں لیے بڑی سی چادر اوڑھ کر تخت پوش پر بیٹھ کر گاؤں کی عورتوں کے مسائل سنا کروں گی اور گاؤں کی سادہ اور معصوم عورتیں مجھ سے پانی دم کروا کر لے جایا کریں گی۔

اوہ نان سنس مجھے بی جان کی طرح نہیں بننا۔

اس نے سر کو ہولے سے جھٹکا اور فائل سے خط نکال کر پڑھنے لگی۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی وہ دو بار اسے پڑھ چکی تھی۔ تب ہی نائلہ اسے ڈھونڈتی ہوئی ادھر آ نکلی۔

"اوہ تم یہاں بیٹھی ہو اور تمہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے میرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ آخر یہاں تنہا بیٹھ کر کیا کر رہی ہو؟"

"عماد الدین بہادر کا خط پڑھ رہی تھی۔" عنیزہ کپڑے جھاڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا لکھا ہے عماد نے۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔" عنیزہ نے خط نائلہ کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ۔" نائلہ خط پڑھ کر ہنس پڑی۔

’’عماد بھائی تو بہت دلچسپ خط لکھتے ہیں بڑے زندہ دل لگ رہے ہیں۔‘‘

’’ہاں، مردوں کی بستی میں وہی ایک زندہ آدمی تھے۔ جب سے وہ مصر گئے ہیں۔ گھر اور گاؤں دونوں ہی کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں۔ ان کے بغیر تو گھر گھر نہیں لگتا نیلی کوئی معبد یا مسجد لگتا ہے۔ جہاں ہر وقت تقدس چھایا رہتا ہے اور مجھے تو وہاں اونچی آواز میں بات کرتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے۔ جیسے میرے بولنے سے یہ سارا تقدس کانچ کی طرح بکھر جائے گا اور وہ جو تھا نا عماد الدین اونچی آواز میں پورا منہ کھول کر ہنستا تھا۔ بغیر کسی ڈر اور خوف کے۔‘‘

’’اچھا یار چلو اب مسز سبحانی کا پیریڈ شروع ہونے والا ہے۔‘‘

’’موڈ نہیں تم جاؤ۔ میں ہاسٹل جا رہی ہوں۔‘‘

’’مگر تم نے مس زہرہ حیدر کا پیریڈ بھی اٹینڈ نہیں کیا۔‘‘

’’ہاں نہیں کیا پھر۔‘‘ عنیزہ نے بھنویں اٹھائیں۔

’’بھاڑ میں جاؤ۔‘‘

’’تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گی۔‘‘ عنیزہ مسکرائی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

’’چلو آج تم بھی مسز سبحانی کو بخش دو۔‘‘

’’مگر تم وہاں اکیلی...... ہاسٹل میں جا کر کرو گی کیا۔‘‘

’’میں پہلے تو ہیٹر جلاؤں گی پھر گرما گرم چائے بناؤں گی اور تھوڑے سے پکوڑے تلوں گی۔ اور پھر لحاف میں گھس کر کوئی فنٹاسٹک سا ناول پڑھوں گی جس میں ہیرو اور ہیروئن کے درمیان بڑے زبردست قسم کے ڈائیلاگ ہوں گے۔‘‘

پکوڑوں اور چائے کے نام پر نائلہ کے منہ میں سچ مچ پانی آ گیا اور وہ اس کے ساتھ ہی چل پڑی۔

’’ارے ارے تم کہاں چل رہی ہو مسز سبحانی تمہیں بڑی شد و مد کے ساتھ یاد کر رہی ہوں گی۔‘‘

’’کرتی رہیں، اب میں اتنی بھی بے مروت نہیں ہوں کہ تمہیں اکیلا جانے دوں۔ خواہ مخواہ بوریت ہو گی تمہیں۔‘‘

’’خیر بوریت ووریت تو مجھے نہیں ہوتی۔‘‘ یہ کہو تمہارا بھی دل چاہ رہا ہے چائے

پینے کا۔‘‘

’’یہ حقیقت ہے کہ تمہاری صحبت میں، میں کافی سے زیادہ بگڑ چکی ہوں۔‘‘

’’بے فکر رہو۔ ہیرے کی انگوٹھی والا سنبھال لے گا۔‘‘

عنیزہ نے کمرہ بند کر کے ہیٹر جلایا اور چائے کے لیے پانی رکھ دیا۔

’’ارے ہاں عینی تم نے گھر خط لکھ دیا تھا۔ ہفتے سے چھٹیاں ہو رہی ہیں۔‘‘ نائلہ نے کتابیں میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

’’نہیں تو۔‘‘

’’لیکن کیا تم اکیلی جاؤ گی۔‘‘

’’نہیں۔ میرا تو گھر جانے کا موڈ ہی نہیں ہے۔ ہاسٹل میں ہی رہوں گی۔ یوں بھی کچھ لڑکیاں دسمبر ٹیسٹ کی تیاری کے لئے رکنا چاہ رہی تھیں۔ مسز شہاب نے اجازت دے دی ہے۔‘‘

’’مگر عینی! میں نے تو خط لکھ دیا ہے اور شانی یا خرم بھائی مجھے لینے آ جائیں گے۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔‘‘ دونوں رک جاتے۔ اب اکیلی رہو گی کمرے میں۔‘‘

’’تو کیا ہوا ہاسٹل میں تو لڑکیاں ہوں گی ناں۔‘‘

عنیزہ نے لاپروائی سے کہا اور چائے بنانے لگی۔

’’ایسا کرو اس بار میرے ساتھ چلو ہمارے گھر؟

’’سوچوں گی۔‘‘

نہیں عینی! سچی بہت مزا آئے گا۔ سب لوگ تم سے ملنے کے بہت مشتاق ہیں اور پھر وہ خرم بھائی ہیں نا آج کل وہ بھی گھر پر ہی ہوتے ہیں۔ بڑے آرٹسٹک مائنڈ ہیں۔ ان کے ذہن میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی کھچڑی پکتی رہتی ہے۔ کبھی فنکاروں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کر رہے ہیں۔ کبھی کسی غریب مصور کی تصویروں کی نمائش ہو رہی ہے اور کبھی کچھ بکھیرا ڈال رکھا ہے۔ مگر اس کے باوجود بڑے پیارے انسان ہیں مجھ سے اور نومی سے تو بہت پیار کرتے ہیں ہماری کوئی بات کبھی نہیں ٹالتے۔‘‘

’’اچھا مگر ایک شرط ہے تم گرمیوں کی چھٹیوں میں پھر میرے ساتھ چلو گی ہمارے گاؤں۔‘‘

"وعدہ کہ چلوں گی مجھے تو خود تمہارا گاؤں دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ تعریفیں سن سن کر کان پک گئے ہیں۔ دیکھوگی نا تو خود ہی تعریفیں کروگی۔ باغات ہی باغات ہیں اور جگہ جگہ پانی کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ ایسا صاف شفاف پانی کہ دیکھتی رہو۔ سچی نیلی میرا گاؤں بہت خوبصورت ہے اور جب میں گاؤں جاتی ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ باغات میں گھومتی پھروں چشموں کے کنارے بیٹھی رہوں اور پھر اس جھاگ اڑاتے پانی کو خوب اچھالوں مگر جب ایسا نہیں کرسکتی تو دل بہت کڑھتا ہے۔"

"کیوں کیا بابا اور بی جان تمہیں باہر نہیں جانے دیتے۔"

"نہیں بابا نے منع تو کبھی نہیں کیا مگر مجھے پتا ہے۔ وہ میرا باہر نکلنا پسند نہیں کرتے پھر لوگ کیا کہیں گے کہ سیدوں کی بیٹی یوں سرعام پھر رہی ہے پھر وہاں گاؤں میں تو سب ہی بابا کے مرید ہیں۔ اور نیلی! کبھی کبھی میں سوچتی ہوں۔ ہم انسان ساری زندگی لوگوں سے خوف کھاتے رہتے ہیں۔ ڈرتے رہتے ہیں کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ انسان وہی کچھ کرے جو اس کا دل چاہے بغیر لوگوں سے ڈرے اور خوف کھائے۔"

"اور تمہاری بی جان؟" نیلی نے پوچھا۔

"کیا وہ بھی گھر سے نہیں نکلتیں۔"

"ارے وہ۔" عنیزہ ہولے سے ہنسی۔

"وہ تو کوئی چلتی پھرتی روح لگتی ہیں۔ کئی بار انہیں دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے کھلی فضاؤں میں اڑنے والے پرندوں کو کسی نے زندان میں بند کردیا ہو مگر وہ ہمیشہ بڑی مطمئن دکھائی دیتی ہیں۔ قانع اور شاکر۔ پتا نہیں میں بی جان کی طرح کیوں نہیں ہوں۔ میں اپنے مرتبے اور حیثیت سے مطمئن کیوں نہیں ہوتی۔"

اس نے پکوڑے کڑاہی سے نکال کر نائلہ کی طرف بڑھائے۔

"دراصل بی جان کا کوئی عزیز رشتہ دار بھی تو یہاں نہیں ہے وہ افغانستان کی رہنے والی ہیں۔ ایک بار میرے دادا بی افغانستان اپنے کسی مرید کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے اور وہاں ہی بابا نے بی جان کو دیکھا تھا...... بی جان بہت خوبصورت تھیں۔ اب بھی نگاہ ان کے چہرے پر نہیں ٹھہرتی اور تب کا تو عالم ہی نہ پوچھو...... یقیناً بابا کا دل ان کے پہلو سے نکل بھاگا ہوگا۔ ان دنوں بابا کی پہلی بیوی فوت ہوچکی تھیں اور اسد اللہ صرف ایک سال کا تھا۔"

"ارے تو کیا اسد اللہ تمہارا سگا بھائی نہیں ہے۔" نائلہ نے حیرت سے پوچھا۔

"بھائی تو بھائی ہوتے ہیں نیلی جان سگے اور سوتیلے کیا۔ میں نے اسد اللہ اور عماد الدین کو کبھی الگ الگ نہیں جانا۔ اور بی جان بھی اسد اللہ سے اتنی ہی محبت کرتی ہیں جتنی مجھ سے اور عماد الدین سے۔

پتا نہیں نیلی! بی جان نے اس شادی پر کوئی احتجاج کیا تھا یا نہیں مگر میں نے انہیں کبھی بابا سے جھگڑتے یا شکوہ کرتے نہیں دیکھا۔ مگر پھر بھی کبھی کبھی مجھے بی جان بڑی مظلوم لگتی ہیں جیسے بابا نے انہیں زبردستی زندان میں قید کر رکھا ہو اور کھلی فضاؤں میں جانے سے محروم کر دیا ہو۔"

"پھر تو تمہارے بابا بڑے ظالم قسم کے ہوں گے۔"

"ارے نہیں، میرے بابا تو بڑے گریٹ آدمی ہیں۔"

بابا کے خلاف تو وہ ذرا سی بات بھی نہیں سن سکتی تھی۔ "انہوں نے کبھی اپنی مرضی کسی پر مسلط نہیں کی۔ وہ جو عماد الدین ہے نا۔ اس نے تو کبھی پانچوں وقت کی نمازیں بھی باقاعدگی سے نہیں پڑھیں۔ ایک آدھ ضرور گول کر جاتا ہے۔ مگر بابا نے اسے کبھی کچھ نہیں کہا جب کہ بی جان اسے اکثر ٹوکتی رہتی تھیں۔ بابا از دی گریٹ نیلی ڈیئر۔"

"چلو بھئی مان لیا تمہارے باب بہت گریٹ آدمی ہیں۔ مگر مجھے یہ بتاؤ جانے کی بات پکی ہے نا۔"

"ہاں پکی۔"

"گڈ تو پھر ابھی خط لکھ دو کہ تم میرے ساتھ جا رہی ہو۔"

"خط کیا لکھنا ہے۔ تم ذرا مسز شہاب کو مسکہ لگاؤ۔ تو گھر فون کر لیتی ہوں۔"

"کیا تمہارے گاؤں میں فون وغیرہ کی سہولت ہے۔"

"کیوں نہیں۔ وہاں سب سہولتیں ہیں۔"

"تو چلو پھر مسز شہاب کو رام کرنا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

اور وہ دونوں کمرہ بند کر کے باہر نکل آئیں۔

☆☆☆

"اور وہ تمہارے ہمہ صفت موصوف بھائی جن کی تعریف میں تم زمین آسمان کے

قلابے ملاتی رہی ہو وہ تو کہیں نظر نہیں آئے۔''

عنیزہ نے نوٹس بناتے اچانک سر اٹھا کر پوچھا۔

''ارے وہ۔'' نائلہ شرمندہ سی ہوگئی۔ ''پتا نہیں آج کل کہاں ہوتے ہیں۔ رات دیر سے لوٹتے ہیں اور صبح نہ جانے کب بھاگ جاتے ہیں بس وہ ایسے ہی ہیں۔ عینی! عجیب لاأبالی سی طبیعت ہے ان کی۔ ممی تو ان سے خفا ہی رہتی ہیں۔ کوئی ڈھنگ کا کام بھی تو نہیں کرتے۔ بزنس ایڈمنسٹریشن میں ایم اے کیا ہے مگر پاپا کے بزنس میں کبھی ان کی مدد ہی نہیں کی ممی کے ڈانٹنے پر کبھی آفس جاتے بھی ہیں تو کسی بہانے بھاگ آتے ہیں۔''

وہ دونوں اس وقت باہر ہی لان میں بیٹھی نوٹس بنا رہی تھیں۔ عنیزہ کو یہاں آئے تین دن ہوگئے تھے۔ اور تین دنوں میں وہ سب سے ہی گھل مل گئی تھی۔...... شامی، ممی سب ہی اس سے بہت پیار اور محبت سے ملے تھے، اور اسے بڑی اپنائیت کا احساس ہوا تھا۔ سب ہی محبت کرنے والے خوش مزاج اور خوش اخلاق لوگ تھے۔ البتہ خرم سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔''

''میرا خیال ہے دھوپ تو اب رخصت ہو رہی ہے۔ ہم بھی کمرے میں چلیں۔''
عنیزہ نے کتابیں سمیٹتے ہوئے کہا۔ تو نائلہ نے فائل سے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر خوشی اور حیرت سے بولی۔

''ارے خرم بھائی آگئے۔''

عنیزہ نے چونک کر سامنے دیکھا۔

بڑی بڑی سوچ میں ڈوبی آنکھیں، بال بکھرے ہوئے۔ ہاتھوں کی انگلیوں میں سلگتا ہوا سگریٹ اور ملگجے سے شکن آلود کپڑے۔

''ارے یہ تو کوئی انٹلکچوئل قسم کی شے لگتے ہیں۔''

انٹلکچوئل قسم کے نہیں بلکہ سچ مچ انٹلکچوئل ہیں۔''

''اچھا۔'' عنیزہ شرارت سے مسکرائی۔ مجھے بڑا شوق تھا کسی انٹلکچوئل کو دیکھنے کا۔''

''السلام علیکم خرم بھائی!'' قریب آنے پر نائلہ نے سلام کیا۔

''تم یہاں سردی میں باہر کیوں بیٹھی ہو۔''

''ہم تو دھوپ میں بیٹھے تھے۔ مگر خرم بھائی! آپ کہاں رہتے ہیں۔ تین دن ہوگئے

ہیں مجھے آئے ہوئے۔ اور آپ سے ڈھنگ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔''

''کیا بتاؤں نیلی بی بی!'' وہ تھکے تھکے سے کرسی پر گر پڑے وہ اپنا ذکی ہے نامشہور مصور سلطان ذکی وہ ہاسپٹل میں موت وحیات کی کشمکش میں پڑا تھا۔ اسی کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ کل رات وہ رخصت ہوگیا۔''

''بہت افسوس ہوا خرم بھائی، کیا وہ آپ کا دوست تھا؟''

''ہر فنکار ہر آرٹسٹ میرا دوست ہے۔ مگر یہ کتنا بڑا المیہ ہے بی بی کے اتنا بڑا مصور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔'' انہوں نے تاسف سے ہاتھ ملے۔

عنیزہ پین دانتوں میں دابے دلچسپی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''آج کے اخبار میں اس کی شخصیت اور فن پر ایک مضمون چھپا ہے اور جب وہ زندہ تھا تو اس کی تصویریں دوسرے ناموں سے فٹ پاتھ پر ادنیٰ، قیمت میں بکتی تھیں وہ مر رہا تھا تو کسی نے اس کی خبر نہیں لی اور اب جب کہ وہ مر چکا ہے تو اس پر مضمون لکھے جائیں گے۔ اس کے فن پر مقالے تحریر ہوں گے۔''

خرم کے لہجے میں تلخی تھی اور آنکھوں میں اضطراب سا کروٹیں لے رہا تھا۔

''مگر اسے ہوا کیا تھا خرم بھائی۔''

''ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کے پھیپھڑے گل گئے تھے۔ شراب کی زیادتی نے اسے ختم کر دیا تھا۔ اس کے اندر کچھ نہیں بچا تھا لیکن میں کہتا ہوں شراب سے زیادہ اسے لوگوں کے رویوں نے مار دیا تھا۔''

''آپ سیدھی طرح یہ کیوں نہیں کہتے کہ شراب کی زیادتی نے اس کے جسمانی نظام کو تباہ کر دیا تھا۔ یہ فنکار ایسا کیوں کرتے ہیں کہ خود اپنے ہاتھوں زہر اپنے اندر اتارتے ہیں اور قصوروار دوسروں کو ٹھہراتے ہیں۔''

''عنیزہ نے بڑی نرمی سے ہولے ہولے کہا تو انہوں نے اس طرح چونک کر اس کی طرف دیکھا جیسے وہ اب تک اس کی موجودگی سے بے خبر رہے ہوں۔

''یہ عینی ہے میری دوست۔''

''اچھا!''

وہ مسکرائے اور ان کی نگاہیں پہلے تو اس کے صبیح رخساروں پر ٹکیں اور پھر گھنی لانبی

سیاہ پلکوں میں الجھ گئیں۔

''بی بی! آپ ابھی ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ آپ نے کبھی یہ سوچا کہ ایک فنکار شراب کیوں پیتا ہے۔''

''آپ کے خیال میں غم غلط کرنے کے لئے جب کہ میرے خیال میں ایک بری لت پوری کرنے کے لئے۔''

''اوہو'' انہوں نے جز بز ہو کر اس کم عمر مگر حسین لڑکی کی طرف دیکھا'' فنکار بہت حساس ہوتا ہے بی بی! لوگوں کا منفی رویہ اسے توڑ دیتا ہے بعض اوقات اپنے بکھرے وجود کو سمیٹنے کے لئے وہ شراب کا سہارا لیتا ہے۔ تو لوگ کہتے ہیں شراب نے اسے تباہ کر دیا۔ کوئی اس کے اندر جھانک کر نہیں دیکھتا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔''

''فرار حاصل کرنے کے لئے۔ اصل فنکار تو وہ ہے جو منفی رویوں کے باوجود ثابت قدم رہتا ہے۔''

انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا اور دھیمے سے مسکرائے۔

''آپ ڈیبیٹر (مقررہ) تو نہیں ہیں۔''

تب ہی نمرہ چائے کی ٹرالی دھکیلتی ادھر ہی آ گئی۔

''چائے یہاں ہی پیئں گے یا اندر لے چلوں۔''

''اندر ہی لے چلو ٹھنڈ ہوتی جا رہی ہے.....'' نائلہ نے کہا۔

''نہیں نومی گڑیا یہاں ہی پی لیتے ہیں۔ ابھی تو دھوپ کی تپش ہے۔ ہاں تو آپ کیا کہہ رہی تھیں کہ فنکار اپنی زندگی خود تباہ کرتا ہے۔''

''خرم بھائی! خرم بھائی۔''

گیٹ کے پاس سے احتشام نے پکارا تو خرم نے بات ادھوری چھوڑ کر ادھر دیکھا۔

''کیا ہے شامی؟''

''ہمایوں بھائی آئے ہیں۔''

''اچھا عینی بی بی! پھر کبھی اس موضوع پر بات کریں گے۔''

عنیزہ اور نائلہ اپنی چیزیں سمیٹنے لگیں۔

''السلام علیکم۔'' ہمایوں نے قریب آ کر سلام کیا۔

عنیزہ نے فائل اور کاغذ سمیٹ کر سر اٹھایا۔ بڑی بڑی کشادہ آنکھیں باریک مونچھیں اور بھرے بھرے ہونٹ اس پر بے شکن سیاہ ڈنر سوٹ میں اس کی شخصیت خاصی ڈسٹرب کر دینے والی تھی۔

''یہ عینی ہے ہمایوں بھائی! میری دوست لاہور سے میرے ساتھ آئی ہے۔ اور یہ ہمایوں بھائی ہیں میرے کزن۔'' نائلہ نے تعارف کروایا۔

ہمایوں نے گہری نظروں سے اسے دیکھا اور ہولے سے مسکرایا۔

''آپ.....لوگ مجھے دیکھتے ہی بھاگنے کیوں لگی تھیں۔ کیا میں آپ کو کھا جاتا۔''

''نہیں ہمایوں بھائی دراصل ہم لوگ پڑھ رہے تھے چھٹیوں کے بعد امتحان ہے ناں۔''

''زیادہ پڑھنے سے صحت خراب ہو جاتی ہے۔''

اس کی نگاہیں اب ابھی عنیزہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں اور اس کی نگاہوں کی تپش سے عنیزہ کے رخسار تپ اٹھے اور اس کے رخساروں پر ڈوبتی ابھرتی اس شفق نے ہمایوں کے دل میں ہلچل سی مچا دی اور وہ بے اختیار ایک قدم آگے بڑھ گیا۔

''آپ اب تک کہاں چھپی ہوئی تھیں خاتون؟''

عنیزہ سرخ پڑ گئی۔ اس کی بے حد لانبی اور گھنی پلکیں لرزنے لگیں اور اس نے مضطرب ہو کر کرسی کی پشت تھام لی۔ خرم ہولے سے کھنکارے تو ہمایوں نے قدرے شرمندگی سے ان کی طرف دیکھا۔

''وہ دراصل میں اس لیے حاضر ہوا تھا۔''

''بیٹھو یار آرام سے بات کرتے ہیں۔'' ہمایوں نے کنکھیوں سے عنیزہ کی طرف دیکھا۔

''نیلی پلیز! تم چائے بنا دو۔'' خرم نے نیلی سے کہا اور ہمایوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''تو پھر کیا خیال ہے ہمایوں میاں اس بار نجیب کو متعارف نہ کروایا جائے۔''

''ہاں میں بھی یہی کہنے آیا تھا۔ اس لڑکے میں بڑا ٹیلنٹ ہے۔''

''دراصل ہماری ایک ایسوسی ایشن ہے۔'' ہمایوں..... دوبارہ عنیزہ کی طرف متوجہ

ہو گیا۔

''اس ایسوسی ایشن کے تمام ممبران جینئس ہیں کوئی شاعر ہے کوئی ادیب ہے۔ کوئی مصور ہے۔ کوئی گلوکار ہے مگر یہ وہ لوگ ہیں جو زمانے میں اپنا آپ منوا نہیں سکے۔ ہم انہیں متعارف کراتے ہیں۔ ان کے لیے پروگرامز ترتیب دیتے ہیں۔''

''اس کی آواز بے حد خوبصورت تھی قدرے بھاری اور گھمبیر اور بولنے کا انداز بہت دلکش تھا۔ عنیزہ کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''کیا ذکی بھی آپ کی ایسوسی ایشن کا ممبر تھا۔'' نائلہ نے یوں ہی پوچھ لیا۔

''اگر وہ ہماری ایسوسی ایشن کا ممبر ہوتا تو یوں کسمپرسی سے نہ مرتا۔ ہر ہفتے ہماری میٹنگز ہوتی ہیں اور سب ممبرز اپنا اپنا کتھارسس کرتے ہیں۔ ہر آدمی اظہار چاہتا ہے۔''

''عینی بیٹھو ناں چائے لے لو۔''

نائلہ نے چائے بنا کر اس کی طرف بڑھا دی۔

چائے کا کپ ہاتھ میں لیتے ہوئے عنیزہ نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

''میں بھی اپنا کتھارسس چاہتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے جیسے میرے اندر سے کچھ باہر آنے کو بے تاب ہو رہا ہو۔ مگر میں باہر آنے کے لئے کوئی راستہ نہیں پاتی ہوں۔ جیسے سب دروازے بند ہوں۔ میری خود سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا چاہتی ہوں۔''

''یہ اتنی کم عمری لڑکی اس قدر الجھی الجھی کیوں ہے۔'' خرم نے حیرت سے پوچھا۔

''ایسا ہوتا ہے مس عنیزہ! کبھی نہ کبھی آدمی پر ایسا وقت ضرور آتا ہے جب اسے خود سمجھ نہیں آتی کہ وہ کیا چاہتا ہے دراصل وہ لوگ جو...... فنکار ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ یہ ایک ایسا مسئلہ ہوتا ہے جس میں ابھی وہ اپنے لیے کسی راہ کا تعین کر رہا ہوتا ہے۔ جس میں وہ اپنا کتھارسس بہتر طور پر کر سکے اور ہم یعنی ہماری ایسوسی ایشن کا کام ہی یہی ہے۔ کہ ہم راہ کے تعین کے لیے اس کی رہنمائی کریں۔''

''کیا میں اس کی ممبر نہیں بن سکتیں۔'' عنیزہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیوں نہیں ہمارے ہاں خواتین ممبرز بھی ہیں۔''

وہ مسکرایا اور اس نے اس کے بے حد سفید لانبی انگلیوں والے خوبصورت ہاتھوں کی طرف دیکھا۔

''اور آپ کے ہاتھوں کی بناوٹ اور آپ کی یہ لمبی اور پتلی انگلیاں بتا رہی ہیں کہ آپ فنون لطیفہ میں کمال حاصل کر سکتی ہیں۔''

''جھوٹ۔'' نائلہ ہنسی۔

''یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ ہماری فائن آرٹس کی لیکچرر مس یاسمین لودھی کے ہاتھ بہت بھدے اور انگلیاں بہت چھوٹی چھوٹی ہیں مگر پھر بھی وہ بہت خوبصورت تصویریں بناتی ہیں۔''

''ہاں میں مصور بن سکتی تھی۔ میں پیدائشی مصور تھی۔ لیکن بابا نے کہا یہ گناہ ہے۔''

''گناہ اور ثواب سب انسان کے اپنے بنائے ہوئے مفروضے ہیں۔''

''کچھ بھی ہو مگر میں پھر تصویر نہیں بنا سکی۔ حالانکہ بابا نے مجھے منع نہیں کیا تھا۔ صرف بتایا تھا کہ یہ گناہ ہے اور جب عمادالدین مصر جا رہا تھا تو اس نے مجھ سے کہا تھا۔

''عینی! پنسل سے میرا ایک اچھا سا اسکیچ بنا دو۔ میں اسے اپنے پاس رکھوں گا۔''

لیکن جب میں نے پنسل اٹھائی تو مجھے یوں لگا جیسے کسی انجانی طاقت نے میرے ہاتھ تھام لیے ہوں۔''

وہ اپنے مخصوص انداز میں ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی جیسے کوئی دھیرے دھیرے زخموں کے ٹانکے کھول رہا ہو۔

ہمایوں بڑے اشتیاق سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ جب کہ خرم نے آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے سر ٹیک دیا۔

''آپ لکھا کریں کچھ بھی جو آپ کے دل میں آئے ہر اوٹ پٹانگ بات۔'' ہمایوں نے اسے مشورہ دیا۔

''میں لکھنا چاہتی ہوں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے میرے اندر لفظوں کا طوفان امڈ رہا ہو۔ ڈھیروں ڈھیر لفظوں کا ہجوم ہو مگر میں جب بھی قلم اٹھاتی ہوں سارے لفظ غائب ہو جاتے ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ان سارے لفظوں کو جو میرے اندر مچل رہے ہیں۔ باہر کیسے لاؤں۔ میں جب بھی کچھ کرنے لگتی ہوں میرے اندر رکاوٹیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ لاتعداد اور بے شمار۔''

''میں آپ کی تکلیف کو سمجھ رہا ہوں۔'' ہمایوں نے سر ہلایا۔

"اوہ میرے خدا۔" خرم ایک دم سیدھا ہو گیا۔

"ساڑھے چار بجنے والے ہیں اور آج نفیس کے ہاں میٹنگ تھی۔ وہ لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ نفیس نے چار بجے آنے کو کہا تھا۔"

"ارے واقعی۔" ہمایوں ایک دم کھڑا ہو گیا۔

"آپ کی باتوں میں کچھ ایسی دلکشی تھی کہ وقت کا خیال ہی نہ رہا۔" اس نے عنیزہ کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکا سا خم کیا وہ یک دم گلابی پڑ گئی۔

خرم نے گہری نظروں سے اسے دیکھا اور دل ہی دل میں اعتراف کیا کہ یہ لڑکی بے حد حسین ہے اتنی کہ دل بے قابو ہونے لگتا ہے۔

"خدا حافظ۔" ہمایوں نے جاتے جاتے کہا۔

"چلے گئے۔" عنیزہ کو سوچ میں ڈوبے دیکھ کر نائلہ بولی۔ اور اب آپ بھی اندر چلیں کہ اگر مزید یہاں رہے تو میر قلفی جم جائے گی۔"

"ہاں چلو کافی ٹھنڈ ہو رہی ہے۔" اس نے کتابیں اٹھاتے ہوئے کہا۔

"یہ ہمایوں صاحب۔" کمرے میں آ کر اس نے پوچھا۔

"اللہ کے بندے ہیں" نائلہ شرارت سے مسکرائی۔

"ویسے آپس کی بات ہے۔ محبت کرنے کے لئے یہ شخص کچھ برا نہیں۔"

"احمق ہو تم۔" عنیزہ نے اسے دھموکا دیا۔

"تم کچھ یوں کھوئی کھوئی سی انہیں دیکھ رہی تھیں کہ مجھے خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں کوئی نیا عشق تو تمہارے اندر سرایت نہیں کر گیا۔"

نمبرہ نے جو قریب ہی بیٹھی نٹنگ کر رہی تھی، آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"یعنی اس سے پہلے بھی۔"

"کوئی ایک نومی دیر...... بے شمار......" نائلہ شرارت کے موڈ میں تھی۔

"سچی عینی آپی!"

"ہوں۔" عنیزہ بھی موڈ میں آ گئی۔

"اب تک میں نے صرف ایک سو اٹھارہ عشق کیے ہیں۔"

"عینی آپی! میں بے ہوش ہو جاؤں گی۔"

"نمبرہ نے ایکٹنگ کی۔

"ان میں سے ایک سو سترہ عشق خیالی تھا اور ایک سو اٹھارواں عشق ایک غنچو سے کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر نیلی کی بی نے درمیان میں ٹانگ اڑا کر کباڑا کر دیا۔"

عنیزہ نے ہونٹ لٹکا لیے۔

"اوہ ویری بیڈ۔" نمبرہ نے ایک گہری سانس لے کر دعا دی۔

"خدا آپ کو ایک مکمل اور کامیاب عشق کرنے کی توفیق دے۔"

"آمین۔ آمین۔"

نائلہ نے سر ہلایا اور تینوں ہنسنے لگیں، ویسے مذاق برطرف نیلی! یہ جو تمہارے ہمایوں صاحب ہیں نا۔ ان کی شخصیت میں بڑا سحر ہے۔"

"تو پھر بچ کے رہنا کہیں اس سحر میں پھنس ہی نہ جاؤ۔"

"بے فکر رہو۔"

وہ ہولے سے ہنسی اور اس نے سوچا۔

"تمہیں کیا خبر نائلہ احمد کہ میں اس پوزیشن میں ہی نہیں ہوں۔ میں محبت کے کرب سے آشنا ہونا چاہتی ہوں مگر میں محبت کو افورڈ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ میرے اندر اردگرد روایتوں کے ان دیکھے جال تنے ہوئے ہیں۔ میں بابا اور بی جان کو ناراض کر کے دکھی کر کے اپنے لیے خوشیاں نہیں خرید سکتی۔ اس لیے یہ شخص ہمایوں نصیر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا باوجود اس کے کہ وقتی طور پر میں اس کی شخصیت کے سحر میں جکڑی سی گئی تھی۔

"اچھا یار! عینی! تم نومی سے باتیں کرو میں ذرا کچن میں جا رہی ہوں۔ ممی کا ہاتھ بٹانے۔"

عنیزہ نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" اور نمبرہ سے باتیں کرنے لگی۔

☆☆☆

"محبت کیا ہے۔"

برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھے بیٹھے عنیزہ سید نے اپنے آپ سے پوچھا اور سوچا۔

شاید کچھ میٹھی میٹھی سی خلش اور بے چینی عجیب سا اضطراب جن کی وجہ سمجھ میں نہ

آئے۔

"تو کیا یہی محبت ہے۔"

اس نے اپنے اندر میٹھی سی خلش اور بے چینی محسوس کی اور چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ ارد گرد کوئی نہیں تھا۔ ممی، شامی اور نومی شاپنگ کے لیے گئے ہوئے تھے۔ خرم حسب معمول صبح سے ہی غائب تھے اور نائلہ اپنے کمرے میں اونچی آواز سے پڑھ رہی تھی۔

میں تو خود محبت کے کرب سے آشنا ہونا چاہتی تھی پھر یہ اضطراب، یہ گھبراہٹ اور بے چینی کیوں۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی کٹوریوں میں ٹھوڑی ٹیکتے ہوئے سوچا۔

شاید اس لیے کہ یہ سب کچھ بالکل غیر ارادی طور پر ہوا ہے۔ میں نے تو سوچا تھا کہ اگر کبھی محبت میرے قریب آئی بھی تو میں آنکھیں بند کر کے چپکے سے اس کے پاس سے گزر جاؤں گی۔ مگر نہیں شاید لاشعوری طور پر مجھے اسی شخص کا انتظار تھا۔ میں نے اسی کا خیالی پیکر تلاش کر رکھا تھا۔ جبھی تو یہ شخص ہمایوں نصیر اتنی جلدی، اتنا اچانک میرے اس قدر قریب آ گیا ہے کہ میں جو جاننا چاہتی ہوں کہ کھو دینے کا کرب کیا ہوتا ہے۔ ابھی سے اسے کھو دینے کے کرب خوف میں مبتلا ہو گئی ہوں۔ حالانکہ ابھی تو میں نے اسے پایا ہی نہیں ہے۔

کیا محبت اس طرح اتنی جلدی اچانک ہی ہو جاتی ہے۔ ابھی اسے یہاں آئے دن ہی کتنے ہوئے تھے۔ صرف دس دن اور ان دس دنوں میں اس نے کتنا لمبا سفر طے کر لیا تھا۔ کتنا آگے بڑھ آئی تھی۔ یہ سچ ہے کہ اس میں کچھ ہمایوں کی بے باکی کا بھی دخل تھا مگر وہ خود بھی تو اس کی شخصیت کے سحر میں گرفتار سی ہو گئی تھی بالکل ایسے ہی جیسے معصوم پرندے شکاری کے بچھائے ہوئے جال میں دانا کھانے کے شوق میں پھنس جاتے ہیں اس نے بھی اسے اپنی خوبصورت اور دلفریب باتوں کے جال میں پھنسا لیا تھا۔ ہاں شاید ایسا ہوا تھا۔ وہ بڑی اونچی ناقابل فہم اور مشکل باتیں کر رہا تھا اور وہ انیس سال دو ماہ اور دس دن کی لڑکی اس اونچے لمبے پینتیس سالہ مرد کے سامنے مرعوب سی ہو جاتی تھی۔ اسے اس کی باتیں اچھی لگتی تھیں۔ دل میں اترتی ہوئی سی محسوس ہوتی تھیں۔ جیسے اس کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اندر ہی کہیں نقش ہو جاتا ہو۔ وہ بڑے باوقار انداز میں سوچ سوچ کر بات کرتا تھا اور اس کا دل چاہتا تھا وہ اپنی چھپی ہوئی دنیا اس کے سامنے کھول کر رکھ دے۔

اس روز وہ کچن میں نائلہ کے ساتھ مصروف تھی۔ ڈرائنگ روم سے قہقہوں اور

باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ غالباً خرم بھائی کے کچھ دوست آئے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر پہلے ہی وہ جانے کے لیے کہہ گئے تھے۔

"یہ ہمایوں صاحب کیا تمہارے فرسٹ کزن ہیں۔" عنیزہ نے ٹرالی صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ممی کے خالہ زاد بھائی کے بیٹے ہیں۔"

"کیا شادی ہو چکی ہے ان کی۔"

"نہیں اکلوتے بیٹے ہیں۔ آنٹی بے چاری ان کی شادی کی حسرت میں جی رہی ہیں۔ مگر صاحبزادے کو کوئی لڑکی ہی پسند نہیں آتی۔ بائی دا وے تم کیوں اتنی انٹرسٹڈ ہو رہی ہو۔ کہیں سنجیدہ تو نہیں۔" نائلہ نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"ارے نہیں۔" وہ جھینپ گئی۔ "میں تو یونہی پوچھ رہی تھی۔"

"ہونا بھی نہیں عینی ڈیر! میں نے تمہارے لیے بڑے خواب دیکھ رکھے ہیں۔"

عنیزہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

تب ہی ہمایوں کچن کے دروازے پر آ کر کھنکارا۔ وہ چونک پڑی۔

"ہیلو کیسی ہیں آپ؟" وہ مسکرا دی۔

"ارے ہمایوں بھائی آپ۔"

نائلہ کو اسے وہاں دیکھ کر حیرت ہوئی۔

"ہاں بی بی! میں نے سوچا ذرا آنٹی کو سلام کر آؤں۔"

"مگر ممی اور پپا تو ہاسپٹل گئے ہیں انکل عزیز کو دیکھنے۔"

"اوہ ہاں۔ اب انکل عزیز کیسے ہیں۔"

"پتا نہیں۔" عنیزہ نے سامان ٹرالی میں رکھتے رکھتے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ مسکرایا۔ بڑی دلنشیں مسکراہٹ تھی۔

"آپ مس عینی! اس دن کہہ رہی تھیں کہ ہماری ایسوسی ایشن کی ممبر بننا چاہتی ہیں۔"

"جی۔"

اس نے ڈبے سے مٹھائی نکال کر پلیٹ میں رکھی۔ "لیکن میں یہاں نہیں رہتی پھر

کیسے۔"

"آپ جہاں کہیں بھی ہوں گی۔ آپ کے جذبے اور خواہشیں ہمارے لیے ہوں گی۔"

اس نے معنی خیز انداز میں اسے دیکھا۔ عنیزہ کا ہاتھ کانپ گیا اور ہاتھ میں پکڑی ہوئی پلیٹ گرتے گرتے بچی۔

"میرا مطلب ہے آپ وہاں رہ کر بھی ہمارے لیے کام کر سکتی ہیں۔"

اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"جی۔" پتا نہیں کیوں وہ گھبرا رہی تھی۔

"عینی! یہ رفیق خدا جانے کہاں چلا گیا ہے تم ذرا چائے لے جاؤ میں اوون سے روسٹ نکال کر آ رہی ہوں۔"

نائلہ نے چائے دم کر کے ٹرالی میں رکھتے ہوئے کہا۔

"میں۔" عنیزہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں ہاں کیا حرج ہے۔ ہمارے کچھ ممبرز بھی موجود ہیں ان سے مل لیجئے گا۔ سب بڑے مخلص اور پیارے لوگ ہیں۔" خرم نے اسے ہمایوں کے ساتھ آتے دیکھا اور پھر وہ کسی سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ ہمایوں نے ہی اسے سب سے متعارف کروایا وہ رباب فاطمہ اور تسکین احمد کے پاس بیٹھ گئی۔ چائے پیتے ہوئے سب باتیں کرتے رہے۔ ادب کی، شاعری کی، غیر ملکی ادب لوگوں کے رویے اور طریقے کی وہ چپ بیٹھی ان کی باتیں سنتی رہی کہ اسے ان ساری باتوں کا علم نہیں تھا۔ رباب فاطمہ نے اپنی تازہ غزل سنائی۔ نفیس اور نجیب نے گیت گائے۔ نائلہ تھوڑی دیر کے لئے آئی اور پھر چلی گئی۔ اسے اپنے روسٹ کی بہت فکر تھی۔ ارباب اور تسکین بھی چلی گئیں۔ تو ہمایوں اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھا۔

"آپ اتنی خاموش کیوں ہیں۔ کچھ باتیں کریں ناں۔"

"میں آپ سب کی باتیں سن رہی تھی۔ بہت سی باتیں میرے لئے نئی تھیں۔"

اس نے سر اٹھا کر ہمایوں کی طرف دیکھا جس کی خوبصورت کچھ کہتی ہوئی بولتی ہوئی آنکھیں اس کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

"پھر کیسی لگی یہ محفل"

"اچھی۔" اس نے اعتراف کیا۔

"یہاں یا جہاں کہیں بھی ہم سب مل کر بیٹھتے ہیں تو اپنا اپنا کتھارسس کرتے ہیں۔ ہر آدمی اظہار کے لئے بے تاب ہے مگر اس کے پاس اظہار کے لیے وسیلے نہیں ہیں۔ کچھ لوگ اس صورت حال سے سمجھوتا کر لیتے ہیں۔ مگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے اندر دہکتا الاؤ لیے پھرتے ہیں۔ اور یہ سب ایسے ہی ہیں۔ ان کے اندر ایک دہکتا ہوا الاؤ ہے۔ یہ نفیس مرزا، خرم شہزاد یہ سب جب اکٹھے ہوتے ہیں تو اپنی اپنی آگ باہر اگل دیتے ہیں اور وقتی طور پر اس الاؤ کی حدت کم ہو جاتی ہے اور ایک دن ایسا آئے گا مس عینی! کہ انہیں اظہار کا ایسا اسلوب مل جائے گا جس میں ان کے الاؤ کی ساری حدت سما جائے۔"

وہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹیکے حیرت سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"اور شاید میں بھی۔" اس نے سوچا۔

"لفظوں سے محروم ہو کر سینے میں دہکتا الاؤ لیے پھر رہی ہوں۔ بچپن سے لے کر اب تک مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس کے سامنے میں اپنے دل کے راز کھول کر رکھ دوں جو میری چھوٹی چھوٹی مسرتوں اور خوشیوں پر میرے ساتھ مل کر قہقہے لگائے۔ جسے میری باتیں بے معنی نہ لگیں جو میرے معمولی سے دکھ کو بھی میری طرح شدت سے محسوس کر لے۔"

"تو مس عنیزہ!"

ہمایوں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ نجیب ایک دن مصوری کی دنیا میں انقلاب برپا کرے گا۔"

خرم نے نفیس کے ساتھ باتیں کرتے کرتے دو تین بار سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تو وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"پتا نہیں خرم بھائی کیا سوچتے ہوں گے۔" ہمایوں نے اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

"ارے آپ چل دیں۔"

"ہاں وہ۔"

"وقت ضائع ہو رہا ہے انہوں نے پڑھنا ہو گا۔"

خرم نے آہستگی سے کہا۔ اور وہ باہر نکل آئی۔ نائلہ ابھی تک کچن میں ہی تھی۔ چنانچہ وہ نمبرہ کے پاس چلی آئی اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔

ان دنوں ہمایوں تقریباً روز ہی آنے لگا تھا اور اکثر بہت دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہتا اور بہت انہماک، بہت توجہ سے اس کی باتیں سنتی۔ اس کی باتوں میں بڑا سحر تھا۔ اسے لگتا جیسے وہ اس کے سامنے کھل رہی ہے اس کا جی چاہتا۔ اپنے دل میں چھپی ایک ایک بات نکال کر اس کے سامنے رکھ دے۔ نمبرہ چھیڑتی۔

''نیلی! یہ ہمایوں بھائی ان دنوں بہت آنے لگے ہیں۔ خیریت تو ہے نا؟''

خیریت ہی تو نہیں ہے نومی ڈیر!'' نائلہ شرارت سے اسے دیکھتی۔

''کہیں وہ عینی آپی کے لیے تو نہیں آتے۔'' نمبرہ شرارت سے آنکھیں مٹکاتی۔

''کیوں عینی ڈیر! کیا بات ہے۔''

''کچھ بھی نہیں۔''

''نہیں، دال میں کچھ کالا ہے۔''

''نہ کالا ہے نہ پیلا کچھ بھی نہیں۔'' وہ بڑے یقین سے بولی۔ ''ساری بات یہ ہے کہ وہ بہت ذہین آدمی ہیں اور مجھے ان کی باتیں اچھی لگتی ہیں۔''

''اور وہ خود بھی یقیناً اچھے ہیں لیکن مجھے کیا۔''

''تمہیں کچھ ہو یا نہ ہو لیکن یہ حقیقت ہے۔ ہمایوں بھائی صرف تمہاری خاطر یہاں آتے ہیں۔''

''تو کیا ہوا۔'' نمبرہ کہتی۔'' عینی آپی! ہیں ہی اتنی...... خوبصورت کہ اگر ہمایوں بھائی کی جگہ میں ہوتی تو یہاں ہی دھرنا مار کر بیٹھ جاتی۔''

اور عنیزہ سوچا کرتی وہ بلاشبہ ایسا ہے کہ اس کی تمنا کی جاسکتی ہے اور اس سے محبت کی جاسکتی ہے مگر بابا جان اور سعد اللہ، پتا نہیں کیوں بچپن سے ہی وہ ان سے ڈری ڈری رہتی تھی۔ حالانکہ بابا تو اسے بہت چاہتے ہیں۔ پھر بھی وہ خوف زدہ سی رہتی تھی۔ کوئی کام کرنے سے پہلے ہی ہزاروں وسوسے اور خوف اسے گھیر لیتے اور وہ چاہت کے باوجود وہ کام نہ کرسکتی تھی۔ اب بھی وہ ہمایوں کی طرف بڑھنا چاہتی تھی کوئی انجانی کشش اسے اپنی طرف کھینچتی تھی مگر ڈھیروں وسوسے اسے روک دیتے۔ اور وہ خود کو یقین دلایا کرتی کہ وہ ہمایوں سے اس حد تک متاثر نہیں ہوئی کہ اسے محبت کہا جاسکے مگر جب ہمایوں دو دن لگاتار نہیں آیا تو اسے یوں لگا جیسے کچھ کھو سا گیا ہو۔ وہ یک دم تنہا اور اکیلی ہوگئی۔

''ارے یہ کتنی عجیب بات ہے۔'' اس نے حیران ہو کر سوچا۔

''کہ وہ ایک شخص جس سے محض چند دنوں کی ملاقات ہے اس کی کمی دل اتنی شدت سے محسوس کر رہا ہے۔''

اور جب وہ دو دن بعد آیا تو وہ اسے دیکھ کر کھل اٹھی۔

''آپ اتنے دنوں سے کہاں تھے۔''

''آپ نے میری کمی محسوس کی۔''

ہمایوں کی نگاہیں دمکنے لگی تھیں اور وہ مشتاق نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''دراصل میں بہت مصروف تھا۔ ہم نجیب کے لیے پروگرام کر رہے ہیں۔ ہال کی بکنگ، پروگراموں کی ترتیب دعوتی کارڈ چھپوانا اتنے بے شمار کام تھے۔ اب بھی بڑی مشکل سے وقت نکال کر چند لمحوں کے لیے یہ کارڈ دینے آیا ہوں۔''

چونکہ اس نے بے حد اصرار سے بلایا تھا۔ اس لیے وہ لوگ خرم کے ساتھ ہی چلے گئے تھے اگرچہ پروگرام آٹھ بجے شروع ہونا تھا۔ سرخ اور سیاہ پھولوں والے کاٹن کے سوٹ میں وہ بہت دلکش بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ہال میں اکا دکا لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ اور نمبرہ پیچھے منہ کیے زور وشور سے باتیں کر رہی تھیں کہ اسٹیج پر لائٹوں کا انتظام چیک کرتے ہوئے ہمایوں کی نظر اس پر پڑی تو وہ بے اختیار سب کچھ چھوڑ کر نیچے اتر آیا اور اس کے قریب آ کر سرگوشی کی۔

''اتنا حسن اور اتنی سادگی و بے نیازی۔''

وہ گلابی پڑ گئی اور اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ ہمایوں نے بے اختیار جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''تم بہت پیاری لڑکی ہو عینی اتنی کہ تمہیں دیکھ کر دل بے اختیار تمہارے قرب کی خواہش کرنے لگتا ہے۔''

وہ اور سرخ ہوگئی اس کے رخسار جلنے لگے۔

''ہمایوں صاحب۔''

اسٹیج پر سے کسی نے پکارا تو وہ پلٹ پلٹ کر اسے دیکھتا ہوا چلا گیا اور وہ دھڑکتے دل کو سنبھالے بیٹھی رہ گئی پھر سارا وقت اس کی نظریں اسے ہی کھوجتی رہیں۔ پروگرام بہت اچھا

تھا نجیب نے کئی قسم کے ساز بجائے اور کئی گیت سنائے۔ بڑی پرسوز اور دل میں اتر جانے والی آواز تھی۔ لوگوں نے فرمائش کر کر کے گیت اور غزلیں سنیں۔ لیکن عنیزہ کا سارا دھیان ہمایوں کی طرف تھا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ کیا کر رہا تھا۔ وہ صرف اسے ہی دیکھتی اور سنتی رہی۔

☆☆☆

سورج تیزی سے مغرب کی طرف سفر کر رہا تھا۔ اس نے ایک نظر مڑ کر نائلہ کے کمرے کی طرف دیکھا جو ابھی تک دروازہ بند کیے اونچی آواز میں پڑھ رہی تھی۔ پھر اپنی کتابوں کی طرف دیکھا۔ جو اسی طرح بند پڑی تھیں۔

''تو تم نے ہمایوں نصیر اس بار میرا کباڑا ہی کر دیا۔ میں جو ہر امتحان میں فرسٹ آیا کرتی ہوں۔ اس بار شاید فیل ہی ہو جاؤں۔

اور یہ بات طے ہے کہ تم نے بالآخر مجھے میرے دل کو فتح کر لیا ہے۔ اور مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے تم میری ذات کے بند دروازوں کو ایک ایک کر کے کھولتے جا رہے ہو۔ اور جیسے میرے اندر کا اُمس ختم ہو گیا ہے۔ اور میں کھلی فضا میں پوری آزادی کے ساتھ سانس لے رہی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تم یونہی میری ذات کے بند دروازے کھولتے رہو اور میں اپنے اندر کی ساری گھٹن، سارے اُمس سے نجات پا لوں۔ میں بولتی رہوں۔ تم سنتے رہو...... میں تمہارے سامنے اپنی زندگی کا ایک ایک ورق کھول کر رکھ دوں اور وہ ساری باتیں جو میں کرنا چاہتی تھی۔ بابا جان سے، بی جان سے، عمادالدین اور سعد اللہ سے مگر نہیں کر سکی تھی۔ اور وہ میرے اندر ہی کہیں چکراتی رہ گئی تھیں۔ اب ان ساری باتوں کو جھاڑ پونچھ کر باہر نکالوں اور تم بہت اشتیاق سے بہت دلچسپی سے انہیں سنو۔

''اور اگر یہ محبت ہے تو مجھے اعتراف ہے کہ میں محبت کے ذائقے سے آشنا ہو رہی ہوں۔ اور تمہاری محبت کی خوشبو میرے آس پاس میرے اردگرد میرے چار سو پھیل رہی ہے۔''

اس نے ہتھیلیوں کے کٹورے سے اپنے چہرے کو آزاد کیا اور گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹیکتے ہوئے آنکھیں موند لیں اور اپنے آس پاس اپنے اردگرد اپنے چاروں اور اس کی خوشبو کو محسوس کرنے لگی۔

اور گیٹ کو ہولے سے کھول کر اندر آتا۔ ہمایوں وہیں ٹھٹک کر رک گیا۔ آنکھیں موندے گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹیکے وہ اسے کسی پجارن کی طرح لگی جو کسی دیوی کے چرنوں میں

آنکھیں موندے بیٹھی اپنے محبوب کی واپسی کی دعا مانگ رہی ہو۔ اس کے چہرے پر بیک وقت امید کی سرخی بھی تھی۔ اور مایوسی کی پیلاہٹ بھی ڈوبتے سورج کی کرنیں اس کے صبیح رخساروں کو چھو رہی تھیں۔

''کاش!''

''کاش! میں فوٹوگرافر ہوتا تو اس حسن مجسم کو اپنے کیمرے میں محفوظ کر لیتا۔ یا پھر مصور ہوتا تو رنگوں سے اسے حیات بخش دیتا۔''

ہمایوں دبے پاؤں چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور اس کے کان میں جھک کر کہا تو اس نے آنکھیں کھول دیں اور ہنس دی۔

''مگر آپ شاعر ضرور ہیں۔''

ہمایوں لمحہ بھر کے لیے اس کی ہنسی کے ترنم میں کھو گیا۔

''حقیقت کا اظہار شاعری نہیں ہے عینی اور اس وقت میں حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ بخدا میں کتنی دیر سے کھڑا یہی سوچ رہا تھا۔''

اور اس کی سنہری رنگت میں گلابیاں گھل گئیں۔ یوں جیسے شفاف بلوریں جام کے اندر سے گلابی آئسکریم جھلکے۔

ہمایوں بے اختیار اس کی طرف جھکا۔

''یہ تم نے مجھے کیا کر دیا ہے پیاری لڑکی کہ اپنا آپ میرے اختیار میں نہیں رہا۔ ورنہ میں ہمایوں نصیر اپنا دل ہتھیلی پر لیے نہیں پھرتا تھا۔''

وہ سرخ پڑ گئی۔ اس کی گلابی رنگت اور دمکنے لگی۔ اور پلکیں بوجھل ہو کر رخساروں سے آ لگیں۔

''حسن نے مجھے ہمیشہ اٹریکٹ کیا ہے۔ خواہ وہ کسی رنگ کسی روپ میں ہو۔ یہ شنگرفی ہونٹ۔ یہ پلکوں کے گھنے جنگل یہ دلنشیں آنکھیں یہ سب کچھ نیا نہیں ہے۔ میرے لیے مگر پھر بھی تم میں کچھ ہے۔ کچھ مختلف بات جو دوسروں میں نہیں تھی۔ تم نے مجھے مجھ سے چھین لیا ہے۔ عنیزہ سید مجھے لگتا ہے جیسے میں اپنا سب کچھ تمہارے سامنے ہار گیا ہوں۔''

وہ اس کے قریب ہی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔

''تم نے...... تم نے ایسا کیوں کیا عینی۔''

''میں نے؟'' عنیزہ نے حیران آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''ہاں تم نے۔ ظالم لڑکی تم نے۔''

''مگر میں...... مجھے تو کچھ بھی خبر نہیں۔ بلکہ میں تو خود......''

''عینی عینی!'' نائلہ اسے پکارتی ہوئی باہر آ گئی۔

''یار! آٹھواں باب تم نے ختم کر لیا۔''

''نہیں تو۔''

عنیزہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ نائلہ ادھر ہی آ رہی تھی۔

''ارے ہمایوں بھائی! آپ کب آئے۔''

''بس ابھی آیا ہوں اور یہ تمہاری حلق پھاڑ پھاڑ کر پڑھنے کی عادت نہیں گئی۔'' وہ ہنسا۔

''ہاسٹل میں لڑکیاں کیسے برداشت کرتی ہوں گی تمہیں؟''

''یہ تو میرا ہی حوصلہ ہے جو اسے برداشت کر رہی ہوں۔ کوئی اور ہوتا تو سامان اٹھا کر باہر پھینک دیتا۔''

''ہمایوں بھائی! آپ چلیں۔ اندر چل کر بیٹھیں۔ یہاں تو اب خنکی ہو رہی ہے میں رفیق کو چائے کے لیے کہتی ہوں۔''

''لیجئے وہ خرم بھائی بھی آ گئے۔''

اس نے گیٹ کی طرف دیکھا جہاں خرم اپنا اسکوٹر کھڑا کر رہے تھے۔

اس روز رات گئے تک ہمایوں وہاں ہی رہا۔ نمبرہ اور احتشام کا خیال تھا کہ آج رات رتجگا منایا جائے کیونکہ صبح انہیں چلے جانا ہے۔ کھانے کے بعد چلغوزے کھاتے اور کافی پیتے ہوئے انہوں نے ڈھیروں باتیں کیں۔ گانے سنے، شعر سنائے۔ احتشام نے نقلیں اتاریں اور جب ہنستے ہنستے سب کے پیٹ میں بل پڑ گئے اور آنکھیں نیند سے بند ہونے لگیں تو سب اٹھے اور ہمایوں نے جاتے جاتے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''میرا انتظار کرنا عینی میں بہت جلد لاہور آؤں گا۔ اور وہ باتیں جو میں تم سے نہیں کہہ سکا اور تم مجھ سے نہیں کہہ سکیں۔ ہم وہ باتیں کریں گے اور سنیں گے۔''

''اور عنیزہ اسے منع بھی نہ کر سکی کہ وہ نہ آئے۔ خود اس کا دل اس کے ہاتھوں سے

نکل گیا تھا۔

ہمایوں کو خدا حافظ کہہ کر جب وہ کمرے میں آئی تو نائلہ نے بڑے غور سے اسے دیکھا۔

''یہ اتنے غور سے کیا دیکھ رہی ہو؟''

''میں دیکھ رہی ہوں تم کچھ بدل نہیں گئی ہو۔''

''کیا میرے چہرے پر مونچھیں نکل آئی ہیں۔''

''نہیں۔ مگر پھر بھی تم کچھ بدلی بدلی سی لگتی ہو۔'' نائلہ سنجیدہ تھی۔

''ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' وہ نائلہ کے بیڈ پر ہی بیٹھ گئی۔

''کچھ تبدیلیاں دکھائی نہیں دیتیں محسوس کی جا سکتی ہیں۔ میرے اندر کی دنیا میں ایک انقلاب آیا ہے نیلی۔'' اس نے اعتراف کیا۔

''میں محبت کے کرب سے آشنا ہو رہی ہوں۔ میں نے شاید وہ دولت پا لی ہے جو ہر ایک کا نصیب نہیں ہے۔''

''ہاں شاید۔ لیکن کیا تم نے یہ سفر بہت جلدی نہیں طے کر لیا۔ جب کہ تم تو کہا کرتی تھیں کہ میں اچھی طرح، سوچ کر جانچ کر اور پرکھ کر محبت کروں گی۔ کیا تم نے ان چند دنوں میں ہمایوں بھائی کو پرکھ لیا ہے۔''

''ہاں۔'' وہ مسکرائی۔

''میں یہی کہا کرتی تھی مگر مجھے معلوم نہیں تھا کہ جب محبت ہوتی ہے تو آدمی کو سوچنے سمجھنے اور پرکھنے کا وقت نہیں ملتا۔ یہ خود بخود اچانک دل کے اندر پھوٹ پڑتی ہے۔ کچھ بھی تو اپنے اختیار میں نہیں ہوتا نیلی! یہ محبت آدمی کو بے اختیار کر دیتی ہے۔ خامیاں، برائیاں، کمزوریاں سب کہیں پس منظر میں چلی جاتی ہیں۔ کچھ بھی تو دکھائی نہیں دیتا سوائے اس ایک شخص کے جس کی محبت اچانک ہی دل میں جاگ اٹھتی ہے۔ پتا ہے نیلی! ہمایوں نے بھی مجھے اپنی محبت کا اسیر کر لیا ہے۔''

اس نے کھلے دل سے پھر اعتراف کیا۔

''مجھے اس کی خامیوں، خوبیوں، کمزوریوں، اچھائیوں کسی کی پروا نہیں ہے۔ میرے لیے اتنا ہی بہت ہے کہ میں اسے چاہتی ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔''

"کیا تم نے جلد بازی نہیں کی عینی؟"

نائلہ افسردہ تھی۔

"میں نے تو تمہارے لیے کچھ اور سوچا تھا مگر......"

"پلیز نیلی!"

"اگر کچھ سوچا بھی تھا تو اس کا ذکر کر کے مجھے شرمندہ نہ کرنا کہ میں بہت آگے نکل آئی ہوں۔ مجھے خود خبر نہیں تھی۔ کہ میں نے صرف گیارہ دنوں میں اتنا فاصلہ طے کر لیا ہے کہ پیچھے لوٹنا مشکل ہو گیا ہے۔ حالانکہ جانتی ہوں کہ آگے منزلیں بہت کٹھن ہوں گی پھر بھی لوٹنا نہیں چاہتی۔ میں آگے کے یہ سارے سمندر عبور کروں گی۔ نیلی! جو میری راہ میں آئیں گے۔ میں سارے جبر، سارے ستم سہہ لوں گی۔ مگر......" نائلہ نے اسے ٹوک دیا۔

"پلیز عینی! ایسی باتیں مت کرو۔ مجھے تمہاری باتوں سے خوف آنے لگا ہے۔ کہ کہیں کچھ غلط نہ ہو جائے میں نے کہیں پڑھا ہے کہ تیز دوڑنے والوں کو گرنے کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔"

"کچھ غلط نہیں ہو گا نیلی! میں چک امیر علی شاہ کے گدی نشین پیروں کی اولاد ہوں۔ بابا اور بی جان کے دیے ہوئے اسباق بھولی نہیں ہوں۔ مجھے اپنے بابا کی عزت بہت پیاری ہے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا عینی!" نائلہ سچ مچ فکر مند دکھائی دے رہی تھی۔

"میں تو تمہارے جذبوں سے ڈر رہی تھی کہ ان کی شدت سے کہ کہیں کوئی جذباتی صدمہ تمہیں ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دے۔ تم ہمایوں بھائی کو اچھی طرح نہیں جانتی ہو۔ اگر تم سے انہوں نے کبھی اظہار محبت کیا بھی ہے تو اس کی صداقت کا کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ مرد کی محبت تو قطعی طور پر ناقابل اعتبار ہوتی ہے۔"

"نیلی پلیز!" عنیزہ نے التجا کی۔ "آغاز سفر میں ہی میرے دل کو وسوسے اور وہم نہ دو مجھے خوبصورت خوابوں اور اچھی امیدوں کے ساتھ آغاز کرنے دو۔ مجھے یقین ہے۔ میری محبت کبھی دھوکا نہیں دیگی۔ میرے یقین میں وہم کی دراڑیں مت ڈالو پلیز۔"

"آل رائٹ عینی! آئی وش یو گڈ لک۔"

"تھینک یو فرینڈ۔"

عنیزہ نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی اور سونے کے لیے اپنے بیڈ پر آ گئی۔

☆☆☆

زندگی میں یکا یک بڑی تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ عنیزہ کو یوں لگتا جیسے وہ ہوا کے دوش پر سوار ہو کر اڑی چلی جا رہی ہو۔ بے حد ہلکی ہو کر، ہر غم وفکر سے آزاد ہمایوں ہفتے میں ایک بار ضرور لاہور آتا اور وہ گھنٹوں بیٹھی باتیں کرتی رہتی۔ ایسی باتیں جو اس سے پہلے اس نے کبھی کسی سے نہیں کی تھیں۔

کبھی کبھی اس کی کسی بات پر ہمایوں کو بہت حیرت ہوتی۔

"تم آخر چیز کیا ہو عینی! کبھی تو تم سولہ سترہ برس کی معصوم سی بچی لگتی ہو۔ اور کبھی یوں لگتا ہے جیسے تم صدیوں پرانی کوئی روح ہو۔ اور مجھے تم سے خوف آنے لگتا ہے۔ جیسے تمہارے اندر کوئی آتش فشاں چھپا ہو اور کسی دن اچانک یہ آتش فشاں پھٹ جائے گا اور تمہیں پتا ہے عینی! جب لاوا پھٹتا ہے تو اپنی زد میں آنے والی ہر چیز کو تباہ کرتا چلا جاتا ہے۔"

اور وہ ہمایوں کی بات پر ہنس دیتی۔

تم شاید صحیح کہتے ہو مجھے خود لگتا ہے جیسے میرے اندر کوئی آتش فشاں چھپا ہو اور لاوا اندر ہی اندر ابل رہا ہو۔ مگر اب نہیں ہمایوں! اب نہیں۔ اب تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں بند کمروں سے کھلی فضاؤں میں آ گئی ہوں۔"

"تم اپنی عمر سے کہیں زیادہ بڑی لگتی ہو عینی!" تمہاری باتوں سے خوف زدہ ہو جانے کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ تم میری تمام عمر کا حاصل ہو اور شاید میں خدا سے تمہیں مانگ کر پھر کسی اور کی تمنا نہ کروں۔"

اور وہ سرشار ہو جاتی کھل اٹھتی۔ ہمایوں کی محبت نے اسے دلیر بنا دیا تھا۔ سارے وسوسے اس کے ذہن سے نکل گئے تھے اور وہ سوچتی تھی کہ وقت آنے پر وہ ہمایوں کی خاطر بڑے سے بڑے طوفان سے ٹکرا جائے گی۔

وقت جیسے پر لگا کر اڑ گیا تھا۔ کالج میں موسم گرما کی تعطیلات ہونے والی تھیں۔ نائلہ حسب وعدہ اس کے ساتھ گاؤں جا رہی تھی۔ شامی دو دن قبل ہی اس کا سامان لینے آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہمایوں بھی تھا۔ وہ بہت اداس لگ رہا تھا۔

"یہ اتنے ڈھیر سارے دن تمہارے بنا کیسے گزریں گے۔ عینی! میں اتنی طویل

جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔’’

‘‘تمہارے خیال میں کیا میرے لیے دور رہنا آسان ہو گا۔’’ عنیزہ نے اداسی سے کہا۔

‘‘تو پھر اس سارے دقیق مسئلے کا ایک ہی حل ہے۔’’

‘‘کیا؟’’ عنیزہ نے پوچھا۔

‘‘شادی۔’’

‘‘نہیں ہمایوں ابھی نہیں۔’’ عنیزہ نے بے اختیار کہا۔

اسے یوں لگا جیسے چک امیر علی شاہ میں بڑی حویلی کے در و دیوار لرز اٹھے ہوں۔ بابا جان جو کبھی اونچی آواز میں نہیں بولے۔ اونچی آواز میں بول رہے ہوں۔ بی جان غصے سے اسے دیکھ رہی ہوں اور سعد اللہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا ہو۔

‘‘ابھی تو میں پڑھ رہی ہوں۔’’

‘‘تم شوق سے پڑھتی رہو مگر میں چھٹیوں میں ممی کو تمہارے گھر بھیجوں گا تا کہ وہ تمہیں میرے لیے مانگ لیں۔ ہم ایک بندھن میں بندھ جائیں گے عینی! اور یوں میرے پاس تمہارے گھر آنے کے لیے ایک جواز ہو جائے گا۔ سچ کہتا ہوں اتنا عرصہ تمہیں دیکھے بغیر کیسے رہوں گا۔ پتا ہے ایک ایک دن گن گن کر گزارتا ہوں۔’’

‘‘میں بھی...... میں بھی ہمایوں! تمہارے جانے کے ایک لمحے بعد ہی لمحوں کو شمار کرنا شروع کر دیتی ہوں۔ تمارے جاتے ہی تمہارے پھر لوٹ آنے کا انتظار شروع کر دیتی ہوں پھر ایک ایک کر کے دن گزر جاتے ہیں۔ تم آ جاتے ہو۔ اس طرح مجھے تمہارا انتظار کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔ ہمایوں بہت انوکھا اور خوش کن۔ میں نئے ذائقوں، نئے تجربوں سے آشنا ہونا چاہتی ہوں۔ ہمایوں! میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ جب انتظار کے لمحے طویل ہو جائیں گے تو کیا ہو گا؟ یوں بھی ایک دوسرے سے بچھڑ کر جدا ہو کر ہماری محبت نکھر جائے گی اور پختہ ہو جائے گی۔ میں محبت کی منزل پر پہنچنا چاہتی ہوں۔ ہمایوں! جہاں صرف محبت ہی محبت رہ جاتی ہے۔ من تو شدی تو من شدی والی منزل۔’’

‘‘بعض اوقات تم نا قابل فہم باتیں کرنے لگتی ہو۔ تمہارا رویہ میری سمجھ میں نہیں آتا مجھے ڈر ہے کہ تم مجھے کھو دو گی۔’’

‘‘نہیں’’ عنیزہ نے تڑپ کر اسے دیکھا۔’’ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی ہمایوں! میں تو محبت کی اس منزل پر پہنچنا چاہتی ہوں جہاں سے پھر پلٹ نہ سکوں جہاں میرے آس پاس میرے ارد گرد میرے چاروں اور تم ہی تم ہو۔ میں ہر وقت، ہر آن، ہر لمحہ تمہیں محسوس کروں۔ اپنی عدم موجودگی میں بھی تم میرے پاس رہو۔’’

‘‘تم اتنی مشکل کیوں ہو عینی! میں تو صرف یہ چاہتا ہوں۔ ہم تم ایک بندھن میں بندھ جائیں مجھے یہ تسلی ہو جائے کہ تم میرے نام سے منسوب ہو اور دل کو ہر وقت یہ دھڑکا نہ لگا رہے کہ تمہیں کھو دوں گا۔’’

‘‘نہیں ہم کبھی ایک دوسرے کو نہیں کھوئیں گے۔’’ عنیزہ نے بڑے یقین سے کہا۔

‘‘تو پھر ممی کو بھیج دوں۔’’

عنیزہ نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور ہار سی گئی۔

‘‘مگر چھٹیوں کے بعد تب تک عماد الدین بھی آ جائے گا۔ اور وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔’’

‘‘مگر مسئلہ تو چھٹیوں کا ہی تھا۔’’

‘‘پلیز ہمایوں! میری خاطر۔’’

‘‘آل رائٹ عینی! تمہاری خاطر یہ بھی سہی مگر خدا کے لیے عینی! اب چھٹیوں کے بعد کسی امتحان میں نہ ڈال دینا۔ مصیبت تو یہ ہے کہ میں تمہاری کوئی بات رد بھی نہیں کر سکتا۔ ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ تمہیں دیکھتے ہی دل بے ایمان ہونے لگتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ بس ابھی قاضی کو پکڑ لاؤں اور نکاح پڑھوا لوں۔’’

اس کی نظروں کی شوخی سے گھبرا کر عنیزہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

‘‘اچھا خدا حافظ۔ نائلہ انتظار کر رہی ہو گی اور میں نے ابھی سامان بھی پیک کرنا ہے۔’’

‘‘خدا حافظ عینی! خط تو لکھ سکتا ہوں نا تمہیں۔’’ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ ہمایوں وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

‘‘بعض اوقات عمر بھر کی تپسیا رائیگاں چلی جاتی ہیں۔ ساری ریاضت، سارا کشت

بے کار جاتا ہے۔''

بی جان نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔ ان کے لہجے میں کچھ ایسی بات تھی کہ عینی کا دل ان کے لیے گداز ہو گیا اور وہ ان کے قریب ہی قالین پر بیٹھ گئی اور اپنے ہاتھ ان کے گھٹنوں پر رکھ دیے۔

''کیا بات ہے بی جان۔''

''کچھ نہیں۔'' انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''یوں ہی سوچ رہی تھی کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ آدمی کی ساری عمر کی ریاضت ضائع ہو جاتی ہے۔ مگر تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ تمہاری سہیلی اکیلی گھبرا رہی ہوگی۔''

''ہمارا چائے پینے کا موڈ بن رہا تھا۔ میں نذیراں کو چائے کا کہنے آئی تھی۔ آپ کو یہاں اکیلا بیٹھے دیکھا تو ادھر آ گئی۔''

''اچھا اب جاؤ شاباش۔''

''بی جان!'' عنیزہ نے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔

''آپ اتنی چپ چاپ اتنی خاموش کیوں رہتی ہیں۔ ہم سے باتیں کیا کریں۔ ہمارے پاس آ کر بیٹھا کریں۔ وہ نیلی کی ممی ہیں نا وہ ہمارے ساتھ آ کر کیرم اور کارڈز بھی کھیلا کرتی تھیں۔ مگر بی جان! آپ نے تو ہم سے کبھی فراغت سے بیٹھ کر باتیں تک نہ کیں۔ آپ کچھ پریشان ہیں مگر چھپا رہی ہیں۔ میں آپ کی بیٹی ہوں۔ آپ مجھ سے بھی کچھ نہیں کہیں گی۔ کیا بابا نے کچھ کہا ہے۔''

''ارے نہیں میری جان! تمہارے بابا نے تو کبھی مجھ سے کچھ نہیں کہا۔''

''پھر آپ ایسی اداس اداس باتیں کیوں کر رہی تھیں؟''

''کہا ناں کہ یونہی بس ایک خیال آ گیا تھا۔ اچھا وہ تمہاری دوست کب جا رہی ہے۔''

''وہ تو جانے کو کہہ رہی تھی۔ مگر میں نے اسے روک لیا کہ تین چار دن کی ہی تو بات ہے عماد الدین آ جائے تو میں اور عماد الدین اسے جا کر چھوڑ آئیں گے۔ ٹھیک ہے نا بی جان؟''

''تم نے اسے جانے دیا ہوتا خواہ مخواہ روک لیا۔ بہت دن رہ لی۔''

''بی جان!'' عنیزہ نے شکوہ کیا۔

''آپ کو اس کا آنا اچھا نہیں لگا۔''

''نہیں...... نہیں بیٹا میں نے تو یوں ہی کہہ دیا کہ رمضان آنے والا ہے۔ ورنہ وہ تو بہت پیاری بچی ہے۔ ہاں اس دن کیا بتایا تھا تم نے۔ اس کی منگنی اپنے عزیزوں میں ہو رہی ہے۔''

''ہاں بی جان! عبید زیادہ پڑھا لکھا تو نہیں ہے۔ ایف اے پاس ہے مگر اپنا بزنس کرتا ہے۔''

''کیا نیلی خوش ہے۔''

''کیوں نہیں دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کم پڑھا لکھا ہے۔ اصلی چیز تو اس کی پسند ہے ناں۔''

ہاں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' بی جان نے آہستگی سے کہا۔

''بی جان! میں نے آپ سے پوچھا کیا تھا۔ آپ اصل بات تو گول ہی کر گئی ہیں۔'' عنیزہ نے لاڈ سے کہا۔

''کیا پوچھا تھا۔''

انہوں نے قریب ہی صوفے پر پڑی تسبیح اٹھالی تو عنیزہ نے تسبیح ان کے ہاتھ سے لے لی۔

''میں نے پوچھا تھا آپ پریشان کیوں ہیں؟''

''اور میں نے بتا دیا تھا کہ کوئی بات نہیں ہے۔''

''کوئی بات ہے ضرور بی جان! مگر آپ چھپا رہی ہیں۔'' اس نے بڑے یقین سے کہا۔ ''آخر میں آپ کو بچپن سے دیکھ رہی ہوں لیکن آپ ایسی الجھی الجھی تو کبھی دکھائی نہیں دیں۔ پتا ہے میں بہت دیر سے وہاں پردے کے پاس کھڑی آپ کو دیکھ رہی تھی۔ آپ نے جائے نماز بچھائی اس پر کھڑی ہوئیں پھر صوفے پر آ کر بیٹھ گئیں۔ لحہ بھر بعد دوبارہ اٹھیں نیت باندھی اور پھر یونہی جائے نماز بچھی چھوڑ کر صوفے پر آ کر بیٹھ گئی...... آپ نے نماز بھی نہیں پڑھی۔ کچھ تو ہے جو آپ کو پریشان کر رہا ہے۔ اگر آپ نہیں بتانا چاہتی تو نہ سہی مگر آج اتنا بتا ہی دیجئے کہ آپ ہم سے مجھ سے عماد الدین سے اتنی دور کیوں ہیں۔ آپ نے کبھی ہمارے

دل کی بات نہیں سنی۔ کبھی اپنے دل کی بات ہم سے نہیں کہی۔ مائیں تو بیٹیوں سے ہزاروں باتیں کرتی ہیں۔ اپنے دکھ سکھ بیٹیوں سے کہتی ہیں۔ ان کے دکھ سکھ سنتی ہیں۔''

اس کی آواز بھرا گئی تو اس نے اپنا سر ان کے گھٹنوں پر رکھ کر آنکھیں زور سے بھینچ لیں تاکہ آنسو باہر نہ نکل سکیں۔

''نہیں بیٹا! میں تم سے دور کہاں ہوں۔''

انہوں نے تڑپ کر کہا اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

''مگر شاید تم ٹھیک ہی کہتی ہو۔ میں نے تمہیں بھلا رکھا تھا۔''

''کیا آپ بابا سے خوش نہیں ہیں۔ بی جان! وہ تو بہت اچھے ہیں۔''

''اس نے ذرا سا سر اٹھا کر ان کے زرد چہرے کو دیکھا۔ اور پھر اپنا سر ان کے گھٹنوں پر رکھ دیا۔ ان کی انگلیاں ہولے ہولے اس کے بالوں میں حرکت کر رہی تھیں اور اسے بہت سکون مل رہا تھا۔

''ہاں تمہارے بابا تو بہت اچھے ہیں۔ میں ہی بدنصیب تھی۔'' اور وہ جو محبت کے ذائقے سے نئی نئی آشنا ہوئی تھی۔ اور وہ جو محبت کے لہجوں اور رویوں کو پہچاننے لگی تھی۔ اس پر اچانک انکشاف ہوا کہ بی جان نے بھی شاید کبھی محبت کی ہے۔ یہ دکھ یہ خاموشی یہ چپ یقیناً محبت کی ہی سوغات ہے۔ لہجے میں یونہی سوز نہیں بھر جاتا۔ آنکھیں بلاوجہ اداس نہیں ہوتیں۔ چپ کی چادر یونہی آدمی نہیں اوڑھ لیتا۔

وہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اور ان کے بے حد سفید اور دلکش ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے اور مضبوط لہجے میں پوچھا۔

''بی جان! آپ شادی سے پہلے کسی اور سے محبت کرتی تھیں۔'' اس کے ہاتھ کے نیچے دبا ان کا ہاتھ بری طرح کانپ اٹھا۔

یہ...... یہ عینی کہہ رہی ہے۔ ان کی بیٹی جو ابھی پورے بیس سال کی بھی نہیں ہوئی مگر جو اتنی بڑی ہو گئی ہے کہ وہ اس سے اپنے دکھ کہہ سکتی ہیں اور اس کے کندھے پر سر رکھ کر رو سکتی ہیں۔ انہوں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر بے بسی سے نگاہیں جھکا لیں جیسے وہ جھٹلا نہ سکتی ہوں اور کمزور لہجے میں اعتراف کیا۔

''ہاں شاید وہ محبت ہی تھی لیکن وہ میرا منگیتر تھا بچپن میں ہی اسے میرے ساتھ

منسوب کر دیا گیا تھا مگر پھر شاہ جی اور تمہارے بابا ہمارے گھر آئے اور انہوں نے مجھے مانگ لیا۔ میرے بابا نے کہا کہ یہ تو شاہ جی نے میری بیٹی کو مانگا ہے اور اگر وہ حکم دیں تو وہ اپنی گردن اپنے ہاتھوں سے کاٹ کر ان کے قدموں میں رکھ دوں۔''

وہ ہولے ہولے ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھیں۔ ان کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

''ثمر خان نے چاچا کے آگے ہاتھ جوڑے منتیں کیں مگر چاچا نے بھی یہی کہا کہ یہ تو ان کی خوش قسمتی ہے۔ کہ شاہ جی نے ان کے خاندان کی بیٹی کا ہاتھ مانگ کر انہیں سرفراز کیا ہے۔''

''اور آپ بی جان۔''

''میں......'' انہوں نے عنیزہ کی طرف دیکھا۔ ''میں نے بابا کی خواہش کے آگے سر جھکا دیا اور جتنا رو سکتی تھی روئی اور سوچا کہ سارے آنسو اسی دہلیز پر چھوڑ جاؤں۔

مگر ایسا نہیں ہو سکا اس کی محبت میرے ساتھ ساتھ ہی آئی اور جب بھی میں نے اس خیال سے خوش ہونا چاہا کہ اب میں اس کی محبت سے آزاد ہو گئی ہوں۔ تب ہی جانے کہاں سے آنسو اکٹھے ہو کر میرے دل پر گرنے لگتے اور ان آنسوؤں کے آئینے میں اس کی تصویر اور بھی واضح ہو گئی۔ تب میں نے عبادتوں میں سکون ڈھونڈا مگر میری تو عبادتیں بھی جھوٹی ہیں۔ میں تو خدا تک بھی نہ پہنچ سکی۔ وہ روز اول کی طرح میرے دل میں رہا۔ ہمیشہ اس خیال سے میں نادم رہی کہ میں تمہارے بابا سے خیانت کر رہی ہوں۔''

''نہیں بی جان! آپ نے بابا سے خیانت نہیں کی اور نہ ہی خدا آپ سے ناراض ہے۔ محبت کرنا بھی تو ایک عبادت ہے۔ بی جان! ہر شخص کو یہ سعادت نہیں ملتی۔''

''میں تمہاری بھی مجرم ہوں بیٹا۔ مجھے معاف کر دینا۔''

''نہیں بی جان! آپ نے کوئی جرم نہیں کیا آپ کسی کی مجرم نہیں ہیں۔''

اس نے بے اختیار ان کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو دونوں ہاتھوں میں لے کر چوم لیا۔

آپ خوش رہا کریں بی جان! اور کچھ نہ سوچا کریں۔''

اس نے جھک کر ان کے رخساروں تک بہہ آنے والے آنسوؤں کو انگلی کی پوروں سے پونچھا اور بھاگتی ہوئی باہر نکل آئی کہ آنسو...... نکلنے کو...... بے تاب ہو رہے تھے۔ اور باہر

آ کر اس نے ان بے اختیار اُمڈ آنے والے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا۔

''تو بی جان! اس لیے اتنی چپ چاپ اتنی لاتعلق اور بے گانہ رہتی تھیں اور میں سمجھتی تھی کہ بی جان کو ہم سے محبت نہیں ہے۔ کئی بار تو اس نے بڑی سنجیدگی سے مر جانے کے بارے میں سوچا کہ کسی دن چپکے سے صحن والے کنویں میں چھلانگ لگا دے گی اور اس کے مر جانے پر یقیناً بی جان کی محبت جاگ اٹھے گی مگر جب اس نے کنویں میں جھانک کر دیکھا تھا تو خوف سے جھرجھری آ گئی تھی اور اس نے سوچا تھا۔ اس طرح مر جانا تو انتہائی احمقانہ بات ہے۔ بھلا بی جان کی محبت جاگ بھی اٹھی تو کیا فائدہ ہوگا۔ وہ تو مر ہی چکی ہوگی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا۔ بچپن میں کئی بار ایسا ہی ہوا تھا کہ وہ جب کبھی بہت خوش ہوتی تھی بھاگ کر بی جان کے پاس آتی تھی۔

''بی جان! دیکھیں میرا جہاز کتنا اونچا اڑتا ہے۔

''یہ دیکھیں میں نے کتنا اچھا پھول بنایا ہے۔''

یا ایسی ہی کوئی اور بات تو بی جان ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھتیں اور پھر تسبیح کے دانے ایک ایک کر کے نیچے کرنے لگتیں اور اس کے اندر سے جیسے ساری خوشی مر جاتی تھی۔ وہ بی جان کو ظالم سمجھتی تھی مگر ایسا نہیں تھا میں یونہی ان سے خفا رہتی تھی۔ ناراض رہتی تھی۔

اس نے ہتھیلیوں کی پشت سے آنکھیں صاف کیں اور ہولے ہولے قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں آ گئی

نائلہ تکیہ آنکھوں پر رکھے سو رہی تھی۔

''نیلی!'' اس نے آہستگی سے پکارا۔ ''سو گئی ہو۔''

''جی نہیں۔'' نائلہ نے تکیہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ یہ تم چائے بنانے ٹمبکٹو چلی گئی تھیں کیا۔''

''سوری نیلی میں ذرا بی جان کے پاس چلی گئی تھی۔ اب تم جاگ رہی ہو۔ میں پانچ منٹ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔ نذیراں تو شاید سونے چلی گئی ہوگی۔''

''اب موڈ نہیں رہا۔''

''تکلف کر رہی ہو۔''

''نہیں سچی موڈ نہیں رہا یوں ہی نیند آ رہی ہے۔ ویسے بی جان کی طبیعت تو ٹھیک

تھی ناں۔''

''ہاں کچھ اداس سی تھیں مگر انہوں نے آج پہلی بار مجھ سے بہت سی باتیں کی ہیں۔''

''ہاں وہ بہت کم گو لگتی ہیں مگر ایک بات ہے۔'' نائلہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تمہاری بی جان ہیں بہت خوبصورت۔ نگاہ اب بھی ان کے چہرے سے نہیں ہٹتی۔ جوانی میں تو غضب ڈھاتی ہوں گی۔''

''ہاں، بابا جان یونہی تو ان پر فدا نہیں ہو گئے تھے۔ منشی جی کی بیوی کہتی ہیں جب وہ بیاہ کر آئی تھیں ناں تو گاؤں کی لڑکیاں...... حیران ہو کر انہیں دیکھا کرتی تھیں۔''

''تم نے پھر وہ اپنی مخصوص جگہیں نہیں دکھائیں۔'' نائلہ نے جمائی لیتے ہوئے پوچھا۔

''عماد الدین آ جائے گا ناتو پھر وہ تمہیں سارا علاقہ دکھا دے گا۔''

''مگر تم کیوں نہیں چلتیں کیا تم گاؤں میں باہر بالکل نہیں جاتیں۔''

''ہاں بابا اسے پسند نہیں کرتے۔''

''مگر وہ تو اتنے شفیق اتنے مہربان لگتے ہیں۔ تم ان سے اجازت مانگو تو وہ انکار نہیں کریں گے۔''

''ہاں مجھے پتا ہے مگر نیلی! میں ان چھوٹی چھوٹی معمولی خواہشوں کے لیے بابا سے ضد نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے تو ایک ہی بار اپنی بات منوانی ہے۔''

''اوہ آئی سی۔'' نائلہ مسکرائی۔

''دراصل سکینہ اور نذیراں کے ساتھ گھومتے ہوئے عجیب سا لگتا ہے۔ تم ساتھ ہوتیں تو زیادہ مزا آتا۔''

''دو ہی دن کی بات ہے پھر عماد الدین آ جائے گا اور وہ تمہیں سارا علاقہ دکھا دے گا۔ سعد اللہ ذرا اور مزاج کا ہے۔ بچپن میں بھی وہ ہم سے الگ تھلگ رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ بس بابا کے آس پاس ہی گھومتا رہتا تھا۔ پتا ہے کئی بار مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بابا کی حفاظت کر رہا ہو کہ ہم بابا کے زیادہ قریب نہ ہوں۔''

باتیں کرتے کرتے عنیزہ نے نائلہ کی طرف دیکھا۔ جو آنکھیں بند کیے آگے پیچھے

جھول رہی تھی۔

''اوہ تمہیں تو نیند آ رہی ہے نیلی! سو جاؤ میں لائٹ آف کیے دیتی ہوں۔''

اس نے اٹھ کر لائٹ آف کی اور خود بھی سونے کے لیے لیٹ گئی۔ مگر دیر تک اسے نیند نہ آئی۔ رہ رہ کر بی جان کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا۔ وہ اتنی تھکی تھکی اتنی شکستہ اور ٹوٹی ٹوٹی کیوں لگ رہی تھیں۔ ان بیس سالوں میں وہ پہلے تو کبھی اتنی شکستہ دکھائی نہیں دیں۔ بڑی قانع اور شاکر لگتی تھیں پھر یکایک جانے کیا بات ہو گئی۔

یونہی سوچتے سوچتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی اگرچہ رات کو دیر سے سوئی تھی پھر بھی صبح جلدی آنکھ کھل گئی۔ نماز پڑھ کر وہ باہر نکل آئی۔ پتا نہیں کیوں اندر دم گھٹ رہا تھا۔ وہ صحن میں پڑی چارپائی پر بیٹھ کر یونہی کوئی میگزین دیکھنے لگی۔ تب ہی سعد اللہ نماز پڑھ کر آیا تو اسے صحن میں بیٹھے دیکھ کر ادھر ہی آ گیا۔ عنیزہ کو حیرت ہوئی۔

''یہاں کیوں بیٹھی ہو عینی!''

''یوں ہی سعد بھائی اندر دل گھبرا رہا تھا۔ حالانکہ پنکھا بھی چل رہا ہے۔''

''طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' سعد اللہ اس کے قریب ہی آ کر بیٹھ گیا۔

''ہاں طبیعت تو ٹھیک ہے۔''

''عینی!'' سعد اللہ نے کچھ جھجکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا...... ''بی جان نے تم سے کوئی بات کی۔''

''کیسی بات؟''

''میرے بارے میں۔''

''نہیں تو۔''

''مجھے پتا تھا وہ کچھ نہیں کہیں گی۔''

سعد اللہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ انہوں نے کبھی مجھے اپنی اولاد نہیں سمجھا۔''

عنیزہ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

''غلط بات مت کرو سعد اللہ! بی جان نے ...... کبھی تمہیں مجھ سے یا عماد الدین سے الگ نہیں جانا۔ انہوں نے ہم میں کبھی فرق نہیں کیا۔''

''یہ غلط بات نہیں حقیقت ہے کہ وہ میری ماں نہیں ہیں۔''

''یہ حقیقت ہی سہی کہ تم نے ان کی کوکھ سے جنم نہیں لیا مگر پھر بھی وہ تمہاری ماں ہیں انہوں نے تم سے اتنی ہی محبت کی ہے جتنی ہم سے بلکہ اس سے بڑھ کر کئی بار انہوں نے محض اس خیال سے کہ تمہاری دل شکنی نہ ہو عماد الدین کی بات رد کر دی ہے۔''

''ہوں۔'' وہ تلخی سے ہنسا۔ ''شاید بابا کو خوش کرنے کے لیے وہ ایسا کرتی رہی ہوں گی۔ اگر انہیں واقعی مجھ سے بیٹے جیسی محبت ہوتی تو کل شام وہ میری بات رد نہ کرتیں۔''

''کیا بات ہے سعد اللہ پلیز آرام سے بتاؤ۔ کیا بات ہے؟'' عنیزہ نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

''میں'' سعد اللہ نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں جن میں ہمیشہ ہلکی ہلکی سرخی رہتی تھی اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

''تمہاری دوست سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''نیلی سے۔'' عنیزہ سفید پڑ گئی۔

''نہیں سعد اللہ اس کی تو منگنی ہو چکی ہے۔''

''منگنی کا کیا ہے ٹوٹ بھی تو سکتی ہے۔''

''مگر وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ پھر انہیں کیا پڑی ہے کہ اپنے خاندان کے ایک اچھے بھلے لڑکے کو چھوڑ کر غیر خاندان میں اپنی لڑکی دے دیں جبکہ عقیدوں میں بھی اتنا تضاد ہو۔''

''بی جان کی منگنی بھی تو اپنے چچازاد سے ہو چکی تھی۔''

''وہ اور بات تھی سعد اللہ نانا داجی کے مرید تھے پھر عقیدوں میں کوئی فرق نہیں تھا مگر یہاں ایسی بات نہیں ہے نیلی کے ڈیڈی ہمیں جانتے تک نہیں ہیں۔ یہ ناممکن ہے سعد اللہ۔''

عنیزہ نے افسردگی سے اسے دیکھا۔ ''تم اس فضول خواہش کو دل سے نکال دو۔''

''خواہشیں اس لیے دل میں پیدا نہیں ہوتیں کہ انہیں دل سے نکال دیا جائے۔''

دنیا اچھی لڑکیوں سے بھری ہوئی ہے۔ نیلی کے علاوہ بھی۔''

''نہیں'' سعد اللہ نے اس کی بات کاٹ دی ''مجھے تمہاری دوست سے ہی شادی کرنا ہے۔''

"سعد اللہ پلیز سمجھنے کی کوشش کرو۔" اس نے منت کی۔

"میں کچھ سمجھنا نہیں چاہتا۔ البتہ یہ ضرور جان گیا ہوں کہ تم میری سگی بہن نہیں ہو۔ ورنہ میری پسند حاصل کرنے میں میری مدد کرتیں۔"

عنیزہ کو یوں لگا جیسے کسی نے تیز دھار نیزے کی انی اس کے دل میں چبھو دی ہو۔

"یہ میرے اختیار میں نہیں ہے سعد اللہ۔" وہ رو سی دی۔

"میرے بھائی! تم نے یہ کیسی خواہش دل میں پالی ہے۔"

"تم اور بی جان!" سعد اللہ نے تیز نظروں سے اسے گھورا۔

"بے شک میرا ساتھ نہ دو لیکن میں اسے حاصل کر کے رہوں گا۔"

اس کی آنکھیں خون رنگ ہوگئیں اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر کی طرف چلا گیا۔

تو یہ بات تھی بی جان اس لیے آپ اتنی پریشان لگ رہی تھیں اور اس لیے آپ چاہ رہی تھیں کہ نیلی چلی جائے۔

اس نے بڑے دکھ سے سوچا۔

اور اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس کرتے ہوئے مڑ کر دیکھا۔ بی جان اس کے پیچھے کھڑی تھیں ان کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا اور آنکھیں جیسے سلگ رہی تھیں۔

"تو کیا بی جان نے ساری باتیں سن لیں۔"

"بی جان!" اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

بی جان نے قریب بیٹھتے ہوئے ہولے ہولے سے اس کے کندھوں کو تھپکا تو ان کے کندھے پر سر رکھ کر سسک اٹھی۔

"آپ نے صحیح کہا تھا کہ بعض اوقات عمر بھر کی ریاضت رائیگاں چلی جاتی ہے۔"

روتے روتے اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

"اس نے بی جان سے ایسا کیوں کہا۔ سعد اللہ نے اتنی چھوٹی، اتنی کمینی بات کیوں کی۔ اس نے میرا گلا گھونٹ دیا ہوتا مگر یہ طعن نہ دیتا کہ میں اس کی سگی بہن نہیں ہوں۔ مجھے بابا کی قسم بی جان میں نے تو اسے ہمیشہ بھائی ہی سمجھا ہے سگا اور سوتیلا تو کبھی سوچا ہی نہیں۔ وہ تو اتنا سمجھدار ہے بی جان پھر وہ یہ کیوں نہیں سمجھتا کہ شوکیس میں رکھی ہوئی چیز کو تو ہر کوئی خرید سکتا ہے لیکن کسی کے آنگن سے کسی چیز کو اٹھا لینا یا خریدنا آسان نہیں ہے۔"

بی جان نے نرمی سے اسے تھپکتے ہوئے الگ کر دیا۔ "ہو جاتا ہے ایسا بھی ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسی آزمائشیں بھی آتی ہیں۔"

"وہ کسی اور طرح آزما لیتا بی جان۔ مانگتا تو جان بھی حاضر تھی۔"

"عینی۔ تم نیلی سے بات کرتیں۔"

"بی جان!" عینی نے تڑپ کر ان کی طرف دیکھا۔

"کیا آپ چاہتی ہیں کہ وقت اپنے آپ کو دہرائے۔ اس آنگن نے پہلے آپ کی خاموش سسکیاں سنی ہیں اور پھر نیلی بھی آپ کی طرح۔ نہیں بی جان میں نیلی کے ساتھ آج ہی چلی جاؤں گی اور یہ بہتر ہوگا سب کے لیے۔ نیلی کے لیے بھی اور سعد اللہ کے لیے بھی۔"

بی جان نے سر ہلایا اور اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے اور شاید زندگی میں پہلی بار اس کی پیشانی چوم لی۔

"ٹھیک ہے تم چلی جانا مگر عماد الدین کو آ لینے دو۔ پھر نیلی سے کیا کہو گی۔ ابھی کل ہی تو تم نے منتیں کر کے اسے روکا ہے۔"

"میں عماد الدین کے آنے تک رکنا چاہتی ہوں بی جان مگر مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔ سعد اللہ کے غصے سے خوف آتا ہے کہ کہیں کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ نیلی کے لیے واپسی کا کوئی راستہ نہ رہے۔"

"ہاں!" بی جان نے تشویش سے اسے دیکھا۔ غصہ تو اس کے اندر اتنا بھرا ہوا ہے کہ اسے کچھ ہوش نہیں رہتا۔ کہ وہ کیا کر رہا ہے۔"

"پھر آپ منشی جی سے کہہ دیں کہ وہ ڈرائیور سے کہے گاڑی تیار رکھے۔"

"تم نیلی کو چھوڑ کر منشی جی کے ساتھ ہی واپس آ جانا۔"

"مگر یہ تو مناسب نہیں ہوگا بی جان مجھے کچھ دن رکنا پڑے گا۔ اور پھر ہم منشی جی کے ساتھ نہیں جائیں گے وہ ہمیں شہر ٹرین میں بٹھا کر آ جائیں۔ میں نہیں چاہتی کہ کسی کو بھی نیلی کے گھر کا علم ہو۔ مجھے سعد اللہ کے غصے سے خوف آتا ہے۔ بی جان۔"

"عماد الدین آ کر تمہارا ضرور پوچھے گا۔"

"میں اس سے آ کر معذرت کر لوں گی۔ میرا دل خود اس سے ملنے کو تڑپ رہا ہے مگر۔"

اس نے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا لیا۔ اور بی جان کو وہیں چھوڑ کر تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

نائلہ ابھی تک سو رہی تھی۔ لحہ بھر وہ یونہی سوئی ہوئی نائلہ کو دیکھتی رہی پھر دل ہی دل میں ایک قطعی فیصلے پر پہنچتے ہوئے اس نے نائلہ کو آواز دی۔

''نیلی! نیلی!''

''ہوں۔'' نائلہ نے مندھی مندھی آنکھوں سے اسے دیکھا۔'' پلیز سونے دو ناں۔''

''بس اب اٹھ بھی جاؤ۔ بہت سو لیا۔''

''بھئی، صبح صبح یہ کیا افتاد پڑ گئی ہے۔'' نائلہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

''افتاد ہی تو پڑ گئی ہے نیلی۔''

اس نے دل ہی دل میں سوچا اور گہری سانس لے کر اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کس طرح اپنے اس اچانک پروگرام کے بارے میں بتائے۔

''اب منہ سے پھوٹو بھی کچھ۔''

''نیلی وہ...... کیا وہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم آج ہی واپس چلے جائیں۔''

''کیوں؟'' نائلہ نے آنکھیں پھاڑیں۔

''وہ...... وہ۔'' عنیزہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے کہ وہ کیوں جانا چاہتی ہے۔

''کہہ دو ناں ہمایوں یاد آ رہا ہے۔''

''ہاں۔'' عنیزہ نے آنکھیں جھکا لیں۔

''مگر عینی عماد الدین بھی تو آ رہا ہے۔ کیا تم اس سے ملے بنا ہی چلی جاؤ گی۔''

''میں ہمایوں کو ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں۔ نیلی! پھر جلد ہی لوٹ آؤں گی۔'' یہ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''دراصل میں نے رات بہت برا خواب دیکھا ہے۔''

''عجب مجنوں صفت لڑکی ہو۔'' نائلہ بڑبڑائی۔

تین چار دنوں سے کیا فرق پڑتا ہے۔ عماد الدین آ جائے تو پھر میرے ساتھ چلنا۔ اور باقی چھٹیاں وہاں ہی گزارنا اور جی بھر کر ہمایوں کا دیدار کرنا۔''

نائلہ پھر لیٹ گئی۔

''تین چار دنوں سے بہت فرق پڑے گا۔ نیلی! تمہیں کیا خبر...... میں خوف کی کس صلیب پر چڑھی ہوئی ہوں۔ اس سے پہلے کہ سعد اللہ کو ہمارے جانے کی خبر ہو ہم یہاں سے نکل جائیں۔''

اس نے سوچا اور ملتجی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''نیلی! نیلی پلیز!'' اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''ارے ارے تم رو رہی ہو احمق لڑکی!'' نائلہ نے اسے ڈانٹا اور پھر اٹھ بیٹھی۔

''یہ اچھی محبت ہے۔ دس دن کی جدائی برداشت نہیں ہوتی۔ اور چلی تھیں محبت آزمانے۔''

عنیزہ کے آنسو اس کے رخساروں تک بہہ آئے۔ وہ تو بس رونا چاہتی تھی کسی بہانے تا کہ دل کی بھڑاس کچھ تو کم ہو۔

''میں کہتی ہوں کہ اگر خدانخواستہ ہمایوں ہمیشہ کے لیے تجھ سے بچھڑ گیا تو کیسے جیے گی۔''

''جینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''اگر کبھی عبید تم سے بچھڑ جائے تو......؟''

''میں نے اس کے بارے میں کبھی نہیں سوچا کیونکہ سوائے موت کے ہمیں کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ اور موت اٹل ہے۔ اچھا اب آنسو ضائع مت کرو۔'' وہ اٹھی۔

''خدا ایسی احمقانہ محبت سے سب کو بچائے۔'' اور بڑبڑاتی ہوئی اپنی چیزیں اکٹھی کرنے لگی تو عنیزہ بھی آنسو پونچھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم تیاری کرو میں ناشتے کے لیے کہہ دیتی ہوں۔''

''بی جان کیا کہیں گی عینی؟''

نائلہ نے بیگ میں کپڑے رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔'' اب کے عماد الدین بھی آنے والا ہے۔ تمہارا اس طرح گھر سے چلے جانا۔''

"وہ میں انہیں منالوں گی کہہ دوں گی تم یکا یک گھر والوں کے لیے بہت اداس ہو گئی ہو۔ اور اب رکنا نہیں چاہتیں۔"

"ہاں مجھے ہی برا بناؤ سب کے سامنے۔"

"پلیز میری خاطر برداشت کر لو اسے۔"

"تمہاری خاطر ابھی نہ جانے کیا کیا برداشت کرنا پڑے گا۔" نائلہ نے تولیہ نکال کر کندھے پر رکھ لیا۔

"تم ذرا رک جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ سعد اللہ بابا اور بی جان کو خدا حافظ کہہ لوں میں۔"

"وہ...... وہ سعد اللہ تو صبح صبح ہی شکار پر چلا گیا ہے۔ اور بی جان اور بابا ادھر ہی آ جائیں گے تم سے ملنے۔ تم منہ ہاتھ دھو لو میں بس آ رہی ہوں۔ نذیراں ادھر ہی ناشتا لے آتی ہے۔"

وہ نذیراں کو ناشتے کا کہہ کر بابا کے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے سلام کے جواب میں وہ مسکرائے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"کیسی ہے ہماری بیٹی اور وہ سہیلی ہماری بیٹی کی۔ خوش تو ہے ناں۔"

"جی بابا وہ تو یہاں آ کر بہت خوش ہوئی ہے مگر بابا وہ آج جا رہی ہے۔"

"کیوں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں بابا جان!" اس کی آواز پھنسنے لگی۔ "بس ایسے ہی گھر والوں کے لیے دل اداس ہو گیا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا بابا! کہ میں اسے خود چھوڑ کر آؤں گی۔"

"اچھا وعدہ کیا تھا تو پھر پورا بھی کرنا پڑے گا۔ خیر سے جاؤ بیٹا۔ خیر سے آؤ۔ منشی جی کو ساتھ لے جانا اور جلدی لوٹ آنا۔"

"جی بابا۔ میں رکوں گی نہیں یوں بھی عماد الدین آ جائے ناں تو پھر ہم سعد اللہ کے لیے پیاری سی دلہن ڈھونڈیں گے اور اس کی شادی کریں گے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔"

اس نے ان کے ہاتھوں کو زندگی میں پہلی بار ہاتھوں میں لے کر ہونٹوں سے اور پھر آنکھوں سے لگا کر چھوڑ دیا۔ جیسے وہ ان کی کوئی عقیدت مند مرید ہو۔

"پگلی!" وہ ہنس دیے۔

"بابا!" اس کی آنکھوں میں پھر نمی تیرنے لگی۔ "بابا! سعد اللہ کو سمجھائیے گا بابا! کہ ایسے خواب دیکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا جن کی تعبیریں نہ مل سکیں۔"

انہوں نے کسی قدر حیرت سے اس کی بات سنی۔ اور گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ جیسے بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

مگر وہ انہیں جلدی سے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔ پتا نہیں کیوں اس کا دل بھرا جا رہا تھا جیسے وہ پہلی بار گھر سے جدا ہو رہی ہو۔ آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو اکٹھے ہونے لگے تھے۔ مگر اس نے انہیں بہنے نہیں دیا اور جلدی سے کمرے میں آ گئی۔ نائلہ تمام سامان سمیٹ کر منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

"پلیز نیلی! مجھے معاف کر دو میری خاطر۔"

اس نے آہستگی سے کہا۔ اور ہاتھ جوڑ دیے نائلہ نے شان بے اعتنائی سے اسے دیکھا۔

"چلو تمہیں معاف کیا تمہاری نہیں بلکہ تمہاری اس احمقانہ اور مجنونانہ محبت کی خاطر جس کی پیدائش کو ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں۔ اب جلدی سے ناشتا کر لو تاکہ جلد روانہ ہوں اور شام سے پہلے وہاں پہنچ سکیں۔"

"ناشتا آ رہا ہے تم بی جان کے ساتھ ناشتا کرو اور میں اپنا سامان رکھ لوں۔"

"تم ناشتا نہیں کرو گی۔"

"نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"ہاں یہ عشق...... بڑی خطرناک چیز ہے۔ بھوک پیاس سب کچھ بھول جاتی ہے۔ اب بھی وقت ہے باز آ جاؤ عینی!" نائلہ بڑبڑائی۔

لیکن عنیزہ سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنا سامان بیگ میں رکھنے لگی۔

☆☆☆

"نہیں بی جان! کہہ دیجیے یہ جھوٹ ہے غلط ہے۔ وہ نہیں مر سکتا۔ بی جان! وہ زندہ ہے۔ وہ کیسے مر سکتا ہے۔ ابھی تو وہ مجھ سے ملا بھی نہ تھا۔ ابھی تو اس نے چار سالوں کی روداد سنانی تھی۔ فاطمہ، ثنا الخماش اور بدر منیر کے قصے سنانے تھے۔ نہیں بی جان! کہہ دیجیے یہ

غلط ہے۔ جھوٹ ہے۔" روتے روتے اس نے بابا کی طرف دیکھا۔

"آپ ہی کہہ دیجئے بابا! یہ جھوٹ ہے۔"

"کاش ایسا ہوتا۔"

انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور نگاہیں جھکالیں۔

"تو پھر آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔ مجھے آنے کیوں نہیں دیا۔ مجھ سے یہ سب کچھ کیوں چھپایا۔" اس نے روتے روتے بی جان کو جھنجوڑ ڈالا۔

"میں اسے آخری بار دیکھ تو لیتی بی جان!"

"ہم چاہتے تھے وہ تمہاری یادوں میں ایسے ہی زندہ رہے جیسے تھا۔ ہنستا مسکراتا قہقہے لگاتا جب کہ ہماری یادوں کے خزانے میں اس کا یہ زندہ چہرہ مرگیا ہے۔ بس ایک خون میں ڈوبا ہوا پیکر ایک سرد وجود۔ مردہ چہرہ۔"

بابا کی آواز جھرجھرانے لگی تو وہ آنسو ضبط کرتے ہوئے باہر نکل گئے وہ پھر رونے لگی۔ وہ جب سے آئی تھی یونہی رو رہی تھی۔ روتے روتے اس کی آواز بیٹھ گئی تھی۔ مگر آنسو تھے کہ اُمڈے چلے آرہے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا۔ وہ دیواروں سے سر پٹخ پٹخ کر چیخیں مار مار کر روئے۔ یہ کتنا بڑا نقصان ہوگیا تھا۔ وہ کتنی بڑی دولت سے محروم ہوگئی تھی۔

"یہ محض ایک اتفاقی حادثہ تھا۔"

بی جان نے کوئی پچاسویں بار بتایا تو وہ جب سے آئی تھی۔ بے حواس ہو رہی تھی۔ اس کے اندر جیسے شعور و آگہی اور ادراک کے در کھل گئے اور اس نے شکوہ بھری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے پورے یقین سے کہا۔

"یہ اتفاقی حادثہ نہیں تھا بی جان!"

وہ لرز گئیں اور کانپتی ہوئی کمزور آواز میں بولیں "یہ حادثہ تھا۔"

"آپ کو پتا ہے بی جان! آپ جانتی ہیں کہ ایسا نہیں تھا پھر آپ جھوٹ کیوں بول رہی ہیں۔"

بی جان نے نگاہیں جھکالیں۔

"وہ بچپن سے ہی ایسا تھا۔"

وہ جیسے اپنے آپ سے بات کررہی ہو۔

"جب کبھی بابا غصے میں ہوتے تھے تو وہ بابا کے بجائے اپنا غصہ عماد الدین کو مار کر یا اس کی سائیکل کے ٹائروں میں کیلیں چبھو کر نکالا کرتا تھا اور جب کبھی اس کی عماد الدین سے لڑائی ہوتی تھی۔ وہ میری چیزیں توڑ کر اور میرے بال کھینچ کر خوش ہوتا تھا۔ جب اس کی کوئی خواہش پوری نہیں ہوتی تھی تو وہ غصے میں پاگل ہو جاتا تھا اور اسے بالکل پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ کیا کررہا ہے۔ بعض اوقات غصے میں وہ اپنی چیزوں کو کرچی کرچی کر دیتا تھا۔"

وہ پھر رونے لگی۔

"آپ مجھے بتائیں بی جان! یہ حادثہ کس طرح ہوا تھا...... کیسے؟"

"میں وہاں صحن میں پیڑھی پر بیٹھی تھی اور وہ پاس ہی کھڑا تمہارے بارے میں پوچھ رہا تھا کہ تم کب تک آؤ گی۔ اور سعد اللہ تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھا بندوق صاف کر رہا تھا۔ میں زمین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دانستہ اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی کہ کہیں اسے میری نظر نہ لگ جائے۔ ان چار سالوں میں اس کا جسم بھر گیا تھا۔ اور وہ بہت خوبصورت سا ہوگیا تھا۔ اس کی پیٹھ سعد اللہ کی طرف تھی۔ اس نے ایک بار مڑ کر سعد اللہ کی طرف دیکھا تھا اور ہنس دیا تھا۔

"بی جان! یہ سعد اللہ بڑا چپ لگ رہا ہے میرا خیال ہے گھر میں کوئی ڈھول وغیرہ بجوایئے اور کوئی اچھی سی لڑکی ڈھونڈیے سعد اللہ کے لیے...... کیوں یار سعد اللہ! کوئی لڑکی ہے تیری نظر میں یا یہ فریضہ بھی بی جان کو انجام دینا پڑے گا۔ ویسے تیرے لیے تو بابا جان یا بی جان ہی کوئی لڑکی پسند کریں گے۔ البتہ ہم تو اپنی پسند کی شادی کریں گے۔ وہاں مصر میں تو لڑکیاں آگے پیچھے پھرا کرتی تھیں۔"

اس نے قہقہہ لگایا تھا اور اونچا زوردار اور ابھی اس کے قہقہے کی گونج فضا میں ہی تھی کہ دھماکا ہوا۔ عماد الدین اوندھے منہ گر پڑا تھا۔ میں پتھر سی ہوگئی تھی۔ سعد اللہ نے ہی عماد الدین کو سیدھا کیا تھا اور پھر اس کے سر کو گود میں رکھ کر بار بار ایک ہی بات کہنے لگا کہ اس نے تو سامنے درخت پر بیٹھی ہوئی چڑیا کا نشانہ لیا تھا۔

وہ بڑے ضبط سے سب کچھ سن رہی تھی۔

"اس کا نشانہ اتنا خراب نہیں تھا۔ بی جان! وہ تو بچپن میں بھی اڑتی چڑیا کو گرا لیا کرتا تھا۔"

مگر بی جان نے جیسے اس کی بات ہی نہیں سنی۔ وہ سامنے کسی نامعلوم نکتے پر نظریں جمائے ہولے ہولے کہہ رہی تھیں۔

”چھرے اس کے دماغ میں گھس گئے تھے اور وہ ایک لمحے میں ختم ہو گیا تھا۔ لمحہ بھر پہلے وہ کھڑا مجھ سے باتیں کر رہا تھا اور......

عنیزہ نے اپنے ہونٹ کو دانتوں تلے دب لیا۔

”پھر میں نے بیان دیا کہ یہ ایک اتفاقی حادثہ تھا۔ بندوق صاف کرتے ہوئے اچانک گولی چل گئی تھی۔“

”آپ نے ایسا کیوں کیا بی جان کیوں۔“ انہوں نے سسکی لی۔

”میں اسے بھی کھونا نہیں چاہتی تھی۔ دونوں کو کھو کر تو میں اور تمہارے بابا بالکل تہی دامن ہو جاتے اکیلے اور تنہا، مجھے معاف کر دینا کہ میں نے اسے تحفظ دیا لیکن اگر میں ایسا نہ کرتی تو شاید پھر تمہارے بابا بھی زندہ نہ رہ سکتے۔ اور پھر خدا نے بھی تو قابیل کو اس کے بھائی کا قتل معاف کر دیا تھا۔ اور یہ بھی تو ممکن ہے عینی بیٹا کہ سعد اللہ سچ کہہ رہا ہو۔“

”نہیں...... نہیں بی جان! اپنے آپ کو اور مجھے دھوکا مت دیں۔“

ذرا سی دیر کے لیے جو آنسو رکے تھے وہ پھر اسی بیتابی سے بہہ نکلے تھے۔ اور وہ ایک بار پھر بچوں کی طرح بی جان کے دونوں ہاتھ تھامے روتے ہوئے ایک ہی بات پوچھنے لگی۔

”کیا اسے سچائی، خلوص محبت کسی چیز کی پہچان نہیں رہی تھی۔

عماد الدین پر گولی چلاتے ہوئے اسے کچھ بھی یاد نہ آیا۔ بچپن کے وہ سارے دن جو اکٹھے کھیل کر گزارتے تھے۔ کتنی ہی بار عماد الدین نے اس کی شرارتوں پر سزا پائی تھی۔ آپ کو یاد ہے بی جان ایک بار جب سعد اللہ بیمار ہوا تھا تو عماد الدین نے کتنی راتیں اس کے سرہانے جاگ کر گزار دی تھیں۔ آپ نے اسے یاد تو دلایا ہوتا کہ یہ وہی عماد الدین تھا جو بابا کے سامنے اس کی ساری غلطیاں سارے الزامات اپنے سر لے لیتا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا تو ہوتا بی جان کہ عماد الدین پر گولی چلاتے ہوئے اسے کوئی بات یاد نہیں آئی۔“

”کیا کہتی میں اس سے بیٹا۔ میں نے تو اس کے بعد اس کی طرف دیکھا نہیں۔ بیان دیتے ہوئے بھی اس کی طرف نگاہ نہیں اٹھائی۔ مبادا میری زبان لڑکھڑا جائے میں تو اس

کے سامنے ہی نہیں جاتی کہ کہیں ضبط کی طنابیں میرے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائیں۔ میں کوئی ایسی بات نہ کہہ دوں جو اسے گراں گزرے۔“

یک دم وہ کھڑی ہو گئی۔

”آپ نے نہیں پوچھا مگر میں اس سے ضرور پوچھوں گی بی جان! میں...... کہ اس نے ہم سب پر آپ پر بابا پر اور خود پر اتنا بڑا ظلم کیوں کیا؟“

”نہیں بیٹا! کیا فائدہ......“

بی جان نے اسے روکنا چاہا مگر وہ تقریباً بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

عین اس لمحے سعد اللہ بھی اپنے کمرے سے باہر آ رہا تھا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ عنیزہ کو آتے دیکھ کر وہیں اپنے کمرے کے دروازے پر ہی ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھی تھی تا کہ اس سے اس ظلم کا جواز مانگے۔ مگر سعد اللہ نے اسے دیکھتے ہی بازو پھیلا دیے تھے۔ اور دوسرے ہی لمحے وہ اس کے سینے سے لگی دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی...... بی جان اور بابا جان گھبرا کر باہر نکل آئے۔ بی جان اور بابا جان حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔ روتے روتے یک لخت ایک جھٹکے سے اس نے اپنا آپ الگ کر لیا اور سعد اللہ کی طرف دیکھا جو بے آواز رو رہا تھا۔

”میں...... مجھے کچھ خبر نہیں عینی کہ یہ سب کیسے اور کیوں ہو گیا مجھے معاف کر دو عینی۔“

”میرا اور تمہارا اس سے کوئی الگ رشتہ تو نہیں تھا۔ معافی مانگنی ہے تو اپنے آپ سے مانگو۔“

”عینی!“ سعد اللہ نے نگاہیں اٹھائیں۔ نادم اور پشیمان نظریں۔

”نہیں میری طرف مت دیکھو۔“

عنیزہ نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا اور سوچا۔

”میرے سامنے مت آؤ سعد اللہ! کہ میں تم سے نفرت کرنا چاہتی ہوں مگر نہیں کر سکتی کہ وہ چار سالوں بعد لوٹا تھا اور وہ تم سے کتنی محبت کرتا تھا۔ ہمیشہ سے ہی مگر تم نے کبھی اس سے محبت نہیں کی اور قطرہ قطرہ کر کے نفرت اپنے اندر جمع کرتے رہے اور اب۔“

اس نے دیوار سے ٹیک لگائی تو بابا نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔

"حوصلہ کرو بیٹا!"

"کیسے ابا جان کیسے۔ آپ سب نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔ مجھے بے خبر رکھ کر..... لاعلم رکھ کر...... مجھے یقین نہیں آتا بابا! وہ میرا ہنستا کھیلتا بھائی مٹی میں مل گیا ہے۔ آنکھوں سے دیکھ لیتی تو...... آپ سب ظالم ہیں بابا!...... ظالم ہیں......"

وہ ایک ہی لفظ کی تکرار کیے گئی۔ تو بابا اسے لپٹائے لپٹائے کمرے میں لے آئے اور زبردستی لٹا دیا۔

"میں نہیں سونا چاہتی بابا! مجھے پتا ہے۔ میں اگر سو گئی تو سعد اللہ، عماد الدین کو مار ڈالے گا۔"

"میں بھلا اسے ایسا کرنے دوں گا" انہوں نے آنسو پیتے ہوئے کہا۔

"تم تھکی ہوئی ہو نا۔ اس لیے کہہ رہا ہوں آرام کرلو کیا اپنے بابا کی بات بھی نہیں مانو گی۔"

اور اس نے خاموشی سے ان کے ہاتھوں سے والیم کی گولیاں لے کر کھا لیں اور پھر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔ بابا اس کے سامنے ہی بیٹھ گئے تھے۔ وہ کبھی کبھی آنکھیں کھول کر انہیں دیکھتی اور پھر بند کرلیتی۔ پھر یونہی جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

جب دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو وہ کمرے میں تنہا تھی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ یہ اس کا اپنا کمرہ تھا۔ پورے پندرہ دن بعد وہ کل ہی تو لوٹی تھی اور کل سے لے کر اب تک جو کچھ اس پر بیتا تھا۔ ایک خواب کی طرح لگ رہا تھا۔ مگر وہ خواب نہیں تھا۔ اس نے سسکی سی لی۔

نائلہ کے ساتھ جب وہ اس کے گھر پہنچی تھی۔ سب لوگ انہیں غیر متوقع طور پر دیکھ کر خوش ہوگئے تھے۔ اتفاق سے ہمایوں بھی وہاں ہی تھا اور نائلہ نے کسی کا لحاظ کیے بغیر سب کے سامنے اس کی بے تابی کا حال کھول کر رکھ دیا تھا۔ خرم نے دو ایک بار تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا تھا اور وہ شرمندہ سی ہوگئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ تین چار دن بعد واپس چلی جائے گی۔ مگر جب اس نے فون کر کے اپنے آنے کی اطلاع دی تو بابا نے بتایا کہ عماد الدین کچھ دنوں کے لیے مصر رک گیا ہے اور اگر تم اپنی سہیلی کے پاس چند دن رہنا چاہو تو رک جاؤ۔ اور نائلہ تو یوں بھی اسے جانے نہیں دے رہی تھی۔ اسے بہانہ مل گیا مگر پتا نہیں

کیوں اس کے دل کو بے چینی سے لگی تھی۔ ہمایوں نے بھی محسوس کیا کہ وہ کچھ پریشان ہے لیکن اس پریشانی کی وجہ خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اسے کیا بتاتی تب۔

پھر وہ جانے کے لیے تیار ہوگئی۔ اور بی جان کو فون کیا کہ منشی جی کو اسٹیشن پر بھیج دیں۔ بی جان نہیں چاہتی تھیں کہ وہ ابھی آئے۔ اس لیے وہ مختلف بہانوں سے اسے روک رہی تھیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بی جان کیوں چاہتی ہیں کہ وہ نہ آئے ضرور کوئی بات ہے کوئی پریشان کن بات۔ اور وہ منع کرنے کے باوجود اکیلی چلی آئی۔ بغیر اطلاع دیے اور یہاں آ کر اسے پتا چلا کہ اس کی عدم موجودگی میں کتنا بڑا حادثہ ہوگیا اور وہ کتنی بڑی نعمت سے محروم ہوگئی۔ وہ اخبار نہیں پڑھتی تھی ورنہ اسے کب کا پتا چل گیا ہوتا۔

اس نے سسکی لی اور آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے تھے اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ ہولے ہولے اس کی آواز اونچی ہوتی گئی۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا۔ شاید سب سو رہے تھے مگر سعد اللہ جاگ رہا تھا اور اس کے رونے کی آواز سن کر دبے قدموں چلتا ہوا اندر آ گیا۔

"عینی!"

اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"حوصلہ کرو مشیت ایزدی یہی تھی۔"

"تم نے ایسا کیوں کیا سعد اللہ کیوں؟" اس نے شکوہ بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیسے کہوں عینی! کیسے تمہیں یقین دلاؤں کہ میں بے قصور ہوں۔ وہ سب کچھ اچانک ہوگیا تھا۔ پتا نہیں کیسے میرا ہاتھ بہک گیا تھا۔ مجھے کچھ ہوش نہیں۔ مجھے کچھ خبر نہیں کہ یہ کیسے ہوگیا۔"

"سعد اللہ؟" اس کے ہونٹ کانپے۔ "میں نے تمہیں عماد الدین کا خون معاف کیا۔"

اور اس نے آنکھیں بھینچ لیں۔ سعد اللہ نے بے اختیار آگے بڑھ کر اس کا سر سینے سے لگا لیا اور رات کی تاریکی میں ایک پھر رونے کی آوازیں گونج اٹھیں۔ اور عنیزہ اس کے سینے سے سر ٹکائے رو رہی تھی۔ اور ان آنسوؤں کا ہر قطرہ آگ کی اس تپش کو کم کرتا جا رہا تھا۔

جو کل سے اس کے سینے میں لگی ہوئی تھی۔

☆☆☆

اور شامی کی بات پر ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ ہمایوں نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

آج کتنے دنوں بعد وہ یوں کھل کر ہنسی تھی۔

''ہنستی ہوئی اچھی لگتی ہو۔'' اس نے عنیزہ کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

''اور آج شام جب ممی آئیں تو تب بھی یونہی ہنستی ہوئی ملنا ممی کو روتی بسورتی لڑکیاں بالکل پسند نہیں ہیں۔''

''مگر...... ہمایوں۔''

''اگر مگر کچھ نہیں۔ میں نے اب تک تمہارا بہت لحاظ کیا ہے۔ اس لیے کہ تمہاری دل شکنی نہ ہو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے تمہارے اونگے بونگے نظریات سے اتفاق تھا۔ اب تم فارغ ہو۔ امتحان ہو چکا ہے اور میں تمہارا کوئی عذر نہیں سنوں گا۔ ممی! آج تمہیں دیکھیں گی اور پھر میں بہت جلد انہیں تمہاری بی جان کے پاس بھیجوں گا۔''

''اور کیا ہمایوں بھائی بس اب اسے زیادہ ڈھیل نہ دیں۔''

نائلہ نے چائے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس کی تائید کی تو عنیزہ خاموش ہو گئی۔ اس وقت نائلہ، ہمایوں اور شامی ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ امتحان کے بعد عنیزہ گھر جانے کے بجائے نائلہ کے ساتھ ہی آ گئی تھی۔ گھر جانے کے تصور سے ہی اسے ہول آنے لگتا تھا۔ کس قدر ویرانی اور سناٹا ہو گیا تھا۔ وہاں فضا میں عماد الدین کی لہو کی خوشبو رچ گئی تھی۔ وہ جب بھی صحن میں آتی اسے یوں لگتا جیسے عماد الدین خون میں لت پت اوندھا پڑا ہو اور سعد اللہ بندوق ہاتھ میں لیے کھڑا ہو۔ چھٹیاں اس نے کمرے میں بند رہ کر ہی گزاری تھیں۔

بابا اور بی جان کی عبادتیں پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھیں اور وہ بالکل تنہا اور اکیلی ہو گئی تھی۔ چھٹیوں کے بعد ہاسٹل آئی۔ تو نائلہ اور ہمایوں نے اس کی بہت دلجوئی کی۔ وہ ہمایوں کے اور بھی زیادہ قریب آ گئی تھی۔ محبت پر اس کا ایمان اور بھی پختہ ہو گیا تھا۔

وہ اکثر کہا کرتی۔

''محبت زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ میں سوچتی ہوں نیلی وہ لوگ جو محبت نہیں کرتے کیسے زندہ رہتے ہیں۔''

نائلہ ہنس دیتی۔

''بہت سے لوگوں کو محبت نہیں ملتی۔ عینی! جب وہ بچے ہوتے ہیں۔ تب بھی نہیں جب بڑے ہوتے ہیں۔ تب بھی نہیں اور جب بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ تب بھی نہیں۔''

اور اس کا دل محبت سے محروم ان لوگوں کے لیے گداز ہو جاتا ''کتنے بدنصیب نہیں ہوتے'' نائلہ کہتی۔

''محبت کا نہ ملنا المیہ نہیں ہے مل کر کھو جانا المیہ ہے۔ عینی! پتا نہیں کیوں کبھی کبھی میں تمہارا جنون دیکھ کر ڈر جاتی ہوں۔ میں نے کبھی کسی سے اس طرح اتنی شدت سے محبت کرتے نہیں دیکھا۔ اگر خدانخواستہ ہمایوں کی اور تمہاری راہیں جدا ہو گئیں...... تو......؟''

''نہیں نیلی!'' وہ بڑے یقین سے کہتی۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔''

''خواب دیکھنے لگی ہو۔''

نیلی نے اسے ٹہوکا دیا تو اس نے چونک کر ہمایوں کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں دمک رہی تھیں اور ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ تھی۔ عنیزہ نے نگاہیں جھکا لیں۔ ہمایوں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ خرم کاغذوں کا پلندہ اٹھائے اندر داخل ہوئے اور کسی کی طرف توجہ دیے بغیر سیدھے ہمایوں کے پاس چلے گئے۔

''یار! یہ آرتھر ملر کا المیہ ''دی کرائسل'' ٹھیک رہے گا۔ نفیس کا خیال ہے کہ اس ڈرامے میں بڑی جان ہے۔''

''میرے خیال میں تو کوئی اوریجنل چیز ہونی چاہیے۔ تم خود کیوں نہیں لکھتے خرم! تمہاری تحریر میں بڑی جان ہے۔''

''مگر ڈرامہ تو میں نے کبھی نہیں لکھا۔''

''اب سہی۔ تم ٹرائی تو کرو۔ میرا خیال ہے کہ کوئی ادبی قسم کا ڈرامہ پیش کیا جائے۔ ایسی چیز جو دل کو، روح کو، ذہن کو گرفتار کر دے۔ پورے وجود پر ایک سحر طاری کر دے۔''

''تم بھی تو کالج کے زمانے میں ڈرامے لکھتے رہے ہو۔ ہمایوں! پھر خود کیوں نہیں لکھتے۔'' خرم نے کاغذات سمیٹتے ہوئے کہا۔

''میں دراصل آج کل خود اپنی زندگی کے ڈرامے کو آخری ٹچ دینے کی کوشش میں ہوں۔''

''ہمایوں نے معنی خیز نظروں سے عنیزہ کی طرف دیکھا۔

''اس لیے جذباتی سی کیفیت میں لکھنا مشکل ہے؟''

خرم نے جیسے پہلی بار چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

عنیزہ کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ اور ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ تھی۔ خرم کی نگاہیں لمحہ بھر کو اس کے چہرے پر ٹک گئیں اور آنکھوں میں دھواں سا پھیل گیا مگر...... دوسرے ہی لمحے وہ جھک کر کاغذات سمیٹنے لگے۔

''ارے خرم بھائی! بیٹھیے ناں۔ میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔'' نائلہ نے پیالی اپنی طرف کھسکائی۔

''نہیں نیلی بی بی!''

انہوں نے مخصوص شفیق لہجے میں کہا۔

''مجھے کچھ کام ہے میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔''

''میں چائے وہاں بھجوا دیتی ہوں۔''

''ابھی نومی نے بھجوائی تھی۔''

اور وہ ہمایوں کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد ہمایوں بھی کھڑا ہو گیا۔

''اچھا خدا حافظ شام کو امی کے ساتھ آؤں گا۔''

اس کے جانے کے بعد نائلہ عنیزہ کو چھیڑنے لگی۔ عنیزہ بظاہر تو مسکرانے لگی۔ مگر اندر ہی اندر دل کو دھڑکا سا لگا ہوا تھا۔ اگر ممی نے ناپسند کر دیا تو...... مگر امی کو وہ بہت پسند آئی اور انہوں نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔

''ارے تم تو بہت پیاری بچی ہو ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ہمایوں کی پسند پر کوئی خاص اعتبار نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ بس یوں ہی لڑکی ہو گی اور ہمیشہ کی طرح اس کی کوئی ادا بھا گئی ہو گی صاحبزادے کو۔

وہ صاف گو اور زندہ دل خاتون تھیں۔ عنیزہ کو بہت اچھی لگیں۔

''بس، اب میں زیادہ انتظار نہیں کروں گی۔ ہمایوں کے پاپا اسٹیٹ گئے ہوئے ہیں۔ کچھ دنوں تک آنے والے ہیں پھر ہم تمہارے گھر چلیں گے۔''

اور وہ سر جھکائے بیٹھی سرخ ہوتی رہی۔

نائلہ اور نمبرہ نے اسے اس سخت انٹرویو میں کامیابی کی مبارک باد دی۔

''خدا کا شکر ہے کہ آنٹی نے تمہیں پسند کر لیا۔ ورنہ میں تو ڈر رہی تھی کہ ان کا مزاج کچھ مختلف سا ہے۔''

''تو پھر اس خوشی میں کہیں باہر نہ چلا جائے۔''

نمبرہ نے تجویز پیش کی تو نائلہ اور شامی نے اس کی تائید کی۔ اور وہ تینوں تیار ہو کر باہر نکل گئے۔

☆☆☆

ڈرامہ لکھا جا چکا تھا اور تمام ممبروں کو بہت ہی پسند آیا تھا۔

''دراصل ہم کوئی ایسی ہی چیز پیش کرنا چاہتے تھے۔ باوقار سی جس میں فضول اچھل کود اور گھٹیا مذاق نہ ہو'' ہمایوں نے وضاحت کی۔

''ایک ایسی چیز جس میں ادب اور تخلیق کا سارا حسن موجود ہو اور خرم نے دشت فراق'' لکھ کر کمال کر دیا ہے۔ ہر ڈائیلاگ اتنا مکمل اور بھرپور ہے کہ کچھ بھی فالتو نہیں لگتا۔ ہر لفظ میں زندگی دوڑ رہی ہے۔ اگرچہ ماخوذ ہے مگر پھر بھی۔''

''یار یہ سب کچھ تو ہمیں بھی معلوم ہے۔'' نفیس نے کاغذات کو الٹتے ہوئے کہا۔

''اصل مسئلہ تو اداکاروں کے انتخاب کا ہے۔''

''اداکاروں کو باہر سے لیں گے۔'' کسی نے پوچھا۔

''نہیں ایسوسی ایشن کے ممبر ہی کام کریں گے۔''

''یہ کوئی کمرشل ڈرامہ تو نہیں ہے محض ادب کو متعارف کروانے والی بات ہے۔''

''باقی سب کردار تو ہو جائیں گے مگر ''زریں'' کا کردار اس کے لیے مجھے کوئی مناسب نہیں دکھائی دیتا۔'' نفیس بدستور اسکرپٹ کو دیکھ کر رہا تھا۔

رباب اور تسکین دونوں کسی طرح بھی۔ ''زریں'' کے کردار کے لیے مناسب نہیں ہیں۔ یوں بھی تسکین میں ڈرامہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔''

"پھر......؟" ہمایوں سوچ میں پڑ گیا۔

پھر یکا یک ہی اس نے چونک کر خرم کی طرف دیکھا۔

"عنیزہ......! عنیزہ "زریں" کے کردار کے لیے......کیسی رہے گی۔"

"مگر......" خرم کی پیشانی پر ناگواری سے شکنیں سی پڑ گئیں۔

"میرے خیال میں وہ شاید اسے پسند نہ کرے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو میں اسے راضی کرلوں گا۔

تم صرف یہ بتاؤ کہ وہ اس کے لیے مناسب رہے گی یا نہیں۔"

"پتا نہیں۔" خرم نے سگریٹ سلگایا۔

"یہ اسکرپٹ دینا مجھے۔" ہمایوں نے نفیس سے اسکرپٹ لے لیا۔

"خدا کی قسم خرم یہ کردار اس پر بہت سوٹ کرے گا۔ یہ مکالمے لگتا ہے۔ زریں کے بجائے عنیزہ بول رہی ہو۔ تم نے کبھی اس کی باتیں سنی ہیں خرم! وہ بھی کبھی ایسی ہی باتیں کرتی ہے۔"

وہ اسکرپٹ میز پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں ایک منٹ میں ابھی اس سے بات کر کے آتا ہوں۔"

"میرے خیال میں ہمایوں ٹھیک کہتا ہے۔"

نجیب نے رائے ظاہر کی مگر خرم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ سوچتا ہوا سگریٹ کے کش لگاتا رہا۔

عنیزہ، بی جان کا خط پڑھ رہی تھی۔ انہوں نے امتحان کے بعد اسے نائلہ کے ساتھ جانے کی اجازت تو دے دی تھی۔ مگر اب وہ اس کے لیے اداس تھیں اور انہوں نے اس گھر بلایا تھا۔ بہت پیار سے بہت محبت سے اسے سمجھایا تھا کہ یہ کوئی مناسب بات نہیں ہے اور اسے زیادہ دن وہاں نہیں رکنا چاہیے۔ ہمایوں اسے ڈھونڈتا ہوا کمرے میں آ گیا۔ اس نے خط تکیے کے نیچے رکھ کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دی۔

"کیا سب لوگ چلے گئے؟"

"نہیں ابھی تو نہیں گئے دراصل میں تم سے ایک ضروری بات کرنے آیا تھا۔"

اس نے ایک طرف بیٹھتے ہوئے ساری تفصیل بتائی تو وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔

"یہ کیسے ممکن ہے ہمایوں۔"

"آخر تم کالج میں ڈرامے میں حصہ لیا کرتی تھیں۔"

"وہ اور بات تھی وہاں تو صرف لڑکیاں ہوتی تھیں اور پھر کالج کی تقریبات اور ایک عوامی تقریب میں بہت فرق ہوتا ہے"

"یہ ڈرامہ صرف معزز اور پڑھے لکھے لوگ دیکھیں گے۔ تمام لوگوں کے لیے نہیں ہوگا عینی۔"

"مگر......اگر سعد اللہ اور بابا جان کو پتا چلا تو وہ تو۔"

"کیسے پتا چلے گا انہیں عینی! تم یونہی ڈر رہی ہو۔ اور پھر میں تو اسے برا نہیں سمجھتا جب کہ مستقبل قریب میں میرا حق تم پر سب سے زیادہ ہوگا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر میں تو آج گھر جانے کا پروگرام بنا رہی تھی۔ بی جان کے دو خط آ چکے ہیں۔"

"ایک ہفتہ بعد چلی جانا......کیا فرق پڑتا ہے۔"

"ایک ہفتے میں ڈرامے کی ریہرسل وغیرہ ہو جائے گی۔"

سب ذہین لوگ ہیں ایک دن میں ڈائیلاگ یاد کرلیں گے یوں بھی میرے خیال میں ڈرامہ ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں ہوگا۔"

"مگر......" وہ اب بھی جھجک رہی تھی۔

لیکن ہمایوں نے اسے مجبور کر ہی دیا اور وہ ہمایوں کی کسی بات کو رد نہیں کر سکتی تھی۔

چنانچہ اس نے بی جان کو خط لکھ دیا کہ نائلہ اسے آنے نہیں دے رہی۔ شادی کی تیاری کے سلسلے میں کچھ شاپنگ وغیرہ کر رہی ہے اس لیے مجھے بھی روک لیا ہے اور کسی حد تک یہ حقیقت بھی تھی۔ ان دنوں نائلہ اپنی شادی کی شاپنگ دھڑا دھڑ کر رہی تھی۔

اور اسے بھی ساتھ گھسیٹے رکھتی۔

☆☆☆

ڈرامے کی ریہرسل ہو رہی تھی۔ سب کا خیال تھا کہ "زریں" کے کردار کے لیے وہ واقعی موزوں ہے۔ ابھی ڈرامے کی کوئی حتمی تاریخ مقرر نہیں ہوئی تھی کہ بابا جان کی بیماری کا خط آ گیا۔ بی جان نے اسے فوراً بلایا تھا اور وہ سب سے معذرت کر کے گاؤں چلی آئی۔"

بابا جان سچ مچ بیمار تھے۔ انہیں معمولی سا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ مگر وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ اصل میں اندر سے تو عماد الدین کی موت نے انہیں ڈھا دیا تھا۔ اس نے ان کی بہت خدمت کی۔ ہر وقت ان کی پٹی سے لگی رہتی۔ سعد اللہ بھی ان کی خدمت کر رہا تھا۔ بابا جان ٹھیک ہوئے تو بی جان چار پائی پر پڑ گئیں۔

اور یوں وہ جلد واپس آنے کو وعدہ کر کے آئی تھی۔ جلد واپس نہ جا سکی۔ تو ایک روز اچانک نائلہ اور ہمایوں کی ممی آ گئیں۔ شام کا وقت تھا وہ بابا جان کو باہر صحن میں لے آئی تھی اور خود بھی ان کے قریب ہی کرسی بچھائے بیٹھی تھی۔ اور انہیں اخبار پڑھ کر سنا رہی تھی۔ نائلہ اور ممی کو دیکھ کر چونک کر کھڑی ہو گئی۔

''بابا جان اب کیسے ہیں، عینی۔''

''ہم سب تو تمہارے لیے پریشان ہو گئے تھے۔ تم نے پھر خط تک نہ لکھا کہ بابا جان کی طبیعت اب کیسی ہے۔''

''ہاں، بس یونہی خط نہ لکھ سکی۔''

وہ انہیں اچانک دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگی ہوئی تھیں۔

ممی نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''بیٹا! تم کچھ کمزور لگ رہی ہو۔''

''جی......'' وہ کچھ نہ کہہ سکی اور مڑ کر بابا جان کی طرف دیکھا جو انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔

''بیٹی! مہمانوں کو کھڑے ہی رکھو گی یا بٹھاؤ گی بھی۔'' انہوں نے خوش دلی سے کہا۔ تو عنیزہ نے انہیں بیٹھنے کے لیے کہا۔

''آپ اب کیسے ہیں؟'' نائلہ نے بیٹھتے ہوئے عقیدت سے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں بیٹا!'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور عنیزہ سے مخاطب ہوئے۔ ''بیٹا! اپنی بی جان کو بتاؤ مہمان آئے ہیں۔''

''جی...... جی اچھا۔''

وہ چلی گئی تو نائلہ نے خود ہی تعارف کرایا۔

''یہ میری آنٹی ہیں۔ اور آنٹی یہ عینی کے بابا ہیں۔''

''یہ نیلی بہت پریشان ہو رہی تھی کہ کہیں خدانخواستہ آپ کی طبیعت زیادہ خراب نہ ہو گئی ہو۔ میں نے کہا خود چل کر پتا کر لیتے ہیں۔''

ہمایوں کی ممی نے کہا تو انہوں نے ممنون نظروں سے انہیں دیکھا۔

''یہ آپ کی محبت اور خلوص ہے۔''

''ویسے آپ کو کیا ہوا تھا؟''

''ہونا کیا تھا بیٹا! ڈاکٹر کہتے تھے معمولی سا ہارٹ اٹیک ہے۔ دراصل عماد الدین نے ختم کر دیا ہے۔ جب بوڑھے ماں باپ کو جوان بیٹا اپنے ہاتھوں قبر میں اتارنا پڑے تو وہ زندہ کہاں رہتے ہیں۔ بس زندگی گزارتے ہیں۔''

نائلہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''عینی کو بہت محبت تھی۔ عماد الدین سے وہ ہر وقت اس کا ذکر کرتی تھی۔ اور مجھے بھی بہت شوق تھا۔ اس سے ملنے کا۔ عینی سے اس کی باتیں سن سن کر یوں لگتا تھا۔ جیسے ہمیشہ سے اسے جانتی ہوں۔ وہ مجھے بالکل اجنبی نہیں لگتا تھا۔''

''ہاں بیٹا! وہ ایسا ہی تھا۔ گاؤں کا بچہ بچہ اسے یاد کر کے روتا ہے۔''

ماحول میں یک دم افسردگی گھل گئی تھی کہ عنیزہ، بی جان کے ساتھ واپس آ گئی۔

ان کے یوں اچانک چلے آنے سے عنیزہ بہت پریشان ہو گئی تھی ابھی تو اس نے بی جان سے ان کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔ کہیں بابا جان انہیں انکار نہ کر دیں۔ اس نے سوچا تھا۔ پہلے بی جان اور بابا جان کو راضی کر لے گی پھر ہمایوں سے کہے گی کہ وہ ممی کو بھیجے مگر اب کیا ہو گا۔ اس سے تو ٹھیک طرح سے کھانا بھی نہ کھایا گیا اور وہ ممی کو بی جان کے ساتھ باتیں کرتا چھوڑ کر نائلہ کے ساتھ باہر نکل آئی۔

''نیلی! تم آنٹی کو منع کر دو کہ ابھی وہ بی جان سے بات نہ کریں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ خوف محسوس ہو رہا ہے کہ اگر بابا جان نے انکار کر دیا تو......''

''کبھی نہ کبھی تو بات کرنی ہو گی۔ آج یا کل پھر......''

دراصل میں نے ابھی خود بھی بی جان سے بات نہیں کی میں سوچ ہی رہی تھی کہ انہیں بتاؤں اور اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یکا یک آنٹی کے بات کرنے کا ردعمل کیا ہو گا۔ کہیں وہ انہیں خفا ہی نہ کر دیں۔ پلیز نیلی! انہیں منع کر دو کسی بہانے سے روک دو۔''

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ آنٹی ابھی اس مقصد کے لیے نہیں آئیں۔ میں آ رہی تھی تو انہوں نے بھی پروگرام بنالیا۔ ان کا خیال تھا کہ رشتہ مانگنے سے پہلے تھوڑی سی جان پہچان ہو جائے تو اچھا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں وہ تمہارا گھر دیکھنا چاہتی تھیں اور تمہارے بابا اور بی جان سے ملنا چاہتی تھیں۔ ہمایوں کے پاپا آجائیں۔ تو باقاعدہ رشتہ لے کر تب ہی آئیں گی۔"

"او خدایا تیرا شکر ہے۔"

عنیزہ نے شکر ادا کیا۔ شام سے اس پر جو گھبراہٹ طاری تھی وہ قدرے کم ہوئی۔

"تو یہ بات تھی کہ ہمیں دیکھتے ہی تمہاری شکل پر بارہ بجنے لگے تھے۔ میں بھی حیران تھی...... کہ ہمارا آنا تمہیں اتنا برا کیوں لگا ہے؟"

"فضول باتیں چھوڑ دو یہ بتاؤ سب لوگ وہاں ٹھیک تو ہیں ناں؟"

"سب سے اگر تمہاری مراد ہمایوں بھائی سے ہے تو وہ بالکل خیریت سے ہیں۔"

"میں نے اور سب کا بھی پوچھا تھا۔" عنیزہ نے جھینپ کر کہا۔

"تمہارے دل کا حال مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ مائی سوئٹ ہارٹ آخر چار سال کا ساتھ ہے۔"

وہ دونوں اس وقت برآمدے میں کھڑی تھیں۔ تب ہی کسی کام سے سعد اللہ باہر نکلا اور سعد اللہ کو باہر آتے دیکھ کر عنیزہ کی رنگت زرد پڑ گئی۔ وہ غیر ارادی طور پر ایک دم آگے بڑھ آئی تاکہ نائلہ اس کی اوٹ میں ہو جائے لیکن سعد اللہ جو سر جھکائے آ رہا تھا۔ قریب پہنچنے پر یک دم ہی اس نے سر اٹھا کر عنیزہ کی طرف دیکھا اور عنیزہ پر سے ہوتی ہوئی اس کی نگاہ نائلہ پر پڑی تو اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ یک دم ایک قدم آگے بڑھا۔ اس کے تنے ہوئے چہرے پر نرمی سی اتر آئی۔ عنیزہ اپنی جگہ کھڑے کھڑے کانپ گئی۔

سعد اللہ کی نگاہیں نائلہ پر جمی تھیں۔ آنکھیں انجانی مسرت کے احساس سے دمک رہی تھیں اور ہونٹوں پر مسکراہٹ آ کر ٹھہری گئی۔

"السلام علیکم سعد بھائی۔"

اس نے چونک کر نظریں اس چہرے سے ہٹالیں۔ اور تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔ تو عنیزہ نے ایک اطمینان بھر گہرا سانس لیا۔ ورنہ وہ دل ہی دل میں ڈر رہی تھی کہ

سعد اللہ نجانے کیا کہہ دے۔

"چلو اندر بی جان کے پاس ہی چل کر بیٹھتے ہیں۔ آنٹی کہیں گی کہ جانے کہاں چلی گئیں۔"

اور ساتھ ساتھ چلتے ہوئے نائلہ نے بتایا۔

"پتا ہے وہاں سب تمہارے لیے فکر مند تھے۔ سب نے تمہارے بابا کی صحت کے دعائیں کی ہیں اور خرم بھائی اور نفیس وغیرہ نے تاکید کی تھی کہ تم جلدی آؤ خواہ ایک ہفتے کے لیے ہی سہی تاکہ ڈرامہ اسٹیج کیا جا سکے۔"

"مگر نیلی! میں...... پتا نہیں میں کب آسکوں۔ بابا جان ابھی پورے طور پر ٹھیک نہیں ہوئے ہیں اور بی جان کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں رہتی۔ وہ کردار کسی اور لڑکی کو دے دیں۔"

"انہوں نے ایسا کر کے دیکھا ہے۔ عنبرین ملک اور رباب کو باری باری اسکرپٹ دیا ہے۔ مگر خرم بھائی کو اطمینان نہیں ہوتا۔ ان کا خیال ہے کہ تم سے بہتر کوئی لڑکی بھی یہ رول نہیں کر سکتی۔ اور یہ کہ اگر تم نہ آئیں تو ڈرامہ نہیں ہو سکے گا۔"

"اچھا نیلی! میں کوشش تو کروں گی کہ جلد آسکوں۔"

عنیزہ نے وعدہ کیا مگر وہ یہ وعدہ پورا نہ کر سکی۔ آنٹی نے جاتے جاتے بی جان سے ذکر کر دیا تھا۔ کہ وہ عنیزہ کو بہو بنانا چاہتی ہیں۔ اور بہت جلد باقاعدہ طور پر اس کا رشتہ لے کر آئیں گی۔

اور بی جان ان کے خاندان اور گھرانے کے متعلق سن کر پریشان ہو گئی تھیں۔

"یہ کیسے ممکن ہے عینی! تم انہیں منع کر دینا کہ وہ اس مقصد کے لیے نہ آئیں۔ تمہارے بابا جان نہیں مانیں گے۔"

"مگر کیوں بی جان! کھاتے پیتے معزز لوگ ہیں اور ہمایوں بہت اچھا ہے اس میں وہ ساری خوبیاں ہیں۔ بی جان! جس کی تمنا کسی بھی لڑکی کے ماں باپ کر سکتے ہیں۔"

اس کی لانبی پلکیں جھک گئی تھیں اور رخساروں پر شفق دوڑنے لگی تھی۔

بی جان نے غور سے اسے دیکھا اور کانپتی آواز میں پوچھا۔

"تو اس سے ملتی رہی ہے۔" اسے جانتی ہے۔"

عنیزہ نے نگاہیں جھکائے جھکائے سر ہلا دیا۔

''مگر عینی!'' بی جان نے بے بسی سے ہاتھ ملے۔ ''کیا تو نہیں جانتی تھی کہ ان کے اور تیرے عقیدوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ تیرے بابا کبھی نہیں مانیں گے۔''

''لوگ تو غیر مذہب کے لوگوں میں شادی کر لیتے ہیں۔ بی جان! اور وہ تو مسلمان ہے۔ کیا اتنا کافی نہیں ہے کہ ہم ایک ہی نبیؐ کی امت ہیں۔ ایک نبیؐ ایک خدا کو مانتے ہیں۔ ہماری کتاب ایک ہے۔''

''نہیں میری جان! صرف اتنا ہی کافی نہیں ہوتا اور بھی بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے۔''

''مگر بی جان! وہ روہانسی ہوگئی۔ کیا آپ کے لیے اتنا جان لینا کافی نہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔''

''میرے لیے تو شاید اتنا ہی جان لینا کافی ہو مگر تیرے بابا اور سعد اللہ کے لیے نہیں۔ وہ نہیں مانیں گے۔''

انہوں نے متفکر نظروں سے اسے دیکھا۔

''اور کیا تو اس صدمے کو برداشت کر لے گی۔''

''میں......؟'' عنیزہ نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔ ''میں محبت سے محروم ہو کر زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ میں اپنی ذات سے منافقت نہیں کر سکتی بی جان! میں ہمایوں کی تصویر دل میں بسا کر کسی اور کا گھر آباد نہیں کر سکتی۔ آپ تو جانتی ہیں۔ بی جان محبت کیا ہوتی ہے۔ یہ کیسے انسان کو ہر رشتے سے بے گانہ کر دیتی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں اور ساتھ ہی آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتی ہوں کہ میں آپ کی طرح کمزور نہیں ہوں۔ اور پھر میں سمجھوتا نہیں کر سکتی مجھے ایسے سمجھوتوں سے نفرت ہے جو آدمی کی کمزوری کی دلیل ہوتے ہیں۔ ایسا سمجھوتا جو آپ نے اور ثمر ماموں نے کیا تھا میں آپ کی طرح قانع اور شاکر نہیں ہوں۔ مجھ میں آپ جتنا حوصلہ بھی نہیں ہے بی جان! میں......شاید اس طرح جی نہ سکوں گی۔''

''مگر......''

''بی جان کچھ نہ کہہ سکیں کہ ان کے پاس کہنے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں وہ بااختیار ہی کب تھیں۔ ان کے بس میں ہوتا تو وہ ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر انہیں ایک کر دیتیں کہ خود محبت کے کرب سے آشنا تھیں۔ وہ کب چاہتی تھیں کہ ان کی بیٹی بھی اس اذیت سے گزرے

جس سے وہ گزرتی رہی تھیں۔ جبھی تو زندگی میں پہلی بار انہوں نے بابا جان سے ضد کی۔ بحث کی مگر بابا جان کو خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس ضدی لڑکی کو کیسے سمجھائیں۔

اس پاگل لڑکی کی بات کیسے مان لیں کہ عقیدوں کا فرق بہرحال اپنی جگہ پر تھا۔ بلا سے وہ سید نہ ہوتا۔ ان کے خاندان یا برادری کا نہ ہوتا مگر ان کا ہم عقیدہ ہوتا تو وہ آنکھیں بند کر کے اس کی بات مان لیتے کہ انہیں اپنی اس بیٹی سے بڑی محبت تھی۔ یا پھر وہ ایک عام آدمی ہوتے چپکے سے اسے ہمایوں کے نکاح میں دے دیتے کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ پتا بھی نہ چلتا مگر اب تو وہ شاہ جی کی گدی پر بیٹھے تھے۔ ان کے ہزاروں عقیدت مند تھے۔ انہیں ماننے والے تھے۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں کر سکتے کہ انہیں سب کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے۔ انہوں نے بہت پیار اور محبت سے اسے سمجھایا کہ یہ فرق آگے چل کر بہت مسائل پیدا کرے گا۔

اس نے بابا جان کو کوئی جواب نہ دیا مگر وہ اپنے فیصلوں میں اٹل تھی۔

''ہمارے پہلے زخم ابھی مندمل نہیں ہوئے بیٹا! ہمیں اور زخم مت لگاؤ۔''

بی جان نے التجا کی تو وہ ان کا ہاتھ تھام کر رو دی۔

''بی جان! کیا آپ عماد الدین کے بعد مجھے بھی کھونا چاہتی ہیں؟ مجھے کھو کر زندہ رہ سکیں گی آپ؟''

اور بی جان کے پاس اس کے سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

سعد اللہ الگ خفا تھا۔

''یہ ناممکن ہے۔''

اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

اس کی فطری رعونت لوٹ آئی تھی۔ وہ جو عماد الدین کی موت کے بعد نرم پڑ گیا تھا۔ اس کی زبان پر پھر کانٹے اگ آئے تھے۔ اور آنکھیں خون برسانے لگی تھیں۔

''تم میری مخالفت اتنی شدت سے اس لیے کر رہے ہو کہ میں تمہاری سگی بہن نہیں ہوں۔''

عنیزہ نے اس کے چلائے ہوئے تیر اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

''اور اگر میں تمہاری سگی بہن...... ہوتی تو تم یقیناً میری خوشی کو اولیت دیتے۔''

''عینی!'' سعد اللہ نے اسے تڑپ کر دیکھا۔

"اور اگر نائلہ احمد کسی اور سے منسوب نہ ہوتی تو اسے اپناتے ہوئے شاید تم عقیدوں کے اختلاف کے بارے میں سوچتے ہی نہ۔"

سعد اللہ نے بے دردی سے ہونٹ کاٹے۔

"اور اگر عماد الدین ہوتا تو وہ میرے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا۔ وہ بابا جان سے اپنی بات منوالیتا مگر اسے تو تم نے۔"

اور عنیزہ نے بات نامکمل چھوڑ دی۔

سعد اللہ اضطراب سے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑتا رہا۔ وہ یک دم بہت مضبوط اور بہت بہادر ہو گئی تھی۔ محبت نے اسے قوی کر دیا تھا۔ اس کمزور لڑکی کے اندر ہمتیں بھر دی تھیں۔

"اگر تم بابا جان اپنے فیصلوں میں اٹل ہو تو میں بھی اپنے فیصلے میں اٹل ہوں۔ سعد اللہ! وہی بندوق اٹھا لو جو تم نے عماد الدین پر اٹھائی تھی۔ ابھی عماد الدین کے خون کی خوشبو اس صحن میں رچی ہے میرے خون کی بُو بھی اس میں گھل جائے گی اور میں اپنا اور عماد الدین کا خون معاف کرتی ہوں۔ قسم ہے پیدا کرنے والے رب کی کہ میں نے اپنے قتل سے پہلے ہی اپنا خون تمہیں معاف کر دیا ہے۔ اور روز قیامت میں تمہارا دامن نہیں تھاموں گی۔"

سعد اللہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"سوچ میں کیوں پڑ گئے ہو۔ اگر مجھ پر گولی چلاتے ہوئے تمہارے ہاتھ کانپتے ہیں تو رات کے اندھیرے میں......"

"عینی!" وہ اتنی زور سے چلایا کہ اس کی آواز پھٹ گئی۔ اور وہ بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

نائلہ کے دو خط آ چکے تھے مگر اس نے جواب نہیں دیا تھا۔ کہ وہ ایک خطرناک مگر نہایت اہم محاذ پر اکیلی لڑ رہی تھی۔ پھر بابا اس کی استقامت کے سامنے ہار گئے۔ سعد اللہ نے انہیں منا لیا تھا مگر انہوں نے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے ہم اس کی شادی اس کی مرضی سے کر دیں گے۔ اسے اسی طرح رخصت کریں گے جیسے بیٹیاں باپ کے گھر سے رخصت ہوتی ہیں مگر شادی کے بعد ہم اس

سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔ تاکہ کسی کو پتا نہ چل سکے کہ وہ کس خاندان کس مسلک کے لوگوں میں بیاہ کر گئی ہے۔"

اور وہ جو اپنی دانست میں محبت کی سب سے ارفع منزل پر تھی۔ اس نے ایک محبت پانے کے لیے سارے رشتے ناتے توڑ لیے۔ اس نے بابا جان کا فیصلہ مان لیا اور تھکی ماندی مگر دل میں نئی امیدوں اور خوش گوار تمناؤں کو بسائے لاہور سے اپنا رزلٹ کارڈ لیتی ہوئی نائلہ کے پاس پہنچ گئی۔ سب نے ہمیشہ کی طرح اس کا خیر مقدم بڑے پر جوش انداز میں کیا۔ لیکن نائلہ کچھ خاموش تھی۔

"تم نے بہت دیر لگا دی عینی!"

"ہاں کچھ دیر ہی ہو گئی مگر میں فتح یاب ہو کر لوٹنا چاہتی تھی۔ اور نیلی ڈیر میں کامیاب لوٹی ہوں۔ میں نے ایک طویل جنگ لڑی ہے۔ نیلی! ایک اعصاب شکن جنگ اس ایک ماہ کے عرصے میں کئی بار ایسا ہوا کہ میرے اعصاب چٹخنے لگے اور میں نے سوچا ہتھیار پھینک دوں مگر پھر کہیں سے ہمایوں کی محبت کمک بن کر میری توانائیاں بڑھا دیتی۔ میں پھر سے تازہ دم ہو جاتی اور نیلی جان! بالآخر میں جیت گئی۔"

نائلہ نے افسردگی سے اسے دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیسے بتائے کہ وہ تو جیت گئی ہے مگر ہمایوں ہار گیا ہے۔

"عینی!" نائلہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اپنے بازو اس کے گلے میں حمائل کر دیے۔

"بعض اوقات ایسا نہیں ہوتا عینی! جیسا ہم سوچتے ہیں۔ ہمارے خواب بے تعبیر ہوتے ہیں۔ اور ہماری خواہشیں تشنہ رہ جاتی ہیں۔ میں اکثر سوچا کرتی تھی کہ تم اور خرم بھائی دونوں ساتھ ساتھ زندگی بسر کرتے ہوئے کتنے اچھے لگو گے مگر ایسا نہیں ہوا۔ میرے خواب بے تعبیر رہ گئے۔ یہ زندگی ایسی ہی ہے۔ عینی! یہاں کسی کو حسب خواہش کچھ نہیں ملتا۔" تم...... تم کہنا کیا چاہتی ہو نیلی! عنیزہ پریشان ہو گئی۔

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ آدمی کو ہر قسم کے حالات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ شکست یا جیت دونوں ہی آدمی کا مقدر بن سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ صرف جیت ہی آدمی کا مقدر ہو۔"

''تم صاف صاف کہو کیا بات ہے؟''

''وہ دراصل ہمایوں کے پاپا اس رشتے پر رضا مند نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ تمہارے اور ان کے مسلک میں بہت فرق ہے۔ وہ جس فقہ کے حامی ہیں تم اس فقہ کی نہیں ہو۔ وہ اپنے عقیدے میں بڑے کٹر ہیں۔ اور یہ جوان دنوں وہ اسٹیٹ گئے ہوئے تھے نا تو اپنی جماعت کے تبلیغی دورے پر گئے ہوئے تھے۔''

''اوہ!'' عنیزہ نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ''یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمایوں یقیناً اپنے پپا کو منالے گا۔ تمہیں پتا ہے نیلی! میں بھی تو بڑے طوفانوں سے لڑ کر آئی ہوں۔ میرے بابا تو اپنے عقیدے میں پختہ تھے۔ لیکن اولاد کی محبت عقیدوں...... سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ تم دیکھنا نیلی! عقیدہ ہار جائے گا۔ محبت جیت جائے گی۔''

اس نے بڑے یقین اور بڑے مان سے کہا اور نیلی کی اتنی ہمت ہی نہ ہو سکی کہ وہ اسے بتا سکے کہ محبت ہار گئی ہے اور یہ کہ ہمایوں کی تو منگنی بھی ہو چکی ہے۔ ایک خوبصورت لڑکی سے جو اتنی حسین نہ سہی جتنی کہ تم ہو مگر پھر بھی اسے خوبصورت کہا جا سکتا ہے کہ اس کی آنکھوں میں وہ سحر ہے جو مقابل کو اسیر کر لیتا ہے اور اس کے ہونٹوں کی دلفریب مسکراہٹ میں اس کے وجود کی ساری کشش اکٹھی ہو گئی ہے اور یہ کہ اس کا میگنیٹک فیلڈ (مقناطیسی حلیہ) بہت طاقتور ہے اتنا کہ اس کی محبت اس کے سامنے کمزور پڑ گئی ہے۔

لیکن وہ یہ سب کچھ اسے نہ بتا سکی کہ اسے ڈر تھا کہ وہ جو ہمایوں کی محبت پر الہامی کتابوں جیسا یقین رکھتی ہے۔ اسے برداشت نہ کر پائے گی۔ اس نے سوچا ہولے ہولے وہ اسے ذہنی طور پر تیار کرے گی۔ پھر سہج سہج کو اسے بتائے گی۔ وہ چاہتی تھی کہ حقیقت کی تلخی کو شوگر کوٹیڈ گولیوں کی طرح لفظوں کے بہلاوے میں چھپا کر پیش کرے۔ وہ افسردہ سی اسے کمرے میں اکیلا چھوڑ کر باہر نکل آئی کہ اسے یوں لگتا تھا جیسے اگر وہ کچھ دیر اور اس کے سامنے بیٹھی تو رو دے گی۔

کوریڈور میں اسے خرم مل گئے جو اسکرپٹ ہاتھ میں لیے ادھر ہی آ رہے تھے۔

''عینی کہاں ہے؟''

''میرے کمرے میں ہی ہے لیکن خرم بھائی! پلیز آپ اسے ہمایوں بھائی کے متعلق کچھ نہیں بتایئے گا۔''

خرم نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں خرم بھائی وہ ایسی ہی ہے۔ اس کے جذبوں میں بڑی شدت ہے اور پھر اس نے ہمایوں کی خاطر اپنے خاندان سے ٹکر لی ہے اور بڑی مشکلوں سے اپنی بات منوائی ہے اور جب اسے پتا چلے گا کہ جس کی خاطر وہ لڑ رہی ہے وہ کسی اور کا بن چکا ہے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔

خرم اسکرپٹ ہاتھوں میں لیے ہوئے اندر چلے گئے۔

اسے یہاں آئے چھ دن ہو چکے تھے۔ مگر ہمایوں کہیں نظر نہیں آیا۔ نیلی نے بتایا تھا کہ وہ لاہور گیا ہوا ہے۔ وہ جلد از جلد ہمایوں سے مل کر اسے خوشخبری سنانا چاہتی تھی۔ مگر وہ آ ہی نہیں رہا تھا۔

ڈرامہ اسٹیج کرنے کی تیاری مکمل ہو گئی تھی۔ اسکرپٹ تو اسے یاد ہی تھا۔ بس دو تین بار ریہرسل کرنی پڑی تھی۔ اس روز صبح جناح ہال میں ڈرامہ ہو رہا تھا۔ اگرچہ یہ ڈرامہ ماخوذ تھا لیکن خرم کے ڈائیلاگ بڑے جاندار تھے۔ اور امید تھی کہ ان کی پہلی کوشش کافی کامیاب رہے گی۔

شام کا وقت تھا۔ وہ ڈرامے کے بارے میں ہی خرم سے کوئی بات پوچھنے کے لیے ان کے کمرے میں گئی۔ مگر خرم وہاں موجود نہیں تھے۔ چنانچہ وہ اور نیلی وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ تب ہی ہمایوں آ گیا۔

وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔ پھر بیٹھ گئی۔ ہمایوں اسے وہاں بیٹھے دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے پریشان ہو گیا۔ پھر مسکراتا ہوا آگے بڑھ آیا

''ہیلو کیسی ہو عینی! کب آئیں؟''

''چند دن ہوئے مگر تم کہاں تھے ہمایوں۔''

''میں بس یہیں تھا۔''

نائلہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ بیٹھیں ہمایوں بھائی! میں دیکھتی ہوں خرم بھائی کہاں ہیں؟''

وہ باہر نکل گئی تو عنیزہ مسکرائی۔

''ہمایوں! تمہارے پپا آ گئے ہیں نا؟''

''ہاں۔'' ہمایوں نے شیلف سے ایک کتاب نکالی اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔

''اب تم جب چاہو ممی کو ہمارے گھر بھیج دو۔ میں نے بابا کو راضی کر لیا ہے، ہمایوں۔''

''ہاں۔اچھا۔'' وہ چونکا۔

''تم کیا سوچ رہے ہو ہمایوں! تمہیں خوشی نہیں ہوئی کہ......''

''دراصل...... دراصل بات یہ ہے عینی! کہ میرے پاپا رضا مند نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عقیدوں کا فرق آگے چل کر بڑے مصائب پیدا کرتا ہے۔''

''محبت کا کوئی مذہب کوئی عقیدہ نہیں ہوتا ہمایوں'' بابا کہتے ہیں کہ یہ شادی سرے سے ناجائز ہے۔ دراصل وہ اپنے مسلک میں بہت پختہ ہیں۔''

''محبت کا اپنا ایک الگ مسلک ہوتا ہے۔ ہمایوں! اور میرا مسلک محبت ہے۔ میں اپنا عقیدہ اپنے میکے کی دہلیز پر ہی چھوڑ آؤں گی۔ میرا مسلک میرا عقیدہ میرا فقہ وہی ہے جو تمہارا ہے۔''

''کاش تم چک امیر علی شاہ کے گدی نشین پیروں کی اولاد ہونے کے بجائے ایک عام اور معمولی لڑکی ہوتیں عینی! تو شاید میں انہیں منالیتا مگر اب نہیں۔ پاپا ان کے سخت مخالف ہیں۔''

''تم اب بھی پاپا کو منا سکتے ہو ہمایوں؟''

''میں بہت مجبور ہوں عینی!''

''کیا مرد بھی مجبور ہو سکتے ہیں ہمایوں، میں نے لڑکی ہو کر تمہارے لیے جنگ لڑی ہے اور تم...... مجھے یقین نہیں آتا کہ تم اتنی جلدی ہار مان لو گے۔ نہیں ہمایوں میرے ساتھ ایسا جان لیوا مذاق مت کرو۔ تم تو مجھ سے زیادہ پاورفل ہو کہ مرد ہو۔ اور پھر اکلوتے بیٹے ہو ترپ کے سارے پتے تو تمہارے ہاتھوں میں ہیں پھر تم کیسے ہار سکتے ہو۔''

عنیزہ نے غور سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں وہ وارفتگی اور اشتیاق نہ تھا جو پہلے ہوتا تھا۔ اس کے دل کو ٹھوکر سی لگی۔

''تم اتنے بے نیاز سے کیوں بیٹھے ہو ہمایوں کچھ تو کہو۔ کوئی تو امید دلاؤ۔ اپنے پاپا

کو منالو پلیز۔'' اس نے ملتجی نظروں سے اسے دیکھا۔

''سوری عینی!'' وہ کھڑا ہو گیا۔ ''میں نے تمہیں پورے خلوص سے چاہا تھا۔ محبت کی تھی۔ مگر میں ایک اپنی خوشی کے لیے سب کی خوشیوں کو قتل نہیں کر سکتا۔ پلیز عینی! مجھے معاف کر دو اور مجھے اپنی محبت کے حصار سے آزاد کر دو۔ آئی ریکویسٹ پلیز...... یہ میری التجا ہے پلیز۔''

عنیزہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔
ہزاروں موسموں کے خواب
اور صدیوں قدیمی ربط کی پونجی
پرسودے بازوں کی بھینٹ لگتی ہے
نگاہیں آسمانوں سے ستارے توڑ لانے میں جب ناکام رہتی ہیں۔

''ہم اچھے دوست تھے عینی! اور ہمیشہ اچھے دوست رہیں گے۔ پہلے کی طرح ملا کریں گے۔ تم کوئی ملال اپنے دل میں میرے لیے نہ رکھنا۔ مجھ سے خفا مت ہونا پلیز۔''

عنیزی نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہمیں رخصت کر دو۔
اور ہم سے ملنے کی دعا کرتے رہو۔
کہ ہم نے دور جانا ہے۔
ہزاروں موسموں کے خواب کی تعبیر لانا ہے۔

''خدا حافظ عینی......!'' ہمایوں اس کی طرف ذرا سا جھکا۔ ''ہم ملتے رہیں گے ہمیشہ......''

''تو تم فرہاد نہ تھے کہ میرے لیے نہر کھودتے مجنوں نہ تھے کہ جنگلوں میں نکل جاتے اور میں تمہارے لیے ہشت منزلیں طے کر کے آئی تھی مگر تم نے اپنے پاپا کا فیصلہ بغیر کسی احتجاج کے قبول کر لیا جیسے یہ زندگی کا معاملہ نہ تھا عام سی معمولی سی بات تھی۔ جیسے بچے کو من پسند کھلونا نہ ملے تو وہ دوسرا کھلونا پا کر بہل جاتا ہے۔ تم بھی بہل گئے ہو۔ ہمایوں نصیر تمہارے نزدیک ایک محبت بھرا دل محض ایک کھلونا ہے۔

نائلہ نے ڈرتے ڈرتے جھانک کر دیکھا۔ وہ ساکت بیٹھی تھی۔ اور اس کا چہرہ پتھر کی طرح سخت ہو رہا تھا۔ اور آنکھیں منجمد سمندروں کی طرح لگ رہی تھیں۔ نائلہ نے اطمینان سے سانس لیا کہ وہ اس صدمے کو پامردی سے جھیل گئی ہے۔

’’عینی!‘‘

’’ہوں۔‘‘ اس نے سر اٹھایا۔

’’کیا سوچ رہی ہو۔‘‘

’’میں سوچ رہی ہوں نیلی! کہ بعض اوقات انسان کتنا بے خبر اور نادان ہوتا ہے۔ کہ اپنی ساری توانائیاں زمین کے اس ٹکڑے کو حاصل کرنے کے لیے خرچ کر دیتا ہے۔ جس کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔‘‘

نائلہ نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر ہولے سے دبایا اور اپنے مخصوص انداز میں اسے ڈانٹا۔

’’بڑا شوق تھا تمہیں محبت کرنے کا دیکھ لیا نا محبت کا انجام پتا نہیں تمہیں کس احمق نے اس حماقت کا مشورہ دیا تھا۔ میں محبت کرنا چاہتی ہوں نیلی......! جانے کیا کیا کہا کرتی تھیں تم یہ محبت انتہائی لغو اور فضول شے ہے۔ چلو اٹھو اپنے کمرے میں چلتے ہیں اور یہ ہمایوں بھائی پر لعنت بھیجوان پر۔‘‘

’’کم آن۔‘‘

عنیزہ کھڑی ہوگئی مگر اس کی آنکھیں بجھے ہوئے انگاروں کی طرح لگنے لگی تھیں اور چہرے پر دھول اڑ رہی تھی۔ شریانوں میں دوڑتا لہو جیسے تھم سا گیا تھا۔ دماغ کی رگیں ٹوٹ رہی تھیں۔ پتا نہیں رات کیسے گزری تھی۔ وہ سوئی بھی تھی یا نہیں۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ صبح مشینی انداز میں اٹھی تھی۔ اور بے خبری کے عالم میں ہی تیار ہوگئی تھی۔ رات سے اس نے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ نائلہ کے بے حد اصرار پر اس نے ایک کپ چائے لی تھی۔ اور اب کوریڈور میں کھڑی خرم وغیرہ کا انتظار کر رہی تھی۔ خرم نے تشویش سے اسے دیکھا۔

’’عینی! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟‘‘

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

’’مگر مجھے تم کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی ہو لیکن...... اب کیا ہو سکتا ہے۔‘‘

’’ہال کی بکنگ ہو چکی ہے۔ انویٹیشن کارڈز دیے جا چکے ہیں۔ اور اب...... ڈرامہ کیسے ملتوی کریں۔

’’نہیں میں ٹھیک ہوں۔‘‘

عنیزہ نے آہستگی سے کہا اور نائلہ کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

آرٹس کونسل میں کافی رونق تھی۔ ہال تقریباً بھرا ہوا تھا۔ وہ نائلہ اور نمبرہ کو ہال میں چھوڑ کر ڈریسنگ روم کی طرف جا رہی تھی۔ نہ جانے کہاں سے ہمایوں نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔ لمحہ بھر کو وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

’’ہیلو عینی۔‘‘

’’ہیلو!‘‘ اس کے لب ہلے مگر آواز نہیں نکل سکی۔

’’خفا ہو۔ یقین کرو میں بہت مجبور ہو گیا تھا۔ میں پاپا اور مما کو ناراض نہیں کر سکتا تھا عینی مگر میں نے تم سے محبت کی ہے۔ میرے دل میں تمہارے لیے ہمیشہ......‘‘

’’ہومی ڈیر!‘‘

کسی نے بلایا تو دونوں نے بیک وقت مڑ کر دیکھا۔ پرکشش براؤن آنکھیں خوبصورتی سے ترشے ہوئے سنہری مائل بھورے بال اور گداز لبوں پر سجی ہوئی قاتل مسکراہٹ۔

’’یہ عینی ہے نیلی کی دوست۔‘‘ ہمایوں نے تعارف کرایا۔

’’ہائے۔‘‘ وہ نخوت سے بولی۔

’’اور یہ طلوع ہے۔‘‘

’’صرف طلوع نہیں بلکہ......‘‘ اس نے ایک ادا سے ہمایوں کی طرف دیکھا...... ’’منگیتر بھی۔‘‘

اور کھلکھلا کر ہنس دی۔

اس کے اندر جیسے سب کچھ ڈوبتا چلا گیا۔

’’عینی......! عینی!‘‘ خرم اس کے قریب چلے آئے۔

’’تم یہاں ہو میں تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔‘‘

اس کا جی چاہا وہ کہے خرم بھائی مجھے سہارا دیجیے۔ مگر اس نے کچھ نہیں کہا۔

اور مضبوطی سے قدم اٹھاتی ان کے ساتھ چل پڑی۔خرم نے تاسف سے اسے دیکھا اور اس کی توجہ بٹانے کے لیے ادھرادھر کی باتیں کرنے لگے۔حالانکہ اس سے قبل انہوں نے ایسی باتیں کبھی نہیں کی تھیں۔ڈریسنگ روم کے پاس پہنچ کر وہ ذرا سا رکے۔

''اسکرپٹ تو یاد ہے نا۔''

اس نے سر ہلا دیا اور اندر چلی گئی۔خرم لمحہ بھر وہیں کھڑے رہے پھر ہولے سے سر کو جھٹک کر ہال کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

ڈرامہ شروع ہو چکا تھا۔لوگ دم بخود سے بیٹھے دیکھ رہے تھے۔یہ ایک ایسی لڑکی کی کہانی تھی جو چاہتی تھی کہ اس کا محبوب نغموں کے آخری کناروں پر اپنے آپ کو گم کر دے اس کا خیال تھا کہ نغمہ درد کی آغوش میں پروان چڑھ کر ہی نغمہ بنتا ہے۔اس لیے وہ چاہتی تھی کہ اس کا محبوب اسے بھلا دے اور اس کی جدائی اس کے گیتوں میں سوز پیدا کر دے۔

پردہ ہولے ہولے اٹھتا ہے۔اسٹیج پر ایک متوسط گھرانے کے ڈرائنگ روم کا منظر ہے۔عنیزہ اسٹیج کے وسط میں کھڑی ہے۔اس کی آنکھوں سے کرب جھانک رہا ہے۔چہرے سے پریشانی چھلک رہی ہے۔وہ اضطراب کے عالم میں بار بار اپنی انگلیاں مروڑتی ہے چاروں طرف وحشت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہے اور پھر تھکے تھکے انداز میں صوفے پر گر جاتی ہے۔ہولے ہولے اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔وہ آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرتی ہے۔مگر ناکام رہتی ہے تو دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیتی ہے۔تب ہی ڈرامے کا ہیرو وسیم اسٹیج پر آتا ہے۔اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں گلے میں گٹار ہے۔''

''زریں......''

وہ اس کے قدموں کے پاس نیچے قالین پر بیٹھ جاتا ہے اور گٹار گلے سے اتار کر اس کے پاؤں کے پاس رکھ دیتا ہے۔

''یہ میرے بس کی بات نہیں ہے زریں۔یہ اپنا دیا ہوا ساز واپس لے لو اور مجھے اپنی رفاقت دے دو۔میں تم سے بچھڑ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔''

''نہیں۔'' وہ تڑپ کر ہاتھ چہرے سے ہٹا لیتی ہے۔تم میری طرف نہ دیکھو وسیم ساز کے دل کی ان میٹھی دھڑکنوں کو سنو جن میں میری محبت کا سوز جاگ رہا ہے۔میں چاہتی

ہوں تمہارے نغموں میں وہ سڑی اٹھان پیدا ہو جائے جو کائنات کی طنابیں کھینچ دے تمہارے نغموں کی جھنکار روح سے سرگوشیاں کرے میں تمہیں فنکار بنانا چاہتی ہوں وسیم!''

''ایسی ظالم خواہش تمہارے دل میں کیوں پیدا ہوئی زریں! جو مجھ سے میری منزل گم کر رہی ہے۔تم اتنی سنگ دل نہیں ہو سکتیں زریں! تم تو مجھ سے لافانی محبت کا دعوا کرتی تھیں۔''

وہ بے زاری سے اپنے ہونٹوں کو کاٹتی ہے۔

''تمہیں مجھے بھلانا ہو گا وسیم! فنکار بننے کے لیے یہ ضروری ہے۔میری محبت جاوداں ہو جائے گی۔تم مجھ سے ساز کے پردوں میں میٹھی میٹھی سرگوشیاں کرو گے۔میری محبت نکھر جائے گی۔''

''ادھر دیکھو میری طرف......مجھ سے نظریں ملا کر بات کرو۔''

مگر وہ اس کی طرف نہیں دیکھتی۔

''تم مجھے کھو کر زندہ نہیں رہ سکو گی زریں! اپنے آپ کو دھوکا مت دو۔'' وہ ملتجی نظروں سے اسے دیکھتا ہے۔

''کن راہوں میں مجھے گم کرنا چاہتی ہو......؟'' زریں! کیوں یہ چاہتی ہو کہ میری محبت تمہارے دل میں دھڑکن نہ بنے۔''

''نہیں۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں کہتی ہے۔'' میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے اپنے ساز کے تاروں کی لرزش میں سمو دو۔''

وہ تلخی سے ہنستا ہے اور گٹار اٹھا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا لیتی ہے۔

وسیم ایک نظر اس پر......ڈالتا ہے اور اس کی انگلیاں ہولے ہولے گٹار پر لرز رہی ہیں اور پھر ایک نغمہ ابھرتا ہے۔اس کے ہونٹ ہولے ہولے ہل رہے تھے۔اور وہ یونہی گاتا ہوا اسٹیج سے نیچے اتر جاتا ہے۔آواز دور ہوتے ہوتے معدوم ہو جاتی ہے۔

لوگوں نے تالیاں بجا کر پسندیدگی کا اظہار کیا خرم نے اسٹیج سے اتری ہوئی عنیزہ کو دیکھا جس کی رنگت خطرناک حد تک سفید ہو رہی تھی۔

''تم ٹھیک تو ہو عینی!'' خرم بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔

اس نے سر ہلا دیا۔

"او مائی گاڈ! عینی! تم نے کس غضب کی اداکاری کی ہے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہ سب کچھ تم پر سے بیت رہا ہو۔ جیسے تم بچھڑنے اور کھو دینے کے کرب سے حقیقت میں گزر رہی ہو۔"

رباب فاطمہ نے تعریف کی۔

"تمہیں کیا خبر رباب فاطمہ! کہ میں سچ مچ کھو دینے اور بچھڑ جانے کے کرب سے گزر رہی ہوں۔" اس نے سوچا اور افسردگی سے مسکرادی۔

"تم بیٹھو عینی! میں تمہارے لیے جوس منگواتا ہوں یوں بھی ابھی تمہارا پارٹ نہیں ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں خرم بھائی! آپ یوں ہی پریشان ہو رہے ہیں۔"

"حوصلہ رکھو عنیزہ بی بی!" وہ چپکے سے اس کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔

"بس اب دو تین سین کی بات ہے پھر ہم ڈاکٹر کے پاس چلیں گے تم چھپا رہی ہو مگر میں محسوس کر رہا ہوں کہ تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔"

وہ اپنی بھاری اور بوجھل آنکھیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

ان کی آنکھوں میں ہمدردی اور خلوص اور محبت۔ بیک وقت بہت سے جذبے موجزن تھے۔

عنیزہ نے نگاہیں جھکا لیں۔

اسٹیج کا منظر بدل گیا تھا۔ خوبصورتی سے سجا سجایا ڈرائنگ روم جہاں بے حد نفیس کپڑے پہنے اور سلیقے سے بال بنائے وسیم بیٹھا ہے۔ قریب ہی ایک لڑکی بیٹھی سیب چھیل رہی ہے۔ کبھی کبھی وہ سیب کاٹتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھتی ہے۔ قریب ہی میز پر گٹار پڑا ہے۔

پریشان حال سی عنیزہ اندر داخل ہوتی ہے۔ اس کے کپڑے میلے اور شکن آلود ہیں۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہیں۔ بال الجھے ہوئے ہیں۔ وہ لڑکی کی طرف دیکھے بغیر بے تابی سے وسیم کی طرف بڑھتی ہے۔

"تم یہاں ہو وسیم اور تمہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے میرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ میری آنکھیں تمہیں دیکھنے کو ترس گئی ہیں۔ وسیم!"

"مگر تم نے تو کہا تھا۔ میں تمہیں بھلا دوں اور جب تمہاری یاد آئے تو ساز کے پردوں میں اور گیت کے بولوں میں تم سے گفتگو کروں۔"

"میں نے جھوٹ بولا تھا وسیم! غلط کہا تھا میں تو تب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔ مگر تم تو پتا نہیں کہاں چلے گئے تھے۔"

"مجھے یہ خاتون یہاں لے آئیں۔ میں غم کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ مجھے خوشی کے اجالوں میں لے آئیں۔ تم نے مجھے دکھوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اس نے مجھے خوشیوں سے روشناس کرا دیا۔"

"میں ان خاتون کی شکر گزار ہوں۔ مگر اب تم گھر چلو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہے۔

"مگر کون سے گھر۔" دوسری لڑکی مہذب انداز میں پوچھتی ہے۔

"اپنے گھر۔"

"مگر ان کا گھر تو یہی ہے۔" وہ مسکراتی ہے۔ "میں سمجھ نہیں پا رہی کہ آپ کا میرے شوہر سے کیا ناتا ہے۔"

وہ زخمی نظروں سے وسیم کی طرف دیکھتی ہے جو میز پر پڑا ہوا گٹار اٹھا لیتا ہے اور ایک طربیہ دھن بجاتا ہے۔ وہ مڑ کر سامعین کی طرف دیکھتی ہے۔ اس کی رنگت زرد ہو رہی ہے۔ آنکھوں میں دھول اڑ رہی ہے۔ اس کی نگاہ بالکل اسٹیج کے سامنے بیٹھے ہوئے ہمایوں پر پڑتی ہے جس کے لبوں پر وہ دلفریب مسکراہٹ ہے اور طلوع کا ہاتھ...... اس کے ہاتھوں میں دبا ہے وہ ڈولتے قدموں سے واپس مڑتی ہے۔

"میں التجا کروں گی کہ جاتے جاتے میرے شوہر کو اپنی محبت کے حصار سے آزاد کر دو۔"

وہ نگاہیں اٹھا کر دونوں کی طرف دیکھتی ہے اور لٹی لٹی سی مڑ جاتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی پردہ گر جاتا ہے۔ جب دوبارہ پردہ اٹھتا ہے تو وہ اسٹیج کے وسط میں کھڑی یوں آگے پیچھے ہو رہی ہے جیسے ابھی گر جائے گی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ اور آنکھوں میں وحشت تھی۔ وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

ہال میں اتنی خاموشی تھی کہ سوئی گرنے کی آواز بھی سنائی دے۔ لوگ سانس روکے اسے دیکھ رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہوئے اسٹیج سے نیچے کونے میں کھڑے خرم ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ اگر دکھ حزن و ملال کی کوئی مجسم صورت ہوتی تو وہ ہو بہو ایسی ہی ہوتی جیسے اس وقت عنیزہ دکھائی دے رہی ہے۔ غم واندوہ کی مکمل تصویر۔

ہمایوں نے جھک کر طلوع کے کان میں سرگوشی کی اور اپنا بازو اس کی کرسی کی پشت پر پھیلا دیا..... عنیزہ کی آنکھوں میں ریت سی چبھنے لگی۔

''یہ جو ریگ دشت فراق ہے۔''

وہ زیر لب کہتی ہے اور ایک قدم آگے بڑھتی ہے۔

''یہ رکے اگر۔''

اس کی نگاہیں ہمایوں اور طلوع پر تھیں۔

''یہ رکے اگر تو پتا چلے۔

کہ جو خامیوں کی صلیب ہے۔

وہ گڑی ہوئی ہے کہاں کہاں۔''

ہمایوں اس کی طرف دیکھتا ہے اور کچھ گھبرا سا جاتا ہے۔

وہ مسلسل اسی کی طرف دیکھ رہی تھی

''اور تم نے دشت فراق میں پھینک دیا ہے۔ مگر میں۔''

وہ جھٹکے سے آگے ہوتی ہے جیسے ابھی اوندھے منہ گر جائے گی لیکن پھر سیدھی ہو جاتی ہے۔

''میں اس دشت میں بھی تمہاری یاد کے پھول کھلا لوں گی میں نے محبت کی ہے۔ اور میں نے محبت کا راز پا لیا ہے اور تم جو محبت کے مفہوم سے نا آشنا ہو۔ آؤ تمہیں بھی سکھا دوں کہ محبت کیا ہے۔''

وہ ایک قدم آگے بڑھتی ہے۔

''مجھے اپنی محبت کے حصار سے آزاد کر دو۔''

اس کی آواز قدرے بلند ہو جاتی ہے۔

نجیب گھبرا کر خرم کی طرف دیکھتا ہے۔

''یہ ڈائیلاگ تو اسکرپٹ میں نہیں تھے۔''

''ہاں۔''

خرم کی نگاہیں بھی اسی پر تھیں۔

''شاید وہ اپنے آپ میں نہیں ہے۔''

''اور میں نے تمہیں اپنی محبت کے حصار سے آزاد کر دیا ہے کہ محبت محبوب کی خوشی کا نام ہے۔''

نفیس دوڑا دوڑا خرم کے پاس آتا ہے۔

''پردہ گرا دیں۔''

''نہیں۔'' خرم نے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔

''میں نے۔'' وہ لڑکھڑاتی ہے مگر پھر سنبھل کر سیدھی ہو جاتی ہے۔

''محبت کا کوئی مذہب، کوئی فقہ، کوئی عقیدہ نہیں ہوتا۔'' اس کی آنکھیں خون ہو رہی تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے ابھی ان سے خون ٹپک پڑے گا۔

ہمایوں نے اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اور طلوع کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہولے سے دبایا۔

''وہ میرے نصیب کی بارشیں۔''

وہ مسکرائی۔

''کسی اور چھت پہ برس گئیں۔ وہ میرے نصیب کی بارشیں۔''

اس نے اپنی آنکھوں کو کھولا اور بند کیا پھر کھولا۔

''محبت کھلونا نہیں ہے۔''

اس کی آوز میں ایسا کرب تھا جیسے وہ ٹوٹے ہوئے کانچ پر ننگے پاؤں کھڑی ہو۔

''محبت زندگی ہے......

اور تم نے محبت کی توہین کی ہے۔ تم نے زندگی کی نفی کی ہے۔''

وہ پھر لڑکھڑاتی ہے۔

''جاؤ مجھے کسی سے سرگوشیاں کرنے دو۔ کسی کے ساز کے پردوں میں بلانے دو۔''

''خرم صاحب! خرم صاحب! پلیز، میں پردہ گرانے لگا ہوں۔''

''میں نے تمہیں معاف کیا۔''

وہ کورش کے انداز میں جھکتی ہے۔

''ہمیں رخصت کرو۔

کہ ہم نے دور جانا ہے۔

شہرِ تمنّا

"دراصل مجھے مصلوب ہونے سے کوئی دلچسپی نہیں۔"
اس نے جلدی جلدی بیگ میں کپڑے ٹھونستے ہوئے کہا۔ "لہٰذا میں اس قربان گاہ سے جا رہی ہوں۔"
"مگر..... مگر تم اس طرح کیسے جا سکتی ہو عبیر؟"
اسما نے گھبرا کر کہا۔
"جیسے آئی تھی ٹرین پر بیٹھ کر۔"
وہ بڑے اطمینان سے بولی۔
"لیکن تم جاؤ گی کہاں؟ کس کے پاس؟"
"گھر۔"
"کس کے گھر۔"
"اپنے گھر..... جہاں زندگی کے اٹھارہ برس میں نے گزارے ہیں۔ میں اس گھر میں اکیلی بھی رہ سکتی ہوں۔ میں آپ سب کی طرح بزدل نہیں ہوں۔"
"لیکن عبیر۔" اسماء نے افسردگی سے کہا۔
"وہ گھر تمہارا نہیں تھا۔ جو حق دار تھے، جو وارث تھے تمہارے آنے کے چند دنوں بعد ہی انہوں نے اس گھر کو فروخت کر دیا ہے۔"
"فروخت کر دیا؟"
وہ رو سی دی۔
"اور مجھے بتایا تک نہیں۔ مجھ سے پوچھا بھی نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ میں پاپا کی سگی بیٹی

نہیں لیکن انہوں نے مجھے بیٹی ہی بنایا تھا اور ممی ہمیشہ کہتی تھیں کہ یہ گھر تمہارا ہے عبیر۔ تم شادی کے بعد بھی یہاں ہی رہنا۔"

"لیکن اب انکل نصیر اور آنٹی اس دنیا میں نہیں ہیں اور شاید موت نے انہیں مہلت نہیں دی تھی کہ وہ سب کچھ تمہارے نام کر سکتے۔"

"مجھے سب کچھ کی ضرورت نہیں تھی اسماء لیکن وہ گھر۔ وہ گھر تو میرا تھا۔ سب کو پتا ہے میں ان کی بیٹی ہوں۔"

"بڑے ابا اسی لیے تو تمہیں لے آئے تھے آنٹی کی موت کے بعد...... وہاں اب تمہارے رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اور انکل نصیر کے بڑے بھائی نے خود بڑے ابا سے کہا تھا کہ وہ تمہیں لے جائیں۔ سو اب تمہیں یہاں ہی رہنا ہے۔ اسی گھر میں۔ چاہے قربان گاہ کہو۔ چاہے زنداں جانو۔"

"ٹھیک ہے۔"

اس نے جتنی تیزی کے ساتھ بیگ میں کپڑے ٹھونسے تھے۔ اتنی ہی تیزی کے ساتھ نکال کر پلنگ پر ڈھیر کر دیے۔

"لیکن اسماء افضل! میں تمہاری اور آپی کی طرح گھٹ گھٹ کر زندگی نہیں گزار سکتی......اور دیکھو بڑے ابا سے کہہ دو کہ میں کل سے کالج جاؤں گی۔"

"میں......میں کہوں بڑے ابا سے۔"

اسماء نے بوکھلا کر اسے دیکھا۔

"ہاں تم بتا دینا انہیں۔"

"مگر میں تو ابا میاں سے بھی کم ہی بات کرتی ہوں۔ اور بڑے ابا۔"

"اچھا تو ابا میاں سے کہہ دینا۔"

"تم خود کیوں نہیں کہہ دیتیں۔"

"دراصل وہ مجھے کچھ اجنبی اجنبی غیر غیر سے لگتے ہیں۔"

"وہ تمہارے ابا ہیں۔"

"ہوں گے۔ مگر میں نے اب تک پاپا کو ہی اپنا باپ سمجھا تھا۔ اور پاپا کی کیا بات تھی۔ سچی اسی اتنے فرینک تھے۔ اکثر ہم کارڈز کھیلتے تو بے ایمانی کرتے تو میں لڑ پڑتی تھی۔"

"انکل نصیر تمہارے ساتھ کارڈز کھیلتے تھے؟"

اسماء نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں ہم کارڈز کھیلتے، کیرم کھیلتے اور منوپلی بھی۔ پاپا ہار جاتے تو ہمیں آئس کریم کھلانے لے جاتے۔ اور یہ تمہارے ابا میاں ایک دم سے کتنے سڑیل سے لگتے ہیں۔ ہر وقت ماتھے پر بل ڈالے ہوئے، غصیلی نظروں سے سب کو دیکھتے ہوئے۔ اور بڑے ابا ان سے بھی دو ہاتھ آگے۔ کل بڑی اماں سے کیسے بات کر رہے تھے جیسے ان کی بیوی نہ ہوں زر خرید غلام ہوں اور بڑی اماں کیسے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ اگر میں ہوتی نا بڑی اماں کی جگہ تو۔"

"عبیر......عبیر......خدا کے لیے آہستہ بول۔"

اسماء نے خوف سے باہر دیکھا۔ کہ کہیں کوئی سن نہ لے۔

اور اس کی بزدلی سے بیزار ہو کر عبیر منہ موڑ کر یوں ہی بے مقصد ننھی کی کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگی۔ کیسا گھر تھا یہ جہاں پڑھنے کی کوئی کتاب نہ تھی۔ کوئی رسالہ نہ تھا۔ کوئی اخبار "ارے یہ فضول کہانیاں پڑھ پڑھ کر لڑکیوں کے ذہن خراب ہوتے ہیں۔"

یہ بڑے ابا کا خیال تھا۔

اور ابا میاں بھی ان کے ہم خیال تھے۔

سو اس گھر میں کہیں کوئی کتاب رسالہ نام کو بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ جب کہ اس گھر میں اخبار اور کئی رسالے باقاعدگی سے آتے تھے۔ پاپا کے پاس ڈھیروں کتابیں تھیں۔ پاپا خود اسے پڑھنے کو اچھی اچھی کتابیں دیتے تھے۔ پھر بحث کرتے تھے۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کیسے جیے گی وہ یہاں اس زنداں میں۔"

بہت بچپن میں جب وہ ابھی چند ماہ کی تھی چھوٹی پھپھو نے اسے گود لے لیا تھا۔ کیونکہ ان کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی اور جب چھوٹی پھپھو نے جو انکل نصیر کے ساتھ شادی کے فوراً بعد ہی امریکہ چلی گئیں تھیں طویل عرصے بعد پاکستان رہنے کے لیے آئیں۔ اور انہوں نے عبیر کے لیے اپنی جھولی پھیلائی تو ابا میاں انکار نہ کر سکے۔ سب سے بڑی آپیا تھیں۔ پھر اسماء اور پھر عبیر۔ عبیر اور سمیر جڑواں تھے۔ سو عبیر انکل نصیر کے گھر آ گئی۔ بہت عرصے تک تو اسے پتا ہی نہیں تھا کہ وہ پھپھو اور انکل نصیر کی سگی بیٹی نہیں ہے۔ جب انکل نصیر اچانک حرکت

قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے اور ان کے عزیز و رشتے دار اکٹھے ہوئے تو پہلی بار اسے علم ہوا کہ وہ آج تک جنہیں اپنا ماں باپ سمجھتی رہی ہے وہ اس کے ماں باپ نہیں ہیں۔ عجیب سا دکھ اس کے اندر اتر آیا لیکن پھر پھپھو کی آغوش میں بہت سارے آنسو بہا کر یہ دکھ قدرے کم ہو گیا تھا۔ پھپھو اس کی ماں تھیں۔ بس اس کے علاوہ وہ کچھ جاننا نہیں چاہتی تھی۔

''ممی! میں آپ کا بیٹا بن کر دکھاؤں گی۔''

''اچھا!''

پھپھو مسکرائیں۔

''تو میرا بیٹا ہی تو ہے۔ تو مجھے چھوڑ کر نہ جانا عبیر ورنہ میں مر جاؤں گی۔''

''میں بھلا کیوں چھوڑ کر جاؤں گی آپ کو ممی۔''

''شاید تیرا دل چاہتا ہو اپنے بہن بھائیوں سے ملنے کو۔ اپنی اماں اور ابا کو دیکھنے کو۔''

''نہیں، میرا دل کسی سے ملنے کو نہیں چاہتا۔ میرا سب کچھ آپ ہیں۔''

وہ ان کے گلے میں باہیں ڈال کر لاڈ سے ان کی پیشانی چوم لیتی۔

ابا میاں نے ایک بار پاپا کی موت کے بعد کچھ رقم بھجوائی تھی لیکن پھپھو نے واپس کر دی۔

اسے بہت خوشی ہوئی۔

''آپ نے بالکل ٹھیک کیا ممی!''

پاپا اور ممی کی تربیت نے اس کے اندر بڑی خود اعتمادی پیدا کر دی تھی۔ وہ زندگی کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینے کا ہنر جانتی تھی۔ اس نے سوچا تھا اپنی تعلیم ختم کر کے وہ جاب کرے گی۔ مگر اس کے سارے خواب پھپھو کی اچانک موت سے بکھر گئے۔ ابا میاں اسے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ وہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا اس کے پاس۔ سو وہ چپ چاپ ابا میاں کے ساتھ چلی آئی تھیں۔ حالانکہ اس گھر سے وہ نہیں آنا چاہتی تھی۔ وہ گھر جہاں اس کی یادیں قدم قدم پر بکھری ہوئی تھیں۔ مگر انکل نصیر کے بھائی اور بھتیجے، بہنیں اور دوسرے رشتے دار بھوکے گِدھوں کی طرح جمع ہو گئے تھے۔ سو وہ آ گئی تھی۔

مگر یہاں اس گھر میں جہاں اس نے جنم لیا تھا۔

جہاں اس کے ماں باپ رہتے تھے۔

اس کی دو بہنیں اور ایک جڑواں بھائی تھا۔

بڑے ابا تھے، بڑی اماں تھیں۔

ان کی چار مسکین و مظلوم بیٹیاں

جو آٹھ جماعتوں سے زیادہ پڑھ نہ سکی تھیں۔

اور تین بیٹے تھے۔

عبید، جنید اور طلحہ۔

اس گھر میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ ہر وقت دم گھٹتا رہتا۔

بڑی اماں اور امی جان ہر وقت سہمی سہمی رہتیں۔ بڑے ابا اور ابا میاں کے گھر آتے ہی ہر طرف خاموشی چھا جاتی۔ ململ کے دوپٹوں کو اچھی طرح سر پر لپیٹے اسماء اور آپی، سائرہ، افزا، فرحین اور ننھی یوں ڈر ڈر کر چلتیں جیسے کانچ پر چل رہی ہوں۔ ذرا کوئی بات مرضی کے خلاف ہوتی تو بڑے ابا یوں چلا چلا کو بولتے کہ جیسے قیامت آ گئی ہو۔ برتن اٹھا اٹھا کر پھینکتے اور بڑی اماں کھڑی تھر تھر کانپا کرتیں۔

سارے فیصلے صرف بڑے ابا ہی کرتے تھے۔

سائرہ اور افزا کی شادی انہوں نے اپنی مرضی سے کی تھی۔ ایک ہی گھر میں دونوں بہنوں کی شادی ہوئی تھی۔

''بڑی اماں کو رشتہ پسند نہ تھا لیکن وہ بول نہ سکیں۔

''میں نے استخارہ کر لیا ہے۔''

بڑے ابا نے فیصلہ سنا دیا۔

دونوں لڑکے عمر میں سائرہ اور افزا سے چھوٹے تھے۔ ان پڑھ اور بے کار۔ سو ہر دوسرے تیسرے مہینے لڑ جھگڑ کر اور مار پیٹ کر وہ انہیں گھر سے نکال دیتے تھے۔ پھر صلح صفائی ہوتی اور پھر......

کس قدر ٹینشن تھا یہاں۔

اور اس ماحول میں زندگی گزارنا کتنا مشکل۔

وہ کالج جانا چاہتی تھی اور ابا ماں نے فیصلہ سنا دیا۔

''کوئی ضرورت نہیں۔ جتنا پڑھ لیا بہت ہے۔''

''مگر میں پڑھنا چاہتی ہوں۔ میرا بی اے فائنل تھا۔''

"نصیر تو امریکہ رہ کر آزاد ہو گئے تھے۔ اسی لیے میں نے ان سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔"

ابا میاں نے جواب دیا۔

"اور اب اس گھر میں رہ کر تمہیں اسی گھر کے طور طریقے اختیار کرنے ہیں۔ بھول جاؤ پرانی باتیں۔ غضب خدا کا بھائی صاحب۔"

وہ بات کرتے کرتے بڑے ابا کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"میں نے سنا ہے نصیر میاں اپنی مجو اور عبیر کو ساتھ لے کر ہوٹلوں میں کھانا کھانے جاتے تھے۔"

"اسی لیے تو بھائی...... میں نے مخالفت کی تھی۔ اس وقت مگر تم مجو کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھ سکے۔"

"ہاں بہن جو تھی۔"

اور وہ جل بھن کر وہاں سے چلی آئی تھی۔ اس نے سوچا تھا پاپا کی کتنی خواہش تھی کہ وہ بہت سارا پڑھے۔ اور پاپا نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر بھجوائیں گے۔

اور وہ پڑھے گی ضرور۔ وہ یہاں نہیں رہے گی۔ اس میں اتنا حوصلہ ہے کہ وہ اکیلی رہ سکتی ہے۔ وہ انکل عزیز سے کہے گی کہ یہ گھر اس کا ہے۔ وہ انکل نصیر کی بیٹی تھی اور ان کے گھر پر اس کا حق ہے۔ یہ صحیح کہ پاپا اور ممی کو اتنی مہلت نہیں ملی تھی کہ وہ گھر اس کے نام کر جاتے مگر۔"

اور اسماء نے یہ کیا خبر دی تھی کہ وہ گھر تو فروخت بھی کر دیا گیا۔

اور لوگ کتنے لالچی اور حریص ہوتے ہیں۔ اور اب اسے یہاں ہی رہنا ہو گا۔

اسی گھر میں جسے دیکھ کر قربان گاہ کا خیال آتا تھا۔

اور لگتا تھا جیسے سب اپنی اپنی صلیبیں اٹھائے پھر رہے ہوں۔

افزا اور سائرہ۔

اپیا اور اسماء۔

بہت پہلے جب اس نے افزاء اور سائرہ کو دیکھا تو ان کے چہروں پر کتنی چمک تھی اور آنکھوں میں کیسی زندگی۔ مگر اب ان کی آنکھیں کتنی بجھی بجھی سی لگتی تھیں اور چہرے مرجھائے مرجھائے سے۔ پورے ایک سال سے وہ یہاں رہ رہی تھیں۔ اور بڑے ابا انہیں

واپس بھیجنے کو تیار نہ تھے۔ کتنی ہی بار وہ لوگ انہیں لینے آئے تھے۔۔ ساری شرائط ماننے پر تیار مگر بڑے ابا نے ایک بار جو انکار کیا تو پھر وہ اقرار میں نہ بدل سکا یہی نہیں افزا اور سائرہ کے بیٹوں کو بھی ان کے باپ کے حوالے کر دیا۔ سائرہ کا بیٹا ایک سال کا تھا اور افزا کا صرف تین ماہ کا، کیسا تڑپ تڑپ کر روئی تھی افزا۔

اور وہ جنید اور طلحہ۔

وہ بھی بہنوں کے حق میں کچھ نہ بولتے تھے۔

ایک دم سے بدھو۔ اور سمیر اس کی تو جان نکلتی تھی ابا میاں سے بات کرتے ہوئے ہکلا جاتا تھا۔

البتہ عبید کے بارے میں اس نے سنا تھا کہ وہ بڑے ابا سے اپنی بات منوا لیتا تھا۔ اگرچہ بڑے ابا اسے ہرگز انگریزوں کے دیس میں نہیں بھیجنا چاہتے تھے لیکن اس نے انہیں منا ہی لیا تھا۔ اور آج کل اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ گیا ہوا تھا۔ جنید کو بہت بچپن میں اس نے دیکھا تھا۔ دراصل پاپا کم ہی یہاں آتے تھے اور یہاں سے بھی بہت کم ہی کوئی جاتا تھا۔

"اگر عبید بھائی یہاں ہوتے تو شاید تمہیں اجازت دلوا دیتے پڑھنے کی۔"

اسماء نے جو بڑی دیر سے اسے ننھی کی کتابوں سے الجھے دیکھ رہی تھی آہستگی سے کہا۔

"عبید بھائی!" وہ طنز سے ہنسی۔

"وہ کیا تیر مار لیتے۔ اتنے ہی شیر بہادر خان تھے تو تم لوگوں نے کیوں نہ پڑھا۔ اور وہ افزا اور سائرہ بے چاری کس جرم کی سزا بھگت رہی ہیں۔ ان کے لیے کیوں نہیں اسٹینڈ لیتے۔"

"سائرہ اور افزا کے متعلق تو انہیں کچھ خبر ہی نہیں۔ اور ہم لوگوں نے کبھی مزید پڑھنے کی خواہش کا اظہار ہی نہیں کیا۔"

اسماء نے افسردگی سے کہا۔

"خیر۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"پڑھوں گی تو میں ضرور...... اور صبح ہی کسی کالج میں جا کر ایڈمیشن لے لوں گی۔ کاغذات میرے پاس ہیں۔"

"مگر عبیر وہ بڑے ابا اور ابا میاں بہت خفا ہوں گے۔"

"ہوتے رہیں۔"

اس نے لاپروائی سے کندھے جھٹکے۔

''لیکن اس طرح کیسے تم ان کی مرضی کے بغیر۔''

''میں نے ان سے اجازت مانگی تھی۔ اسماء اور میں نے انہیں بتایا تھا۔''

''دیکھو عبیر، پھپھو جان اور ہمارے گھر کے ماحول میں بہت فرق ہے۔'' اسماء نے اسے سمجھایا۔

''پلیز اسماء مجھے بور نہیں کرو۔''

وہ بیزار ہو کر باہر نکل آئی۔

کتنا بڑا گھر تھا۔ بڑے بڑے ہوادار کمرے۔ اتنا بڑا گھر پھر بھی دم گھٹ رہا تھا۔ وہ بڑے سے برآمدے کو چھوڑ کر باہر صحن میں آ گئی اور اس نے منہ کھول کر لمبے لمبے سانس لیے۔

''عبیر!'' اپیا نے اسے صحن میں ٹہلتے ہوئے دیکھا تو آواز دی۔

''ہوں!'' اس نے وہیں سے جواب دیا۔

''ابا میاں آنے والے ہوں گے اندر آ جاؤ۔ وہ پسند نہیں کرتے۔''

''کیا۔''

''یہ ہی اس طرح صحن میں گھومنا اور پھر تم نے دوپٹہ بھی سر پر نہیں لیا اور تمہارے بال بھی کٹے ہوئے ہیں۔''

''اچھا۔ مگر صحن میں کیا ہے۔''

''پتا نہیں۔'' اپیا نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

''مگر بڑے ابا کہتے ہیں، لڑکیوں کو زیادہ اندر ہی رہنا چاہیے۔ سورج کی کرن بھی انہیں نہ دیکھے۔''

''اس طرح تو بے چاری لڑکیاں اندھیرے میں رہ رہ کر اندھی ہو جائیں۔''

اس کی طبیعت کی شوخی عود کر آئی تھی اس لیے کہ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے ایڈمیشن لینا ہے سو فیصلہ کر کے وہ مطمئن ہو گئی تھی۔

''عبیر! تمہیں ایک ماہ ہو گیا ہے یہاں آئے ہوئے۔ اب تک تو تمہیں اس ماحول کو تسلیم کر لینا چاہیے۔''

اپیا اس کے پاس ہی آ گئی تھیں۔

''میں غلط باتوں کو تسلیم نہیں کرتی اپیا۔''

''یہ غلط نہیں ہے عبیر۔''

''صحیح بھی نہیں ہے اپیا۔''

اس نے بڑے پیار سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ اپیا بڑی نازک سی تھیں۔ ان کے سانولے رنگ میں بڑی جاذبیت اور ملاحت تھی۔ ان کے لانبے گھٹنوں تک چھوتے ہوئے بالوں میں بڑی کشش تھی اور خوبصورت آنکھوں میں جیسے کوئی ملال سا کوئی شکوہ سا ہر وقت مچلتا رہتا تھا۔ ان کے مزاج میں بڑا دھیما پن تھا۔ بہت نرماہٹ تھی اور عبیر کو اپنی یہ بڑی بہن بہت پیاری لگی تھی وہ ان کے گلے میں باہیں ڈالے برآمدے میں آ گئی۔

''ایک بات تو بتائیں اپیا! آپ کے یہ ابا میاں اور بڑے ابا ایسے کیوں ہیں۔ اتنے کرخت اور ڈکٹیٹر ٹائپ کے۔''

''وہ تمہارے بھی ابا ہیں عبیر۔''

''نہیں، میرے پاپا تو مر گئے۔ وہ صرف آپ تینوں کے ابا میاں ہیں اور مجھے ایسے ڈکٹیٹر قسم کے والد محترم نہیں چاہئیں۔''

''عبیر اپنے آپ کو بدل لے۔ اس ماحول کے مطابق ڈھل جا۔''

''نہیں۔'' عبیر نے نفی میں سر ہلایا۔

''ناممکن۔''

''تو پھر کیسے جیے گی تو۔ ٹوٹ جائے گی۔''

انہوں نے افسردگی سے کہا۔

''عبیر ٹوٹنے والی چیز نہیں ہے۔''

اس نے اپنی باہیں ان کے گلے سے نکال لیں۔

''مجھ سے غلط باتیں برداشت نہیں ہوتیں اپیا۔ اگر سالن میں نمک زیادہ ہو گیا ہے تو کیا ہوا۔ ہو جاتا ہے کبھی۔ اور یہ آپ کے ابا میاں کسی کا لحاظ کیے بغیر امی جان کو اسماء کو جو بھی ہو بے نقط سنا دیتے ہیں۔ کیا آپ کی کوئی عزت نفس نہیں ہے۔ کیا آپ کو برا نہیں لگتا۔''

''ہم عادی ہو گئے ہیں ان سب باتوں کے۔''

''مگر میں تو نہیں ہوں نا عادی۔''

”اب تمہیں یہاں ہی رہنا ہے اس گھر میں، عادی تو ہونا ہی پڑے گا۔“

ان کی آنکھوں کی افسردگی بڑھ گئی تھی۔ وہ تھکی تھکی سی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

”اسماء کہہ رہی تھی تم صبح کالج جاؤ گی۔“

”ہاں۔“ اس نے اطمینان سے کہا۔

”میرے پاس تمام کاغذات ہیں اور ایڈمیشن کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میرا تعلیمی ریکارڈ بہت اچھا ہے۔ ایک طرح کا ٹرانسفر کیس ہے۔ میں لاہور کے سب سے اچھے کالج میں پڑھتی تھی۔“

”لیکن عبیر! کیا اتنا بہت کافی نہیں ہے جتنا تم نے پڑھ لیا ہے۔“

”علم کی تو کوئی حد نہیں ہوتی اور اپیا اور پھر میری دو سال کی محنت ضائع ہو جائے گی۔ آپ کو پتا ہے میں بی اے فائنل میں تھی۔“

”صحیح ہے چندا! لیکن تو ابا میاں کو نہیں جانتی۔ وہ لڑکیوں کی پڑھائی کے سخت خلاف ہیں۔ اور بڑے ابا تو ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ ورنہ اسماء کی کتنی خواہش تھی کہ وہ کم از کم میٹرک ہی کر لے۔ دیکھ تو اپنے دل سے یہ خیال نکال دے۔ خواہ مخواہ میں بڑے ابا اور ابا میاں بولیں گے۔“

”آپ پریشان نہ ہوں۔ اپیا...... مجھے بہر حال بی اے تو کرنا ہے اور۔“

”اپیا ذرا چائے تو ایک کپ پلا دیں۔ بہت سخت درد ہے سر میں۔“

سمیر نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

سمیر اور عبیر میں بے حد مشابہت تھی۔

”اگر سمیر لڑکی ہوتا تو بالکل تمہاری طرح ہوتا۔“

اپیا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”خدا نہ کرے کہ یہ لڑکی ہوتا۔ اس گھر میں لڑکی ہو کر زندگی گزارنا کوئی خوش آئند بات نہیں ہے۔“

”اور لڑکا ہونا بھی کوئی ایسا خوشگوار اور تجربہ نہیں ہے۔“

سمیر نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

”تم لوگ بغاوت کیوں نہیں کرتے سمیر۔“

اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”کیا مطلب؟“

سمیر نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”مطلب یہ کہ اپنے ابا میاں اور بڑے ابا کے غلط فیصلوں کے خلاف۔“

”کیسے غلط فیصلے۔“

”سارے ہی فیصلے غلط کرتے ہیں۔ جیسے تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف میڈیکل میں بھیجنا اور افزا اور سائرہ کی شادی بالکل غیروں میں کرنا۔ بالکل انجان گاؤں کے جاہل لوگوں سے۔ تم لوگ بات کیوں نہیں کرتے۔ سمجھاتے کیوں نہیں انہیں۔“

”ہم۔ ہم بات کریں ان سے۔“

سمیر نے حیرت سے پوچھا۔

”میرے خیال میں وہ بزرگ ہیں ہمارے۔ انہوں نے بہتر ہی سوچا ہوگا۔“

”ہوں۔“ عبیر سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

سمیر خاموشی سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔ عبیر کی باتیں اسے بہت حیران کرتی تھیں۔ جب وہ اپنے پاپا اور ممی کی باتیں کرتی تو وہ حیرت سے سنتا۔ وہ اسماء اور اپیا سے کتنی مختلف تھی کتنے اعتماد سے بات کرتی تھی۔ کتنا علم تھا اس کے پاس کوئی بھی موضوع ہو بے دریغ بولتی۔ اتنا علم تو ان کے پاس بھی نہیں تھا۔ حالانکہ وہ لڑکے تھے۔ پھر بھی انہوں نے اپنی کورس کی کتابوں کے علاوہ کچھ نہیں پڑھا تھا۔ اور عبیر نے نہ جانے کتنا کچھ پڑھا ہوا تھا۔

اسے یہ اپنی جڑواں بہن بہت اچھی لگتی تھی۔ چند ہی دنوں میں وہ اسے بے تحاشا چاہنے لگا تھا۔ کاش وہ اس کے لیے ابا میاں سے بات کر سکتا۔ انہیں قائل کر سکتا کہ وہ اسے کالج میں جانے کی اجازت دے دیں۔ لیکن وہ تو خود اپنے لیے بھی ان سے بات نہ کر سکا تھا۔ جب انہوں نے کہا تھا کہ اسے ڈاکٹر بننا ہے تو اس نے چپ چاپ میڈیکل کالج جوائن کر لیا تھا۔ حالانکہ آرمی میں جانے کی اسے کتنی خواہش تھی۔ بچپن سے فوجی اس کا آئیڈیل تھا۔ عبیر سچ ہی کہتی ہے کہ ہم بزدل ہیں۔ پر عبیر...... عبیر کو کیا پتا وہ ایک بالکل مختلف ماحول میں رہی ہے۔ اسے کیا خبر یہاں وہی ہوگا وہی ہوتا ہے جو ابا میاں اور بڑے ابا چاہتے ہیں۔ پھر بھی چائے پینے کے بعد اس نے کئی بار ہمت کی۔ مگر ابا میاں کے کمرے کی طرف دو قدم بڑھا کر واپس پلٹ آیا اور افسردہ ماحول اور دل گرفتہ سا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆

"عبیر......عبیر کہاں جارہی ہو۔"

اسماء نے اسے بیگ گلے میں لٹکاتے چادر لیے باہر جاتے دیکھا تو اس کے پیچھے لپکی۔

"کالج۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں نے رات تمہیں بتایا تو تھا کہ صبح کالج جاؤں گی ایڈمیشن کے لیے۔"

"مگر......مگر......" اسماء زرد پڑگئی۔

"تمہیں تو یہاں کے رستوں کا بھی نہیں پتا اور تم اکیلی۔"

"میں وہاں لاہور میں بھی اکیلی چلی جایا کرتی تھی اکثر اور جہاں تک راستہ معلوم نہ ہونے کی بات ہے تو رکشے والے سے کہوں گی گورنمنٹ کالج جانا ہے۔"

"نہیں عبیر پلیز نہ جاؤ۔"

وہ روہانسی ہوگئی۔

"تمہیں ابا جان اور بڑے ابا کے غصے کا نہیں پتا۔"

"پتا ہے۔" اس نے اسی اطمینان سے کہا۔

"لیکن انہیں مجھے روکنے کا کوئی حق نہیں ہے اور میں ان کی بیٹی نہیں ہوں۔ اور اسماء میرے نام بینک میں اتنی رقم ہے کہ میں اپنے تعلیمی اخراجات افورڈ کرسکتی ہوں۔ اور رات میں نے سوچا دراصل تمہارے ابا میاں اور بڑے ابا انتہائی کنجوس آدمی ہیں اور تمہیں تعلیم نہ دلوانے کا سبب بھی غالباً یہی ہے کہ وہ تم پر رقم خرچ نہیں کرنا چاہتے۔"

"نہیں، نہیں ایسی بات نہیں ہے عبیر۔"

"میری جان! تو سمجھتی کیوں نہیں۔"

اپیا بھی اس کے قریب آگئی۔

"میری پیاری آپی جان۔"

اس نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر ان کا رخسار چوم لیا۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔"

اور پھر وہ مسکراتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل گئی۔ سمیر نے اسے باہر جاتے دیکھا اور تیزی سے اپنی فائلیں اٹھائے اس کے پیچھے لپکا۔

"ٹھہرو عبیر۔! میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

"تم۔" اس نے رک کر لمحہ بھر حیرانی سے اسے دیکھا۔ پھر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"تھینک یو۔"

سمیر نے اس کا ساتھ تو دے دیا تھا لیکن وہ دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ اب کوئی بڑا طوفان آئے گا۔ ابا میاں خوب ہنگامہ کریں گے اور نہ جانے کیا ہوگا۔ اسماء اور اپیا نے جانے کتنے نفل مان ڈالے تھے لیکن طوفان ٹل ہی گیا تھا۔ ابا میاں کو اس کی خودسری پر اتنا غصہ آیا تھا کہ وہ کچھ بول ہی نہ سکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ پہلی غلطی ان سے ہوئی تھی جو انہوں نے اسے مجو کی گود میں ڈال دیا تھا۔ اور پھر نصیر اور مجو پر انہیں غصہ تھا جنہوں نے اسے بگاڑ دیا تھا۔

"اور یہ نجو۔" غصے سے ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے انہوں نے کئی بار امی جان سے کہا۔

"حیرت ہے کہ نصیر میاں کے گھر جا کر ساری روایات ہی بھلا بیٹھی۔ مجھے علم ہوتا کہ میری بیٹی اس طرح شتر بے مہار ہوجائے گی تو کبھی اپنی بچی اسے نہ دیتا۔ بہر حال جلد ہی اسماء اور شازیہ سے پہلے اسے رخصت کردوں گا۔"

اور یوں جب ابا میاں اور بڑے ابا نے کچھ زیادہ شور شرابا نہ کیا تو اسماء اور اپیا کے ستے ہوئے چہروں پر بھی رونق آگئی۔

"حیرت ہے ابا میاں اور بڑے ابا نے عبیر کو کچھ نہیں کہا۔"

اسماء نے ایک شام جب عبیر کالج سے لوٹی تو اپیا سے کہا۔

"دراصل۔" عبیر نے جلدی جلدی چاول نگلتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔

"وہ جانتے ہیں کہ مجھ پر ان کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"جی نہیں۔" سمیر جو نہ جانے کب اندر آگیا تھا اس کی پلیٹ میں سے ایک چمچ چاول کھاتے ہوئے بولا۔

"میں نے ابا میاں سے کہا تھا کہ اگر انہوں نے عبیر کو کالج جانے سے روکا تو وہ واپس انکل نصیر کے عزیزوں کے پاس چلی جائے گی۔"

"تم نے ابا میاں سے یہ کہا تھا۔"

"ہاں تو میں ڈرتا ہوں ابا میاں سے۔"

"نہیں، تم تو بالکل نہیں ڈرتے۔"

اسماء کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"اگر ڈرتا بھی ہوں تو عبیر کی خاطر جناب شیروں کی کچھار میں اتر گیا۔

"اور میں نے بھی۔"

شازیہ نے سمیر کے لیے پلیٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"بڑی اماں کے کان میں یہ بات ڈال دی تھی کہ عبیر بہت ضدی ہے اور اگر بڑے ابا نے کچھ کہا تو وہ گھر سے ہی چلی جائے گی۔ پھر خواہ مخواہ میں۔"

"اوہو تو آپ سب نے۔"

عبیر کی آنکھیں نم ہوگئیں لیکن وہ پلکیں جھپک کر مسکرانے لگی۔

"تھینک لاٹ (THANKS LOT)

"کوئی شکریہ وکریہ نہیں۔"

سمیر نے اپنی پلیٹ میں چاول ڈالے۔

"سمو! ہاتھ تو دھو لو، گندے جانے کہاں کہاں مینڈکوں اور چوہوں کے پیٹ چیر کر آ رہے ہو گے۔"

عبیر نے پلیٹ اس کے آگے سے ہٹالی۔

"اوہ عبیر تم نے یہ کیا نام لے ڈالا۔ ساری بھوک مر گئی۔"

"ڈاکٹروں کے دل تو۔"

"چھوڑو عبیر۔ تم تو اچھی طرح جانتی ہو کہ جبری بھرتی ہے۔"

"تم اپنے لیے ابا میاں سے بات نہیں کر سکتے تھے سمیر اور میرے لیے تم نے کیسے بات کر لی۔"

"ہماری بہن اٹھارہ سال بعد اس گھر میں آئی ہے۔ بھئی ہم اس کی خوشی کے لیے سب کچھ کر سکتے ہیں جناب۔"

"اوہ یہ محبتیں یہ بہن بھائیوں کی محبتیں۔ ان سب سے وہ ناآشنا تھی۔ اس کا دل بھر آیا اور وہ کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے بس اتنا سا کھایا ہے اور شور مچا رہی تھیں کہ سخت بھوک لگی ہے۔"

اپیا نے پیار سے کہا۔

"بس اپیا! اب آرام کروں گی۔"

"ہاں جاؤ۔ تھک جاتی ہوگی۔" اور وہ ہولے سے سر ہلا کر باہر نکل گئی۔

"اپیا!" اسماء نے آہستگی سے کہا۔

"عبیر کتنی اچھی ہے۔ کتنی پیاری۔ سچی میرا تو دل اسے دیکھ کر بھرتا ہی نہیں۔ اور ابا میاں کہہ رہے تھے کہ وہ بہت جلد اسے رخصت کر دیں گے۔ آپ سے بھی پہلے اپیا!"

"نہیں!" شازیہ کی مسکراتی آنکھوں میں اداسی اتر آئی۔

"ہاں امی جان بڑی اماں کو بتا رہی تھیں۔"

اسماء نے افسردگی سے کہا۔

"اور مجھے ڈر لگتا ہے آپی کہ کہیں ابا میاں ضد میں آ کر اسے یوں ہی..... یوں ہی کسی۔"

"نہیں، ایسا نہ کہو۔"

انہوں نے اسماء کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ہماری عبیر..... ابا میاں کے غلط فیصلوں کو قبول نہیں کرے گی۔ اس میں اتنا حوصلہ ہے اسماء..... کہ وہ ابا میاں کی بات کو رد کر دے۔"

"ہاں خدا کی اس کی قسمت اچھی کرے مگر پتا نہیں کیوں میرا دل ڈرتا ہے۔"

"بس تو کچھ غلط نہ سوچا کر۔ اچھی بات سوچا کر۔"

"جی۔"

"اے تم دونوں یہ کیا کھسر پھسر کر رہی ہو۔" سمیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں، یوں ہی باتیں کر رہے تھے۔ تم نے کھانا کھالیا؟"

"ہاں۔ اب میں ذرا ایک دوست کی طرف جا رہا ہوں۔"

"جلدی آ جانا۔"

اپیا نے تاکید کی۔

"آ جاؤں گا۔"

وہ میز پر سے اپنی فائل اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ اور اسماء اٹھ کر برتن سمیٹنے لگی۔

☆☆☆

"افزا اور سائرہ! تم دونوں آخر بڑے ابا سے کہہ کیوں نہیں دیتیں کہ تم اپنے [illegible] کے بغیر نہیں رہ سکتیں۔"

عبیر نے چلغوزے چھیلتے ہوئے کہا۔

''بڑے ابا کہاں سنیں گے۔''

افزا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

''وہ...... وہ دونوں ابھی بہت چھوٹے ہیں، وہاں پتا نہیں کوئی ان کی دیکھ بھال ٹھیک طریقے سے کرتا بھی ہوگا یا نہیں۔''

سائرہ کی آنکھیں چھل چھل بہنے لگیں۔

''سائرہ افزا تم دونوں بہت بزدل ہو۔ بہت بزدل تم ایک جائز بات بھی بڑے ابا سے نہیں منوا سکتیں میں اگر تمہاری جگہ ہوتی نا تو میں ہرگز اپنا بچہ بڑے ابا کے کہنے پر انہیں نہ دیتی۔''

''مگر بڑے ابا نے ان سے پوچھا ہی کب عبیر۔''

اسماء نے افسردگی سے کہا۔

''وہ تو اندر آئے اور دونوں کو ایک دم سے اٹھا کر باہر لے گئے۔ اور جا کر حنیف بھائی کی گود میں پھینک دیا کہ لے جاؤ اپنی اولاد کو۔ اور وہ لے گئے۔''

''اور تم بولیں بھی نہیں۔ تم نے کچھ کہا بھی نہیں۔''

اس نے حیرت سے پوچھا۔

''کیا کہتے ہم۔ جب انہوں نے فیصلہ کر ہی لیا تھا تو۔''

''وہ فیصلہ کرنے والے کون ہوتے ہیں۔ بیٹے تمہارے تھے۔''

''عبیر تم نہیں سمجھتی ہو۔ نہیں سمجھ سکتیں۔''

افزا بدستور رو رہی تھی۔

''غصہ آتا ہے مجھے تمہارے آنسوؤں پر افزا۔ جب تم کچھ نہیں کرسکتیں تو آنسو بھی مت بہاؤ۔''

وہ کھڑی ہوکر ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔

''اچھا......!''

وہ شازیہ کی طرف مڑی۔ جو گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھے جانے کیا سوچ رہی تھی۔

''آپ کچھ نہیں کرسکتیں ان دو معصوم بھیڑوں کے لیے۔''

''میں......!'' انہوں نے چونک کر کہا۔

''میں بھلا کیا کرسکتی ہوں۔''

''ہاں۔ آپ بھی بھلا کیا کرسکتی ہیں۔'' عبیر نے آہستگی سے کہا اور افزا کے پاس بیٹھتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''روؤ نہیں میری بہن۔ میں بات کروں گی بڑے ابا سے۔''

''نہیں نہیں تم کچھ مت کہنا۔ وہ پہلے ہی تم سے خفا ہیں۔''

افزا نے تڑپ کر کہا۔

''تو تم اسی طرح اپنے بیٹوں کی یاد میں تڑپتی رہوگی۔''

''شاید مقدر میں یہی لکھا تھا۔''

سائرہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''تو پھر اسے مقدر کا لکھا سمجھ کر قبول کرلو۔ روتی کیوں ہو۔''

عبیر کو ان کی بزدلی پر بہت غصہ تھا۔

''کیسے...... نہ روئیں عبیر تو نہیں جانتی میرا بیٹا تو بہت چھوٹا ہے صرف تین ماہ کا۔ وہ وہ۔''

افزا پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ عبیر چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر بنا کچھ کہے باہر نکل گئی۔ طلحہ کوئی سیاسی میگزین دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے ایک دم سے دروازہ کھولا تو وہ اچھل کر بیٹھ گیا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا میگزین تکیے کے نیچے چھپانے کی کوشش کی عبیر نے اس کی یہ حرکت دیکھ کر بیزاری سے منہ بنایا۔

''اوہ تم ہو عبیر۔ میں سمجھا۔''

''بڑے ابا ہیں۔'' عبیر نے اس کی بات مکمل کردی۔

''ہاں۔'' وہ جھینپ گیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے طلحہ۔ کیا اولاد اور والدین کے درمیان صرف ڈر اور خوف کا ہی رشتہ ہونا چاہیے۔''

''میرا خیال۔''

اس نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا۔

''میں بھلا کیا کہوں مجھے کیا پتا۔''

''ہاں، تم دودھ پیتے بچے ہو طلحہ! تم بی ایس سی کے اسٹوڈنٹ ہو۔ کیا تمہاری کوئی

ذاتی رائے نہیں ہے۔"

"اس کی ذاتی رائے کس معاملے میں پوچھی جارہی ہے۔"

"اوہ! اچھا ہوا جنید بھائی آپ آگئے ہیں۔ میں دراصل آپ کی طرف ہی آئی تھی۔"

"خیریت۔"

جنید نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل ایک طرف اچھال دی۔

"آپ کو پتا ہے، اس گھر میں آپ کی دو مظلوم بہنیں بھی رہتی ہیں۔"

"تمہارا مطلب ہے افزا اور سائرہ۔"

"ہاں۔ میرا مطلب ان سے ہی ہے۔"

"تو؟" جنید نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تو یہ کہ آپ اپنے والد صاحب سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ان کے مسئلے کو حل کریں۔ کوئی سمجھوتا، کوئی درمیانی راستہ۔ آخر کب تک وہ یہاں اسی طرح رہیں گی جب کہ ان کے بچوں کو بھی ان سے جدا کر دیا گیا ہے۔"

"دراصل عبیرا!" جنید نے سمجھایا۔

"تمہیں صحیح صورت حال کا علم نہیں ہے۔ وہ لوگ بڑے اجڈ اور جاہل ہیں۔ شادی کے بعد ہی ہر دوسرے مہینے وہ ایک نئی فرمائش کے ساتھ لڑ جھگڑ کر گھر سے نکال دیتے تھے۔"

"مگر یہ تو اس وقت سوچنا چاہیے تھا جب رشتہ دیا گیا تھا۔"

"ہاں، اس وقت۔ تب ہم نے دبے لفظوں میں کہا تو تھا مگر...... ابا کسی کی نہیں سنتے تھے۔"

"بہنوں کے ساتھ زیادتی ہو رہی تھی اور آپ احتجاج بھی نہ کر سکے۔ مگر اب وہ بے چاری بچوں کے غم میں رو رو کر ہلکان ہو رہی ہیں۔ آپ دونوں جنید بھائی آپ اور طلحہ تم بڑے ابا سے کہو کہ یا تو ان کے بچوں کو لے کر آئیں یا پھر انہیں وہاں چھوڑ آئیں۔"

"بڑے ابا نہیں مانیں گے عبیرا۔" طلحہ نے افسردگی سے کہا۔

"وہ کہتے ہیں اولاد ان کی ہے۔ وہ خود سنبھالیں۔"

"اور افزا تو رو رو کر مر جائے گی طلحہ تمہیں نہیں پتا۔ رات رات بھر جاگتی ہے وہ۔"

"لیکن ہم...... ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"ہاں مجھے پہلے ہی پتا تھا تم کچھ نہیں کر سکتے۔" اسے ان کی کمزوری اور بزدلی پر بہت غصہ آیا۔

"میں خود بات کروں گی بڑے ابا سے۔"

وہ دندناتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"سنو...... سنو تو عبیرا!"

جنید اور طلحہ ایک ساتھ اس کے پیچھے لپکے لیکن وہ ان کی طرف توجہ دیے بغیر بڑے ابا کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ ابھی آفس سے آئے تھے اور آرام کر رہے تھے۔ قریب ہی بڑی اماں بیٹھی ان کے پاؤں داب رہی تھیں۔

"السلام علیکم بڑے ابا۔"

"وعلیکم السلام۔" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"کیا بات ہے بیٹی۔"

بڑی اماں نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

"وہ بڑی اماں! میں افزا اور سائرہ کے متعلق بڑے ابا سے بات کرنے آئی ہوں۔"

"کیا ہوا افزا اور سائرہ کو۔"

بڑی اماں گھبرا کر اٹھ بیٹھیں۔

"کچھ نہیں لیکن وہ اسی طرح روتی رہیں تو کچھ ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

بڑے ابا اٹھ بیٹھے۔

"صاف بات کرو۔"

"صاف بات یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لیے پریشان ہیں۔ ان کے بغیر نہیں رہ سکتیں۔"

"تو چلی جائیں اپنے بچوں کے پاس۔ لیکن پھر اس گھر کے دروازے بند ہیں ان کے لیے۔"

"آپ نے ظلم کیا ہے ان پر۔ اتنے معصوم بچوں کو ان سے جدا کر کے۔"

"لڑکی! تم مجھے سبق دے رہی ہو۔" ان کا چہرہ غصے سے تپ اٹھا۔

"نہیں۔" وہ بڑے اطمینان اور اعتماد سے کھڑی تھی۔

''میں تو آپ کا دھیان اس طرف دلا رہی تھی کہ اتنے معصوم بچے ماؤں کے بغیر نہیں رہ سکتے۔''

وہ اندر مذاکرات میں مصروف تھی اور اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑے جنید اور طلحہ نے کچھ دیر تو اس کے واپس آنے کا انتظار کیا۔ پھر تیزی سے شازیہ کے کمرے کی طرف بھاگے۔

''اپیا......اپیا......''

''کیا ہوا؟''

شازیہ نے جو اپنے بستر کی چادر بدل رہی تھیں مڑ کر انہیں دیکھا۔

''وہ......وہ عبیر بڑے ابا کے پاس گئی ہوئی ہے۔ بہت دیر سے۔''

''کیا؟''

ان کے ہاتھ سے چادر چھوٹ گئی۔ افزا اور سائرہ جو ابھی تک اپنے بہتے آنسوؤں کو پونچھے جا رہی تھیں چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

''ہاں۔'' جنید نے اپنے ساتھ ہونے والی ساری گفتگو انہیں سنا دی۔

''ہاں۔ وہ ایسی ہی ہے۔''

شازیہ اپیا نے اطمینان سے کہا۔

''بہادر، خود اعتماد اور نڈر۔''

''بڑے ابا غصے نہ ہوں۔''

اسماء نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''تو کیا ہوا؟''

اسے بڑے ابا کے غصے کی پروا نہیں ہے۔ وہ وہی بات کرے گی جسے صحیح سمجھتی ہے۔''

''کیا بڑے ابا مان جائیں گے آپی؟''

افزا نے پرامید نظروں سے اسے دیکھا۔

''پتا نہیں۔ لیکن عبیر کوشش کرے گی جہاں تک ہو سکا تم بس دعا کرو۔'' شازیہ نے اسے تسلی دی۔

''یہ عبیر کچھ مختلف نہیں ہے آپی ہم سب سے۔''

جنید نے دروازے پر کھڑے کھڑے کان کھجاتے ہوئے کہا۔

''ہاں، کیونکہ اس کی پرورش ایک الگ ماحول میں ہوئی ہے۔ پھپھو اور انکل نصیر نے اس کے اندر بے حد خود اعتمادی پیدا کر دی ہے اور وہ ہمت نہیں ہارتی۔ دیکھنا وہ بڑے ابا کو بھی منا لے گی۔''

''سچ......!''

سائرہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ پورے دو ماہ ہو گئے تھے۔ اپنے بچے سے بچھڑے ہوئے۔ جس روز بڑے ابا اسے لے گئے تھے۔ اس روز پہلی بار اس نے ''اماں'' کہا تھا۔

''اماں...... ماما'' اور وہ دن بھر کتنا خوش ہوتی رہی تھی۔

''آپی! گڈو مجھے بھول تو نہیں گیا ہوگا۔ مجھے پہچان تو لے گا نا......؟''

''پگلی ہے تو بھی۔''

آپی نے اسے گلے لگا لیا۔

''خدا کرے بڑے ابا مان جائیں۔''

افزا نے سچے دل سے دعا کی۔ لیکن بڑے ابا نے عبیر کی کوئی بھی دلیل ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

''جاؤ بی بی! یہ بڑوں کے معاملات ہیں اور میں ان میں بچوں کی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔''

وہ بڑی دلگرفتہ سی اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔ افزا اور سائرہ ابھی تک اس کے کمرے میں تھیں بلکہ جنید اور طلحہ کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

''اے کیا ہوا؟'' طلحہ نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔''

وہ خاموشی سے ایک طرف اپنے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

''گئی تو تھیں بڑی طرم خاں بن کر۔''

''ہاں، ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا جہاد ہے۔''

''بڑے ابا نے کچھ کہا تو نہیں؟''

شازیہ اپیا نے آہستگی سے پوچھا۔

''ارے نہیں۔'' وہ ہنس دی۔

"کیا کہنا تھا۔ البتہ میری بات ماننے سے انکار کر دیا۔"

"مجھے پہلے ہی پتا تھا۔"

افزا کی آنکھیں بجھ سی گئیں اور ان میں پانی بھر گیا۔

اس نے ان کے مرجھائے اور مایوس چہروں کو دیکھا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں نے ہمت نہیں ہاری۔"

"کیا کرو گی تم؟"

جنید نے جو ابھی تک کھڑا تھا پوچھا۔

"میں غور کر رہی ہوں کہ دشمن کا کمزور قلعہ کون سا ہے۔ کس طرف سے حملہ کروں۔"

"کوئی بھی نہیں۔"

طلحہ مسکرایا۔

"ابا کسی کی بات نہیں مانتے۔"

"یہ تو زیادتی ہے نا بھائی۔"

افزا اور سائرہ کی افسردگی دور کرنے کے لیے اس نے کہا۔

"کم از کم بڑی اماں کو تو یہ حق ہونا چاہیے۔ بائے داوے یہ جو بڑے ابا ہیں انہوں نے شادی کے ابتدائی دنوں میں بھی بڑی اماں کی کوئی بات نہیں مانی ہو گی۔"

"پوچھ لینا تھا یہ بھی۔"

"غلطی ہو گئی۔ دوبارہ مذاکرات ہوئے تو پوچھ لوں گی۔" وہ مسکرائی۔

"کیا یہ ابا میاں بھی اتنے ہی خونخوار ہیں۔"

"نہیں۔ ان سے کچھ کم۔"

طلحہ شرارت کے موڈ میں تھا۔

"مثلاً کتنے؟"

اس نے چمکتی آنکھوں سے طلحہ کو دیکھا۔

"مثلاً اتنے کے ایک روز یہ جنید اپنے دوست کی بائیک پر اپنی ایک کلاس فیلو کو بٹھا کر لے جا رہا تھا کہ ابا میاں نے اسے دیکھ لیا اور کچھ نہ کہا۔"

"رئیلی۔"

اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

"جھوٹ۔ ابا میاں نے مجھے دیکھا ہی نہیں تھا۔"

جنید نے قدرے جھینپتے ہوئے کہا۔

"تمہارے پاس سے تو گزرے تھے نا۔"

"ہاں۔"

"جنید بھائی آپ اتنے آزاد ہو چکے ہیں۔ میں بتاتی ہوں جا کر ابھی بڑے ابا کو۔ وہ آپ کا یونیورسٹی جانا بند کرتے ہیں۔"

"نہیں وہ دراصل عبیر، اس روز مانو کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ چکر آ رہے تھے اسے اور اور رکشوں وغیرہ کی ہڑتال تھی۔" "تو پوری یونیورسٹی میں ایک آپ ہی ہمدرد رہ گئے تھے۔"

عبیر یونہی خواہ مخواہ اسے چھیڑے جا رہی تھی۔ تاکہ افزا اور سائرہ کا دھیان بٹا رہے اور اپنی اس کوشش میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہی تھی۔ دونوں ان کی باتوں پر ہولے ہولے مسکرا رہی تھی۔

رات کے کھانے تک محفل جمی رہی اور عبیر انہیں دلچسپ واقعات سنا سنا کر ہنساتی رہی۔

رات کو جب وہ سونے کے لیے لیٹی تو بڑی سنجیدگی سے سوچنے لگی کہ آخر کس طرح ان دونوں کے دکھ کا مداوا کیا جائے بڑے ابا کے ساتھ تو اس کے مذاکرات بری طرح ناکام ہو گئے تھے۔

"کیا ابا میاں سے بات کی جائے۔ لیکن بھلا ابا میاں کی بات وہ کہاں مانیں گے اور پھر ابا میاں بھی ان سے کچھ کم تھوڑے ہی ہیں۔ خیر دیکھا جائے گا۔ میں ان بے چاری لڑکیوں کے لیے ضرور کچھ کروں گی۔"

اس نے عہد کیا اور آنکھیں موند لیں۔

اس پھر کئی دن گزر گئے۔ اسے کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بڑی اماں اور امی جان سے بھی بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ وہ اس کی بات سمجھتی تھیں۔ افزا اور سائرہ کا درد جانتی تھیں لیکن بے بس تھیں۔

"لڑکیو! بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کروں؟"

ایک روز کالج سے آ کر وہ سیدھی ان کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ دونوں اگرچہ عمر میں اس سے بڑی تھیں لیکن وہ سب سے بے تکلف تھی۔

"عبیر! اپنے آپ کو ہمارے لیے پریشان نہ کرو۔" افزا نے دلگرفتگی سے کہا۔

"ارے کیسے پریشان نہ کروں۔ تم میری بہن نہیں ہو اور تمہاری پریشانی میری پریشانی ہے۔ تم مجھے ذرا اتا پتا تو بتاؤ تمہارے شوہر نامدار کہاں رہتے ہیں۔ کس گاؤں میں۔ نام کیا ہے؟"

"کیا...... کیا کرو گی تم......"

سائرہ نے کانپ کر پوچھا۔

"تمہارے بچوں کو اٹھا کر لے آؤں گی۔"

"عبیر...... عبیر خدا کے لیے کوئی ایسی ویسی بات نہ کرنا جس سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔"

"عبیر! تم آ گئی ہو۔"

شازیہ نے اندر جھانکا۔

"کھانا کھا لو۔"

"بھوک نہیں ہے۔ آج کینٹین پر بہت کچھ کھا لیا تھا۔"

"اچھا تو پھر آرام کر لو نا کچھ دیر۔"

"ہاں میں آ رہی تھی۔ چلیں۔"

وہ بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئیں۔

"عبیر! تجھے پتا ہے وہ افزا کا بیٹا بہت بیمار ہے۔"

"نہیں، آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"افزا نے نہیں بتایا......؟"

"نہیں۔ کیا ہوا اسے؟"

"نمونیہ ہو گیا ہے شاید وہ حنیف بھائی آئے تھے صبح انہوں نے بتایا کہ یہاں کمپلیکس میں داخل کروایا ہے انہوں نے، کہہ رہے تھے کہ میں اطلاع دے دوں تاکہ بعد میں کوئی اعتراض نہ کرے کہ اطلاع نہیں دی تھی۔ دروازے پر کھڑے کھڑے ہی بتایا اور چلے گئے۔"

"اور افزا۔ وہ گئی نہیں اسے دیکھنے۔"

"نہیں بڑی اماں نے پوچھا تھا بڑے ابا سے مگر انہوں نے منع کر دیا۔"

"مگر وہ اس کا بیٹا ہے۔ بیمار ہے۔ بڑے ابا یہ کیوں نہیں سوچتے آپی۔"

اس نے الجھ کر انہیں دیکھا۔

"بڑے ابا صرف اپنی انا، اپنے وقار، اپنے احساسات کے بارے میں سوچتے ہیں۔"

"یہ زیادتی ہے آپی۔ ذرا اس ماں کے دل کا حال سوچیں جس کا تین ماہ کا بچہ اس سے جدا کر دیا گیا ہو۔ اور پھر وہ بیمار ہو اور وہ اسے دیکھنے سے محروم ہو۔ بڑے ابا بہت غلط کر رہے ہیں آپی۔ اس موقع پر کم از کم انہیں افزا کو خود لے کر ہاسپٹل جانا چاہیے تھا۔"

اس کا موڈ ایک دم خراب ہو گیا تھا۔ وہ بیگ کو پکڑ کر خود واپس پھر افزا اور سائرہ کی طرف چلی گئی تھی۔

رات بھر اسے ٹھیک سے نیند نہ آئی اور صبح کالج جانے کے بجائے وہ سیدھی کمپلیکس پہنچ گئی۔ بیگ گلے میں لٹکائے وہ چلڈرن وارڈ میں چکراتی پھر رہی تھی کہ ایک خاتون نے اسے ادھر سے ادھر چکراتے دیکھ کر پوچھا۔

"کسے تلاش کر رہی ہو؟"

"کل ایک بچہ یہاں داخل ہوا ہے۔ نمونیہ تھا اسے۔ حنیف نام ہے باپ کا۔"

"کتنا بڑا بچہ تھا۔"

"چار ماہ کا ہو گا۔"

"ارے یہ ان کو تو نہیں پوچھ رہی ہو جو گاؤں سے آئے ہیں۔ وہ دادی آئی تھی بچے کے ساتھ کہہ رہی تھی کہ بڑی ظالم ماں ہے۔ بیٹے کی بیماری کا بھی سن کر نہیں آئی۔"

"پتا نہیں ماں ظالم ہے یا مظلوم۔ اس کا فیصلہ آپ تو نہیں کر سکتیں۔"

وہ کہنا چاہتی تھی لیکن اس نے زبان دانتوں تلے دبا لی۔

"ہاں ہاں وہی۔ کدھر ہے۔"

"ادھر...... اس بیڈ پر لیکن ابھی اس بچے کو لے کر ایمرجنسی میں گئے ہیں۔ بے چارے کا سانس اکھڑ رہا تھا۔"

"اچھا۔"

وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی بیڈ کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

تھوڑی دیر بعد ایک نوجوان سا لڑکا جس کے کپڑے شکن آلود اور میلے ہو رہے تھے بچے کو دونوں ہاتھوں پر اٹھائے بیڈ کے قریب آ کر رکا۔ اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر عورت بھی تھی۔

"آپ حنیف صاحب ہیں؟"

اس نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"جی۔"

بچے کو بیڈ پر لٹا کر اس نے مڑ کر حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں عبیر ہوں افزا کی بہن۔"

"عبیر!" اس نے اجنبی نظروں سے اسے دیکھا۔

"لیکن میں نے تو آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔ اور افزا کہاں ہے وہ نہیں آئی۔"

"وہ نہیں آسکی۔ میں آئی ہوں بچے کو دیکھنے۔ کیسا ہے وہ کیا کہتے ہیں ڈاکٹر۔"

"پتا نہیں۔ کچھ بتاتے نہیں۔"

وہ افسردہ سا ہوگیا۔

"کوئی خاص توجہ بھی نہیں دیتے ڈاکٹر۔ بات ہی نہیں سنتے۔ ڈاکٹر بھی بڑے لوگوں پر توجہ دیتے ہیں۔"

"اے کون ہو تم۔ کیا لگتی ہو افزا کی؟ کیسی ڈائن ہے بچے کی بیماری کا سن کر بھی نہیں آئی۔"

"اماں آہستہ بولیں۔" حنیف نے کہا۔

"اے کیوں آہستہ بولوں۔ ایسی سخت دل ماں۔"

"وہ مجبور ہے۔ اسے کوئی آنے نہیں دیتا۔ آپ کو کیا پتا کیسا تڑپ رہی ہے وہ۔ لیکن وہ بڑے ابا توبہ۔"

اس نے کھڑے کھڑے افزا اور سائرہ کی مظلومیت کا کچھ ایسا نقشہ کھینچا کہ بڑی بی بھی آبدیدہ ہوگئیں۔

"اے ایک دفعہ آجائیں میرے پاس تو سینے سے لگا کر رکھوں گی۔ ایسے ظالم باپ کے گھر نہ بھیجوں گی۔"

اس نے منہ پھیر کر اپنی مسکراہٹ چھپالی اور بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بچے کو گود میں اٹھالیا۔

"بے حد کمزور، زرد زرد سے لانبی آنکھوں والے اس بچے پر اسے ٹوٹ کر پیار آیا اور اس نے اپنے لب اس کی پیشانی پر رکھ دیے۔

"فالتو لوگ نکل جائیں باہر۔ ڈاکٹر صاحب راؤنڈ پر آرہے ہیں۔" ایک نرس شور

مچاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"میں بوڑھی جان۔"

افزا کی ساس بڑبڑاتے ہوئے کھڑی ہوگئیں۔

"کہاں ساری ساری رات جاگوں۔ ایک بندے کو رہنے دیتے ہیں۔ حنیف بے چارہ ساری رات باہر برآمدے میں بیٹھا رہا۔ یہ تو ماؤں کا فرق ہے۔ ایک وہ دوسرا ہے جب سے آیا ہے "ہڑکا" لگالیا ہے ماں کا، ہر وقت روتا ہے۔ ریں ریں کرتا رہتا ہے۔"

"تو آپ نے یہ سب پہلے کیوں نہ سوچا۔ نہ نکالا ہوتا۔ انہیں گھر سے۔"

وہ رہ نہ سکی۔

"اے ہم نے نکال دیا تھا تو پھر لینے بھی گئے تھے ہزار بار پر تیرے باوا کی ناک اونچی ہے۔"

"اماں چپ کریں۔"

"حنیف انہیں بہلا پھسلا کر باہر لے گیا تو اس نے سوچا۔ لڑکے اتنے برے بھی نہیں ہیں جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔

ڈاکٹر نے آکر بخار چیک کیا۔

"سر پلیز بتائیں تو سہی کیا کیفیت ہے۔ خطرے کی بات تو نہیں۔"

ڈاکٹر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"بیٹا ہے آپ کا؟"

"نہیں جی، وہ بھانجا ہے۔"

وہ ایک دم بلش ہوگئی۔

"اوہ...... بچے کو بخار تیز ہے۔ سینے پر بلغم بھی بہت ہے۔"

"اس کا سانس بار بار اکھڑ رہا ہے۔ یہ اس طرح کیوں سانس لے رہا ہے۔"

ڈاکٹر نے کچھ جواب نہ دیا اور اسے چیک کرتا رہا۔ اتنے میں حنیف بھی ماں کو چھوڑ کر اندر آگیا تھا۔

"کیا اس وارڈ میں جو بچے ہوتے ہیں ان پر توجہ نہیں دی جاتی۔"

"جی۔" ڈاکٹر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہمارے لیے سب مریض ایک جیسے ہیں۔"

"جی صرف زبانی زبانی۔"

وہ ہولے سے بڑبڑائی اور پھر لہجے میں نرمی پیدا کرتے ہوئے بولی۔

"پلیز ہماری کچھ ہیلپ کریں۔ ہم گاؤں سے آئے ہیں۔ ہمیں کچھ پتا نہیں ہے کہ کمرہ وغیرہ کیسے حاصل کریں۔ وارڈ میں بہت تکلیف ہے۔"

"آپ ابھی میرے کمرے میں آئیں۔ راؤنڈ لے کر میں ادھر ہی جا رہا ہوں۔"

"اسٹاف سے پتا کرتا ہوں۔"

اور پھر کمرہ وغیرہ ملنے کے بعد اس نے افزا کی ساس سے کہا کہ وہ آرام سے سو جائیں۔ وہ شام تک یہاں ہی رہے گی۔ حنیف اس کا بہت ممنون نظر آ رہا تھا۔ اس نے دبے لفظوں میں اعتراض کیا تھا کہ کمرہ نہ لیا جائے بہت خرچ ہوگا۔ تو اس نے یہ کہہ کر اسے خاموش کروا دیا کہ ہاسپٹل کا بل وہ خود ادا کرے گی۔

"آپ بھی حنیف بھائی آرام کرلیں۔ رات بھر کے جاگے ہوئے ہیں۔"

"میں ذرا ایک دوست کی طرف جاؤں گا۔ یہاں ہی اسلام آباد میں ہے۔ اس سے بستر اور کمبل وغیرہ لے آؤں۔ یہاں زمین پر بچھا لوں گا۔ اماں تو منے کے پاس ہی سو جائے گی۔"

وہ خلاف معمول دیر سے گھر آئی تو اپیا، اماں، اسماء سمیت سب ہی پریشان نظر آئے۔

"خدایا تیرا شکر ہے۔"

اسے دیکھتے ہی سب کی جان میں جان آئی۔

"اتنی دیر لگا دی تو نے عبیر۔"

"کالج میں دیر سویر ہو ہی جاتی ہے اور ویسے بھی تو میں کمپلیکس چلی گئی تھی افزا کے بچے کو دیکھنے۔"

اس نے لاپروائی سے بیگ ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

"تم۔ تم وہاں گئی تھیں۔"

اسماء کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

شازیہ نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا اور بازو سے پکڑ کر اسے اندر لے گئی۔

"ہاں اب بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں۔ اتنی سخت بھوک لگی ہے اور پھر سارا دن افزا کے بچے کو گود میں لیے بیٹھی رہی ہوں۔ تھک گئی ہوں۔ پہلے چائے پلاؤ پھر کھانا کھلاؤ۔"

"ہاں امی جاؤ عبیر کے لیے چائے بنا لاؤ۔ اور کھانا بھی گرم کرو۔"

شازیہ نے اندر آتی اسماء سے کہا اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"ہاں۔ اب بتاؤ۔"

اور عبیر نے اسے ساری تفصیل بتا دی۔

"مگر عبیر اگر بڑے ابا کو یا ابا میاں کو پتا چل گیا تو.. "

"چلتا رہے۔"

اسے کب پروا تھی۔

"بے چاری بوڑھی خاتون کیسے دن رات جاگ کر بچے کو دیکھیں۔ میں نے تو وعدہ کیا ہے کل بھی ایک دو پیریڈ اٹینڈ کر کے جاؤں گی۔ بلکہ جب تک وہ ہاسپٹل میں ہے میں اس کی دیکھ بھال دن کو کیا کروں گی۔ اب رات کی مجبوری ہے ورنہ بے چاری افزا کی ساس پر ترس آتا ہے اٹھتے بیٹھتے گھٹنے چوں چوں کرتے ہیں اور اس عمر میں بچوں کو سنبھالنا پڑ رہا ہے۔"

"عبیر! پتا نہیں تو کیا کرے گی۔"

شازیہ کی آواز بھرا گئی۔

"کچھ غلط نہیں کروں گی آپی جان......! یہ آپ اطمینان رکھیں۔"

اور جب کھانا کھا کر وہ لیٹی تو افزا بھی آ گئی۔ شاید شازیہ نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔

"عبیر۔ عبیر تم نے میرے بچے کو دیکھا۔ کیسا ہے وہ؟"

"کمزور بہت ہے۔"

"وہ ٹھیک تو ہو جائے گا۔"

"ہاں۔"

"عبیر! تم بہت اچھی ہو۔"

افزا اس کا ہاتھ تھام کر رو دی۔

"ارے کوئی اچھی وچھی نہیں ہوں۔ بھاگو یہاں سے نیند...... آ رہی ہے مجھے۔"

اس نے کمبل چہرے پر لے لیا اور افزا عقیدت سے اسے دیکھتی ہوئی اسماء کے پاس

بیٹھ کر ہولے ہولے باتیں کرنے لگی۔

عبیر کو ابھی اس گھر میں آئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے مگر پھر بھی سب کے دل میں اس نے جگہ بنالی تھی۔ شازیہ، اسماء، افزا اور سائرہ ہی نہیں ننھی اور دیبو بھی اس کی دیوانی تھیں۔ سمیر، جنید اور طلحہ بھی۔ اس کے معترف تھے۔ بلکہ سمیر تو دوبارا سکے ساتھ جا کر افزا کے بیٹے کو بھی دیکھ آیا تھا۔ وہ باقاعدگی سے ہاسپٹل جاتی تھی۔ افزا کی ساس تو اسے دعائیں دیتی نہیں تھکتیں۔ حنیف اور فاروق بھی اس سے متاثر تھے۔ اب تو سب ہی اس کے دیر سے آنے کے عادی ہو گئے تھے۔ امی جان اور بڑی اماں کو بھی اسماء نے ایک دن چپکے سے بتا دیا تھا کہ وہ کمپلیکس جاتی ہے۔ اوپر سے تو امی جان نے اسے ڈانٹا تھا مگر دل میں انہیں اس کا یہ اقدام کچھ ایسا برا بھی نہیں لگا تھا۔

اس روز بھی افزا باہر برآمدے میں بیٹھی بڑی اماں کے بالوں میں تیل لگاتے ہوئے ہولے ہولے انہیں بتا رہی تھی کہ اب اس کا بیٹا بہتر ہے اور عبیر بتا رہی تھی کہ ایک دو روز میں وہ اس ڈسچارج کر دیں گے کہ اچانک گیٹ کھلا اور عبیر اندر آ گئی۔ ایک بچے کو کندھے سے لگائے اور دوسرے کو بغل میں دابے گیٹ کے پاس کھڑے کھڑے اس نے افزا کو آواز دی، اور افزا جو تیل کی شیشی ہاتھ میں لیے حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی ایک دم چونکی اور تیزی سے اس کی طرف لپکی۔

''سنبھالو اپنے صاحب زادے کو۔''

اس نے کندھے سے لگائے بچے کو اس کی طرف بڑھایا اور افزا نے بے اختیار اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا اور دیوانوں کی طرح اسے چومنے لگی۔ بغل والے بچے کو اس نے زمین پر کھڑا کر دیا اور وہ ڈولتا ہوا چلنے لگا۔

بڑی اماں ابھی تک حیرت کے دھچکے سے باہر نہیں نکلی تھیں اس نے ان کے قریب ہو کر ہولے سے ان کے کندھے کو ہلایا۔

''بڑی اماں! آپ کے نواسوں کو لے آئی ہوں۔''

''اپیا۔ اپیا! بھئی کہاں ہیں آپ؟''

اس نے بڑی اماں کو اطلاع دے کر شازیہ کو آواز دی۔ شازیہ نے کچن میں سے جھانک کر اسے دیکھا۔

''ارے عبیر تو آج جلدی آ گئی۔''

''ہاں اور اکیلی نہیں آئی۔ دیکھیے کسے لائی ہوں۔''

''عبیر۔''

شازیہ نے بچوں کی طرف دیکھا اور زرد پڑ گئی۔

''میں نے تجھ سے کہا تھا۔''

''آپ نے جو کچھ بھی کہا تھا میرے سر کے اوپر سے گزر گیا تھا۔ دراصل بہت کوڑھ مغز ہوں اور یہ سائرہ کہاں چھپی ہوئی ہے آ کر اپنے شہزادے سے تو ملے۔''

''اے گپلو ڈپلو۔''

اس نے بچے کو اٹھا کر ہوا میں اچھالا اور پھر بڑی اماں کی گود میں ڈال دیا۔ بچے نے بڑی اماں کی طرف انگلی اٹھائی۔

''اماں۔''

''ہاں اماں۔'' وہ ہنسی۔

''عبیر۔''

بڑی اماں جو ابھی تک سکتے کی سی کیفیت میں تھیں۔ بچے کے رخسار پر پیار کرتی ہوئی بولیں۔

''تو اکیلی کیسے لے آئی انکو۔''

''حنیف بھائی ساتھ آئے تھے چھوڑنے۔''

''پر عبیر! تو نے صحیح نہیں کیا۔ بہت طوفان مچائیں گے تمہارے بڑے ابا۔''

''طوفانوں سے لڑنا ہی تو اپنا کام ہے بڑی اماں! آپ فکر نہ کریں۔ دیکھیے گا کیسے اس طوفان سے نکلتے ہیں۔''

''یہ لڑکی ذرا بھی نہیں ڈرتی۔''

بڑی اماں نے حیرت سے سوچا۔

''اور اب جانے کیا ہو۔''

امی جان بھی بہت سہمی ہوئی سی تھیں اسماء اور شازیہ تو مارے پریشانی کے ٹھیک طرح سے کھا بھی نہ سکیں۔ البتہ وہ کھانا کھا کر بڑے اطمینان سے جا کر سو گئی۔

اس کے اطمینان سے آنے والا طوفان ٹل تو نہیں سکتا تھا۔ سو وہ ابھی سو کر اٹھی ہی تھی کہ بڑے ابا انتہائی غصے میں بھرے ٹھوکر سے دروازہ کھولتے اندر چلے آئے۔

''عبیر! تمہیں یہ اختیار کس نے دیا ہے کہ تم اس گھر کے معاملات کو اپنے ہاتھوں میں لے لو۔ تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی کہ تم ان بچوں کو اٹھا لائی ہو۔''

''بڑے ابا! بچے بیمار تھے اور انہیں ماؤں کی گود کی ضرورت تھی۔ سو میں انہیں لے آئی۔ اس امید کے ساتھ کہ آپ یقیناً اتنے ظالم نہیں ہو سکتے کہ ان بچوں کو ماؤں سے جدا کر دیں۔ وقتی طور پر آپ کو غصہ آ گیا ہو گا ورنہ......''

''عبیر......!'' ان کی آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں۔

''میں اپنے فیصلوں کا رد کیا جانا پسند نہیں کرتا اور آئندہ تمہاری دخل اندازی برداشت نہیں کروں گا۔ اور......''

وہ پیچھے کھڑی تھر تھر کانپتی بڑی اماں کی طرف مڑے۔

''صبح ہوتے ہی بچوں کو واپس بھجوا دیا جائے۔''

اور جتنی تیزی سے وہ آئے تھے اتنی ہی تیزی سے باہر نکل آئے۔

''عبیر! کیا فائدہ ہوا۔''

ان کے جانے کے بعد اماں سسکی۔

''نقصان بھی کوئی نہیں ہوا۔''

اس نے اپنی فطری لاپروائی سے کہا اور میز پر پڑا کینو اٹھا کر چھیلنے لگی۔

''وہ دونوں اپنے بچوں سے مل تو لیں۔''

''صبر کر لیا تھا انہوں نے اور اب دوبارہ مل کر بچھڑنا کیا زیادہ اذیتناک نہیں ہو گا۔ بڑے ابا صبح ضرور بچوں کو واپس بھجوا دیں گے۔''

''یار! بور نہیں کرو۔ صبح کی صبح دیکھی جائے گی۔ آؤ ذرا گپلو ڈپلو کو دیکھ آئیں۔ میں تو عادی ہوں ان کی۔''

اور مزے سے کینو کھاتی۔ ایک ہاتھ سے اسماء کو گھسیٹتی وہ باہر نکل گئی۔

صبح جب وہ ابھی بستر میں ہی تھی کہ اسماء نے آ کر اسے خبر دی کہ بڑے ابا نے جنید کو حکم دیا ہے کہ وہ بچوں کو گاؤں چھوڑ آئے اور وہ دونوں رو رو کر پاگل ہو رہی ہیں۔ اور جنید

بے چارہ اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا کہ وہ کیا کرے۔

''مصیبت کیا ہے اسمابی بی کہ وہ دونوں خود سے کچھ کہتی ہی نہیں۔''

وہ چپلیں پاؤں میں ڈالتی ہوئی بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ افزا اور سائرہ زار و زار رو رہی تھیں اور جنید اور طلحہ بچوں کو اٹھائے متذبذب کھڑے تھے۔

''اے کیوں رو رہی ہو تم۔ اگر بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتیں تو خود بھی ساتھ چلی جاؤ۔''

''نہیں۔'' افزا نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

''نہیں کیا؟'' اسے غصہ آ گیا۔

''وہ تمہارا اصلی گھر ہے اور تم اپنے شوہر کے پاس جاؤ گی کسی غیر کے پاس نہیں۔''

''عبیر تم نہیں جانتی۔ تجھے نہیں پتا۔''

سائرہ نے سسکتے ہوئے کہا۔

''جانتی ہوں سب۔ رونا دھونا بند کرو، اپنا سامان سمیٹو اور بچوں کے ساتھ تم بھی سسرال سدھارو۔''

''نہیں۔ پلیز نہیں۔''

افزا کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔

''میں جاؤں۔''

جنید نے اسے قطعی نظر انداز کرتے ہوئے سائرہ سے پوچھا۔

''ہاں۔''

سائرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور جھک کر طلحہ کی گود میں سوئے ہوئے بیٹے کو بے تحاشا چومنے لگی۔

طلحہ نے افزا کی طرف دیکھا جو دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے ہوئے تھی۔

''افزا ہم جا رہے ہیں تم مل لو اس سے۔''

افزا نے سر نہیں اٹھایا اور بدستور روتی رہی۔

''ادھر دو مجھے۔''

عبیر سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

اس نے طلحہ سے اور پھر جنید سے بچوں کو لے کر دونوں بغلوں میں دبا لیا۔

"کیا کر رہی ہو عبیر؟"

جنید نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"میں خود لائی تھی اور خود ہی چھوڑ آؤں گی۔"

بچے جاگ کر رونے لگے تھے۔

"عبیر! صحیح طرح سے اٹھاؤ گر جائے گا۔"

بچے کے رونے پر افزا نے چہرے سے ہاتھ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"رہنے دو اپنی محبت۔ کوئی محبت وغیرہ نہیں ہے تمہیں اپنے بچوں سے ورنہ کبھی جدا نہ کرتیں انہیں۔ میں تمہاری جگہ ہوتی نا تو اس گھر میں ایک لمحہ بھی نہ ٹکتی جہاں میرے بچوں کی جگہ نہ ہوتی۔ کھا لیتی شوہر کے جوتے ان معصوموں کی خاطر۔"

اس نے پھسلتے ہوئے بچے کو سنبھالا اور یوں ہی اٹھائے ہوئے سیدھی بڑے ابا کے کمرے میں جا پہنچی۔ وہ ناشتا اپنے کمرے میں ہی کرتے تھے۔ بڑی حیرت سے انہوں نے اسے دیکھا جس نے روتے ہوئے بچوں کو بڑے اطمینان سے ان کے بستر پر لٹا دیا تھا۔

"بڑے ابا! گستاخی معاف۔ اگر آپ معصوم بچوں کے خون سے ہاتھ رنگنا ہی چاہتے ہیں تو ایک ہی دفعہ گلا گھونٹ دیجیے یا زہر دے دیجیے انہیں۔ سسکا سسکا کر مارنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہاں گاؤں میں تو یہ سسک سسک کر مر ہی جائیں گے دیکھی ہے ان کی حالت آپ نے۔"

وہ بڑے ابا کا ردعمل دیکھے بغیر جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے باہر نکل گئی۔

بچے اسی طرح بستر پر پڑے رو رہے تھے اور بڑی اماں جو چائے بنا رہی تھیں یونہی ساکت سی بیٹھی بچوں کو روتے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ کہ بڑے ابا نے ان کی طرف دیکھا۔

"کیا دیکھ رہی ہو۔ اٹھاؤ اسے چپ کراؤ۔ بھوکا ہے شاید۔"

بڑی اماں کانپتی ہوئی اٹھیں اور افزا کے بیٹے کو گود میں اٹھا لیا۔ سائرہ کا بیٹا ہولے ہولے سسک رہا تھا۔ بڑے ابا نے اسے غیر ارادی طور پر اٹھا لیا اور چپ کرانے لگے۔

جنید نے ڈرتے ڈرتے اندر جھانکا۔

"بڑے ابا وہ بچے۔ عبیر اٹھا کر لے آئی ادھر۔"

"جاؤ تم یونیورسٹی۔"

بڑے ابا بچے کی مٹھی سے اپنی داڑھی چھڑا رہے تھے۔

"اور افزا اور سائرہ کو ادھر بھیج دو۔"

"جی۔"

جنید تقریباً بھاگتا ہوا افزا کے کمرے میں آیا جہاں ابھی رونے کا سلسلہ جاری تھی اور اسماء اور شازیہ بھی ان کے ساتھ کھڑی آنسو بہا رہی تھیں۔

"اے بند کرو رونا دھونا۔" عبیر اپنی جنگ جیت گئی ہے۔ ابا ہار گئے ہیں۔"

"بچے کہاں ہیں۔"

سائرہ نے پوچھا۔

"تمہارے صاحبزادے تو اس وقت ابا کی گود میں چڑھے ان کی داڑھی کے بالوں کو بڑی فراخدلی سے نوچ رہے ہیں۔ اور ننھے میاں اماں کے پاس ہیں۔ اور تم دونوں کو بڑے ابا نے بلایا ہے۔"

"ہمیں...... کیوں؟"

افزا شاید اس کی بات سمجھ نہیں پائی تھی۔

"جاؤ بھئی کھا نہیں جائیں گے تمہیں۔"

طلحہ نے کہا۔

اور جب وہ دونوں بچوں کو اٹھائے بڑے ابا کے کمرے سے باہر آئیں تو وہ کچن کے دروازے پر کھڑی جلدی جلدی گرم چائے حلق میں انڈیل رہی تھی۔

"عبیر! ہم تیرا شکریہ کس طرح ادا کریں۔"

افزا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہ ایک اہم مسئلہ ہے، تم اس پر غور کرنا ابھی میں کالج جا رہی ہوں۔"

"صرف ایک کپ چائے پی کر۔"

شازیہ نے فکر مندی سے کہا۔

دو منٹ رکو عبیر! میں ناشتہ لگا رہی ہوں۔

"نہیں اپیا میری بس نکل جائے گی۔"

"میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔"

جنید نے آفر کی۔

''نہیں شکریہ۔ بڑے ابا نے دیکھ لیا نا تمہاری پھٹپھٹی پر بیٹھے ہوئے تو میرا اس گھر میں داخلہ بند کر دیں گے۔''

''اچھا بائے۔''

کپ کاؤنٹر پر رکھ کر بیگ اٹھا کر گلے میں لٹکاتی ہوئی وہ باہر کی طرف بھاگ گی۔

☆☆☆

''آؤ اسماء شمعیں جلائیں ان کے لیے جو مصلوب ہوئے۔''

عبیر اسماء کے ہاتھ سے ماچس لے کر کینڈل اسٹینڈ کی طرف مڑ گئی۔ اسما کو ٹھوکر لگی تو وہ وہیں دروازے کے پاس والے صوفے پر ٹک گئی۔ عبید نے جو بڑی دیر سے باہر اندھیرے میں کھڑا جھانک رہا تھا۔ مڑ کر اسے دیکھا جلتی شمعوں کی زرد روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اور کچھ اداس اداس سی عبیر اسے عام دنوں سے کہیں زیادہ پیاری لگی۔ جب سے وہ آیا تھا یہ لڑکی اسے متاثر کر رہی تھی۔ یہ اس کی سگی چچا زاد جسے اس نے امریکہ جانے سے قبل دو تین بار ہی دیکھا تھا اور کوئی خاص دھیان سے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اب اس گھر میں ہر طرف اسے وہی نظر آتی تھی۔ افزا اور سائرہ کے ساتھ گپ شپ کرتی۔ ان کے بچوں سے کھیلتی ننھی اور گڑیا کو پڑھاتی، اماں اور امی جان کا خیال کرتی ہوئی۔ صبح صبح بیگ گلے میں لٹکائے یونیورسٹی جاتی ہوئی، جنید، طلحہ اور سمیر سے لڑتی جھگڑتی اور خود اس سے افزا اور سائرہ کے معاملے میں بحث کرتی اسے سمجھاتی ہوئی وہ کتنی مختلف اور کتنی اپنی اپنی لگتی تھی۔

''عبیر۔''

اسماء نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

''آپی خوش ہوں گی۔ تم اداس نہ رہا کرو۔''

''نہیں اسماء وہ ایک جانگلوس کے ساتھ کیسے خوش رہ سکتی ہیں۔ وہ تو...... کاش میں ان کے لیے کچھ کر سکتی۔''

''تم نے کوشش تو کی۔ کتنا جھگڑی ہو تم سب سے لیکن مقدر میں یہی لکھا تھا نا۔ اپیا خود بھی نہیں چاہتی تھیں کہ ان کے لیے۔''

''اپیا بھی تم سب کی طرح بزدل ہیں۔ وہ مان جاتیں تو تم دیکھتیں کہ میں کیا کرتی۔''

''کیا کرتی تم؟''

''مصور سے ان کی شادی کرا دیتی۔''

''مصور کون؟''

اسماء نے پوچھا۔

''ہے ایک کلاس فیلو کا بھائی پہلے جنید سے بات کی تھی مگر وہ بزدل ڈرپوک۔''

''شاید عبیر بھائی یہاں ہوتے تو۔''

''کیا تیر مار لیتے وہ پچاس دفعہ کہہ چکی ہوں ان سے کہ افزا اور اسماء کا مسئلہ حل کرائیں۔ بچے بڑے ہو رہے ہیں ان کے کل کو انہیں باپ کی ضرورت محسوس ہوگی۔ کیا مقام ہوگا ان بچوں کا اس گھر میں۔''

تب ہی ایک دم لائٹ آ گئی اور بات کرتے کرتے وہ رک کر عبید کو دیکھنے لگی۔ جو کھڑکی سے ٹیک لگائے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے اس نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ ہولے ہولے چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

''میں نے بڑے ابا سے بات کی تھی افزا اور سائرہ کی جلد ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اور کیا یہ سکندر بھائی اچھے آدمی نہیں ہیں؟''

''اب کیا فائدہ پوچھنے کا؟''

اس نے افسردگی سے کہا۔

''میری اپیا کے ساتھ جو ہونا تھا ہو گیا۔''

''کیا ابا میاں ان لوگوں کو جانتے نہیں تھے۔''

''یہ آپ اپنے ابا میاں سے ہی پوچھیں۔

وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ٹھہرو تو عبیر کہاں جا رہی ہو۔''

اسماء نے اسے آواز دی اور خود بھی کھڑی ہو گئی۔

''ا ہ......!'' عبید اس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ اسماء کو گھبراہٹ سی ہوئی اور دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ بچپن سے ہی عبید کے ساتھ منسوب تھی۔

''جی۔''

اس نے بمشکل سر اٹھایا۔ اس کے رخسار تپ رہے تھے۔

"کچھ نہیں جاؤ۔"

عبید نے آہستگی سے کہا اور واپس مڑ گیا۔

"پتا نہیں، عبید اس سے کیا کہنا چاہتا تھا۔"

اس نے سوچا اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل آئی عبیر باہر نہیں تھی۔ شاید اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اسماء نے سوچا وہ عبیر کی طرف جائے اور اس سے پوچھے کہ وہ اتنی پریشان کیوں ہے۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر کچن کی طرف چلی گئی۔ عبیر واقعی بہت پریشان تھی۔ آج یونیورسٹی میں مصور نے اسے بتایا تھا کہ سکندر نہ صرف یہ کہ نشہ کرتا ہے بلکہ کچھ عرصہ مینٹل ہاسپٹل میں بھی رہ چکا ہے۔ کاش یہ بات اسے پہلے معلوم ہو جاتی تو وہ کبھی بھی اپیا کا رشتہ سکندر بھائی سے نہ ہونے دیتی۔ اسے تو یوں بھی پہلی نظر میں ہی وہ کچھ پسند نہ آئے تھے اور اس نے امی جان سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ یہ رشتہ ہرگز مناسب نہیں ہے۔ پھر افزا اور سائرہ کی مثال سامنے ہے۔ یوں ہی اجنبی لوگوں میں بغیر تحقیق کے رشتہ دے دینا کوئی عقلمندی نہیں ہے۔

"تو کیا ساری زندگی گھر بٹھائے رکھو۔"

ابا میاں نے امی جان سے اعتراض پر کہا تھا۔

"اور پھر صوفی صاحب جو رشتہ لائے ہیں میرے بڑے قابل اعتماد دوست کے جاننے والے ہیں۔ سکندر اچھا لڑکا ہے ایف۔ اے پاس ہے۔ اپنی جاگیر ہے، زمینیں ہیں اور کیا چاہیے۔"

مگر پھر بھی کوئی بات تھی جو عبیر کو کھٹک رہی تھی۔

"کوئی بات غلط ضرور ہے سمیر پلیز۔ تم خود جا کر تحقیق کرو۔ جہاں یہ لوگ رہتے ہیں۔ ادھر ادھر سے پتا کرو۔ چھوٹا شہر ہے لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہی ہوں گے۔"

اور سمیر ابا میاں سے کالج ٹرپ پر جانے کا بہانا کر کے گیا مگر کچھ خاص پتا نہیں چل سکا۔

"جنید! تم نہیں کر سکتے اپیا سے شادی۔"

تب ایک روز اس نے جنید سے کہا۔

"میں۔"

جنید گھبرا گیا۔

"دو تین سال کا ہی تو فرق ہے نا میری اپیا اتنی پیاری ہیں۔"

"مگر عبیر! بات عمر کی نہیں ہے۔ تمہیں نہیں پتا بچپن میں ہی بڑے ابا نے میرا رشتہ ماموں سراج کی بیٹی سے کر دیا تھا۔ ماموں سراج سعودی عرب میں ہیں اور میں نے اس لڑکی کو دیکھا تک نہیں ہے۔"

"تم اپیا کو بچا لو جنید! تم کہہ دو بڑے ابا سے کہ تم اپیا سے شادی کرنا چاہتے ہو۔"

"تم پاگلوں جیسی باتیں کرتی ہو...... کیسے کہوں بڑے ابا سے یہ بات۔ کیا کہیں گے وہ کہ...... ناممکن ہے۔"

اور تب مایوس ہو کر اس نے مصور سے بات کی مصور اس کی کلاس فیلو کا بھائی تھا اور اس کی بے حد عزت کرتا تھا۔

"دیکھو مصور! تمہیں کہیں نہ کہیں تو شادی کرنا ہے۔ تو پھر میری اپیا سے کر لو۔"

"تم کچھ عجیب نہیں ہو عبیر۔"

"شاید۔ مگر یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔"

"تم یہ چاہتی ہو۔"

"ہاں مصور۔ میری آپی بہت اچھی ہیں۔ بہت نازک اور پیاری ہیں۔ بہت محبت کرنے والی۔ تم یقیناً خوش رہو گے۔"

"اچھا تم بھی کیا یاد کرو گی۔ زندگی میں پہلی بار تم نے کچھ مانگا ہے بتاؤ کب بھیجوں اپنی والدہ کو۔"

"تھینک یو مصور۔ میں آج امی سے بات کر کے تمہیں بتا دوں گی۔"

اس دن اس نے ساری تفصیل بتائی لیکن جب امی جان سے ذکر کیا تو وہ حیرت سے اس سر پھری لڑکی کو دیکھنے لگی۔

"امی جان! مصور بہت اچھا لڑکا ہے۔ آپ ابا میاں سے بات کریں۔"

"میں بات کروں گی لیکن خدا کے لیے تم کچھ نہ کہنا پہلے تمہارے یونیورسٹی میں داخلے پر انہوں نے کتنا واویلا مچایا تھا۔ یہ جان کر کہ یہ رشتہ تم لائی ہو وہ بہت خفا ہوں گے۔ میں خود ہی کسی طریقے سے بات کروں گی۔"

اور جب انہوں نے ابا میاں سے ذکر کیا کہ ایک رشتہ ان کی کوئی جاننے والی لائی

ہے۔لڑکا اچھا ہے۔ایم۔اے کر رہا ہے۔کھاتے پیتے لوگ ہیں۔"

"پہلے کہاں تھیں تمہاری یہ جاننے والی؟ اب میں زبان دے چکا ہوں اور مرد کی زبان ایک ہوتی ہے۔"

اور پھر امی جان کی کوئی بات سننے سے انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا۔اور شازیہ سکندر سے بیاہ دی گئی۔ وہ سکندر جس سے مل کر اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا اور جس کے بارے میں آج ہی مصور نے اسے بتایا تھا کہ وہ نشہ کرتا ہے۔

"کاش مصور! تم نے مجھے پہلے بتا دیا ہوتا۔"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ تمہاری اپیا کی شادی اس سکندر سے ہو رہی ہے۔ وہ تو کل میں جہلم گیا تو پتا چلا کہ سکندر بھائی کی شادی راولپنڈی میں ہوئی ہے۔اور ملک افضل خان کے گھر تو مجھے شک گزرا۔اس روز جب تم نے گھر کا ایڈریس بتایا تھا تو یہی نام تھا نا......؟"

"مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟"

اور پھر وہ باقی پیریڈ اٹینڈ کیے بغیر ہی واپس آ گئی تھی۔اس نے اسلام آباد یونیورسٹی میں ہسٹری ایم۔اے کرنے کے لیے داخلہ لیا تھا اور مصور کی بہن راشدہ بھی اس کے ساتھ ہی پڑھتی تھی اور راشدہ کی وجہ سے اس کی مصور سے بات چیت شروع ہوئی تھی۔ دونوں بہن بھائی ہوسٹل میں رہتے تھے۔راشدہ کی طبیعت کچھ زیادہ خراب ہو گئی تھی کہ اسے ہاسپٹل داخل ہونا پڑا تھا۔اور وہ تقریباً روز ہی ہاسپٹل جاتی تھی اور یوں مصور سے روز ہی ملاقات ہو جاتی تھی۔

پھر راشدہ ٹھیک بھی ہو گئی مگر مصور سے سلام دعا ہو جاتی تھی۔ بلکہ وہ خود ہی اس کے ڈیپارٹمنٹ میں آ جاتا تھا۔

شازیہ شادی کے بعد دو بار ہی آئی تھی لیکن اس کے رویے سے کچھ ظاہر نہیں ہوتا تھا۔حالانکہ اس روز جب عبید آیا تو وہ بہت چپ چپ لگ رہی تھی اور عبیر نے پوچھا بھی تھا۔

"آپی آپ خوش ہیں نا؟"

"ہاں۔" وہ مسکرا دی تھیں۔

لیکن پتا نہیں کیوں عبیر کو لگا تھا کہ وہ خوش نہیں ہیں۔اور اب تو تصدیق بھی ہو گئی تھی۔

"پتا نہیں کیسا سلوک کرتا ہوگا۔وہ آپی کے ساتھ۔"

وہ لیٹے لیٹے اٹھ بیٹھی اور دوپٹہ گلے میں ڈالتی ہوئی سیدھی سمیر کے کمرے میں آئی۔

سمیر ابھی کچھ دیر پہلے ہی آیا تھا اور اپنے جوتے اتار رہا تھا۔ جب کہ عبید ایک طرف بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔

"آج اتنی دیر لگا دی......؟"

"ہاں۔آج کچھ دیر ہو گئی۔فنکشن تھا۔"

"سمیر! تم ایک دو دن کی چھٹی نہیں کر سکتے کالج سے۔"

"کیوں؟" سمیر نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"اگر کوئی بہت ضروری کام ہے تو کر لیتا ہوں۔"

"ذرا جہلم جا کر آپی کی خیریت تو معلوم کر آؤ۔"

"چلا جاتا ہوں۔"

سمیر اس کی کوئی بات نہیں ٹالتا تھا۔

"اگر سکندر بھائی اجازت دیں تو دو ایک روز کے لیے لے آنا انہیں۔ بہت دل اداس ہے۔"

"اچھا۔"

"عبیر!" عبید اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

"کوئی خاص بات ہے کیا؟ بہت پریشان لگ رہی ہو۔"

عبیر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

اونچا، لمبا، خوبصورت آنکھوں والا عبید خان۔

اس کا دل یک بارگی سے دھڑکا اور پلکیں جھک گئیں۔

"کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔"

اب وہ کیا بتاتی امی، اسماء اور سمیر سب ہی پریشان ہو جاتے۔

"کوئی بات تو ہے عبیر جب سے میں آیا ہوں اتنا پریشان میں نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

"یوں ہی آپی یاد آ رہی ہیں۔"

"عبیر۔"

اس نے باتھ روم میں جاتے ہوئے سمیر کو دیکھا۔

''مجھے تمہاری بولڈ ٹپس اچھی لگی۔ اور یہ سب کے لیے تمہارا لڑنا جھگڑنا پسند آیا۔ مگر ایک بات تو بتاؤ اگر کبھی تمہیں اپنے لیے لڑنا پڑ گیا تو لڑ سکو گی۔''

''میں غلط بات تسلیم نہیں کرتی...... اور آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں کالج اور پھر یونیورسٹی میں بغیر کسی مزاحمت کے داخل ہو گئی تھی؟ آپ کے بڑے ابا اور ہمارے ابا میاں نے بہت مخالفت کی۔''

''جانتا ہوں۔'' وہ مسکرایا۔

اس کی نگاہیں عبیر کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

اس اس لڑکی میں کتنی کشش ہے۔ اس کی آنکھیں اور اس کے ہونٹ کتنے دل کش ہیں۔ اپنی طرف بلاتے ہوئے سے۔

''عبیر! ابھی ابھی کچھ دیر پہلے میں نے اپنی زندگی کا ایک بہت اہم فیصلہ کیا ہے اور شاید مجھے اس کے لیے جنگ کرنا پڑے۔ تم ساتھ دو گی میرا......''

''ضرور۔'' وہ مسکرائی۔

''بھئی، ہم تو حق کا ساتھ دینے والے ہیں۔ چاہے سر کٹ ہی جائے۔ بائے دا وے کیا فیصلہ کیا ہے۔''

''بتاؤں گا لیکن ابھی نہیں۔ پہلے میں افزا اور سائرہ کا مسئلہ حل کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کل حنیف اور فاروق کو اپنے دفتر میں بلایا ہے۔ اس کے بعد ابا میاں اور بڑے ابا سے بات کروں گا۔''

''گڈ۔ یہ ہوئی نا بات۔''

وہ خوش ہو گئی۔

''مگر دیکھو اپنا وعدہ یاد رکھنا۔ میرا ساتھ دینا ہو گا۔''

''دوں گی۔'' اس نے وعدہ کر لیا۔

''پکی بات۔''

''جی پکی بات۔ کہیے تو اسٹام لکھ دوں۔''

''نہیں، خیر اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تمہاری زبان پر اعتبار کیے لیتے ہیں۔''

عبید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تب ہی سمیر باتھ روم سے باہر نکلا۔

''عبیر! ایک کپ چائے نہ ہو جائے۔''

''کھانے کا ٹائم ہے بھائی۔ اسماء اور افزا غالباً کچن میں ہیں۔''

عبیر نے سستی سے کہا۔

''کھانے میں تو ابھی دیر ہے۔''

سمیر نے وقت دیکھا۔

''کیوں عبید بھائی۔''

''ہاں ٹھیک ہے، میں بھی پی لوں گا۔''

''اچھا بھئی۔''

عبیر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بنا ہی دیتی ہو۔ کیا یاد کرو گے۔''

''تھینک یو سسٹر۔''

سمیر نے سر کو قدرے خم کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا تو وہ ہولے سے اس کے سر پر چپت مارتی ہوئی باہر چلی گئی۔

☆☆☆

زمین زادے چلو باتیں کرو شہر تمنا کی
یہاں تو شام سے پہلے ہی سورج ڈوب جاتا ہے
یہاں ہر خواب سے پہلے ہی نیندیں چونک اٹھتی ہیں
بہاریں یوں گزرتی ہیں کہ جیسے وقت سے ان کی کوئی ازلی عداوت ہو
کوئی بادل نہیں رکتا ہوائیں بے مروت ہیں

پڑھتے پڑھتے عبیر نے سر اٹھایا تو ذرا فاصلے پر کھڑا ہوا عبید اس کے قریب آ گیا۔

''کیا ہو رہا ہے؟''

''یہ نظم دیکھ رہی تھی کتنی خوبصورت ہے۔''

ہوئیں صدیاں کہ آنکھوں میں کوئی سورج نہیں چمکا
کوئی شبنم نہیں اتری کوئی موتی نہیں چمکا
زمیں زادے چلو باتیں کریں شہر تمنا کی۔

"ہاں عبیر چلو باتیں کریں شہر تمنا کی۔"

"تمناؤں کے شہر آباد نہیں ہوتے عبید، یہ صرف دلوں میں بنتے ہیں اور ٹوٹ جاتے ہیں۔"

"تم اتنی مایوس کیوں ہو عبیر۔"

"پتا نہیں۔"

اس نے افسردگی سے کہا۔

"جب سے اپیا واپس اس گھر میں آئی ہیں، مایوسی نے ہولے ہولے میرے دل میں ڈیرے جما لیے ہیں۔"

"ان کا آنا ناگزیر تھا عبیر۔ اب مزید وہاں رہنا ان کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔"

"جانتی ہوں۔"

"دیکھو، کچھ باتیں ہمارے اختیار میں نہیں ہوتی ہیں عبیر ان کا دکھ ان کا کرب اپنی جگہ پر۔ سائرہ اور افزا کا مسئلہ حل ہو گیا ہے، وہ دونوں اپنے گھروں میں خوش ہیں۔ جہاں تک اپیا کی بات ہے تو خدا کوئی نہ کوئی بہتری کی صورت نکالے گا۔"

عبید اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"عبیر! بہت مدت سے میرے ذہن میں ایک ہیولہ سا تھا۔ ایک تصور تھا اور تم عین میرے تصور کی طرح ہو۔ میں جب سے آیا ہوں ہر لمحہ تمہیں سوچتا ہوں۔ عبیر! آؤ عہد کریں کہ ہم دونوں مل کر اس شہر تمنا کی بنیاد رکھیں گے جہاں ہوائیں بے مروت نہیں ہوں گی اور جہاں بہاروں کا بسیرا ہو گا۔ جہاں بادل کھل کر برسیں گے۔ وعدہ کرو عبیر میرا ساتھ دو گی۔"

اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور عبیر نے ہچکچاتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"تھینک یو عبیر۔"

عبید نے ہولے سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔

"مگر مجھے ڈر لگتا ہے عبید! شاید ایسا نہ ہو۔ ایسا نہ ہو سکے بڑے ابا اسے پسند نہ کریں۔"

"تم سب کے لیے لڑتی جھگڑتی ہو کیا اپنے لیے نہیں لڑ سکتیں۔"

"شاید نہیں۔"

اس نے کچھ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تو میں تمہارے لیے لڑوں گا عبیر۔"

"عبید نے بڑے یقین سے عزم سے کہا۔

"تم میرے لیے لڑو گے عبید؟ مگر کیوں؟"

"کیا اب بھی تمہیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ کیوں۔ کیا تم نہیں جانتیں۔"

عبید نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں تمہیں......آئی لو یو عبیر۔"

عبیر کی پلکیں جھک گئیں اور رخساروں پر شفق دوڑنے لگی۔

"آئی لو یو ٹو (I LOVE YOU TOO)" اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"اور تمہاری محبت میرے لیے کتنی قابل فخر ہے تم جو اس گھر کے سب سے ہینڈسم لڑکے ہو۔ بولڈ اور با اعتماد۔ جو اپنے فیصلے خود کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔ اور جو دوسروں کو قائل کر سکتا ہے۔"

عبید گہری نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کی تپش سے گھبرا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھو نا عبیر۔"

"نہیں، وہ ذرا اپیا کو دیکھوں۔ وہ جاگ گئی ہیں۔ یا نہیں۔"

اتنی بولڈ ہونے کے باوجود اس وقت عبید کے پاس بیٹھنا اسے مشکل ہو رہا تھا۔ وہ عبید کو وہیں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی جہاں شازیہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلی پر ٹھوڑی رکھے کچھ سوچ رہی تھیں۔

"آپ پھر سوچ رہی ہیں۔ کتنی بار میں نے آپ سے کہا ہے کہ مت سوچا کریں کچھ۔ بھول جائیں یہ سب۔"

"کیسے بھول جاؤں۔ وہ اذیت جو میں نے برداشت کی وہ دکھ جو میں نے اٹھائے تم نہیں جانتیں۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ وہ شخص کتنا اذیت پسند تھا۔"

وہ سسکنے لگی۔

"اپیا پلیز۔" اس نے انہیں گلے سے لگا لیا۔

''ابا میاں کی ذرا سی کوتاہی، ذرا سی ضد نے آپ کو اتنی اذیت پہنچائی۔ کاش وہ.....مگر اب کیا ہوسکتا ہے۔''

اس کی آنکھوں میں آنسو مچلنے لگے تو شازیہ نے ایک دم اس کے آنسو پونچھ ڈالے۔

''ارے میں نے تمہیں رلا ڈالا عبیر! سچ میں بہت بری ہوں۔''

''کاش میں آپ کے لیے کچھ کرسکتی۔ آپ کو اتنی خوشیاں دے سکتی کہ آپ سکندر بھائی کی دی ہوئی ساری زیادتیاں بھول جاتیں۔''

''تم مجھے بہلاتی ہو، تسلیاں دیتی ہو۔ میرے پاس ہو..... اور مجھے کیا چاہیے۔ مگر زخم بہت گہرے تھے نا جان۔ مندمل ہونے میں کچھ وقت تو لگے گا نا۔ تو پریشان نہ ہوا کر۔ دیکھ تو کتنا ذرا سا تیرا منہ نکل آیا ہے۔''

وہ اپنا دکھ بھول کر اسے بہلانے لگیں تو اسے ان پر ٹوٹ کر پیار آیا اور اس نے بے اختیار ان کے رخساروں پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔

اور پھر بہت سارے دن گزر گئے۔ عبید کی محبت اس کی روح کی گہرائیوں میں اترتی چلی گئی تھی۔ اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ ایک نئی دنیا سے روشناس ہو رہی ہو۔ وہ جو محبت کو محض ایک فسانوی چیز سمجھتی تھی اب خود اس کے سحر میں گرفتار ہوگئی تھی کبھی خیال سے ہی اس کی نبضیں ڈوبنے سی لگتیں۔ وہ ایک شخص کتنا عزیز ہوگیا تھا کہ اس سے جدائی کا خیال ہی اسے بے چین کردیتا تھا۔

اپیا کافی حد تک سنبھل گئی تھیں پھر بھی وہ ان کے لیے پریشان رہتی تھی۔ اس نے ایکبار پھر مصور سے بات کی تھی لیکن مصور نے انکار کردیا تھا۔

''سوری عبیر! میری والدہ ایک مطلقہ لڑکی کے لیے کبھی نہیں مانیں گی۔''

تب اس نے سوچا تھا اگر عبید اپیا سے شادی کرلیں تو۔ اگرچہ اس خیال سے اس کا دل لخت لخت ہونے لگا تھا مگر اس نے بڑے رسان سے شازیہ سے پوچھ لیا تھا۔

''اپیا! آپ کو عبید کیسے لگتے ہیں۔''

''کیوں؟''

شازیہ کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھیں۔

''بھئی، جیسے بہنوں کو بھائی لگتے ہیں پیارے سے۔''

''نہیں اپیا! میں سوچ رہی ہوں اگر عبید سے آپ کی شادی ہو جائے تو آپ خوش رہیں گی۔''

''پاگل ہو تم۔''

وہ بے اختیار ہنس دیں۔

''عبید تو ہمیشہ مجھے سگے بھائیوں کی طرح عزیز رہا ہے اور پھر اپنی بہن کے حوالے سے تو وہ مجھے اور بھی پیارا ہے۔''

''ارے۔''

اس کے رخسار تپ اٹھے اور اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

''تو کیا اپیا جانتی ہیں۔ مگر انہیں کس نے بتایا۔ شاید عبید نے۔'' اور اس کا کانپتا دل ٹھہر سا گیا۔

''تو میرے لیے اتنا نہ سوچا کر عبیر۔''

اسے نظریں جھکائے سوچتے دیکھ کر انہوں نے پیار سے کہا۔

''میں نے اب خود کو سنبھال لیا ہے۔ شاید میرے مقدر میں یہی لکھا تھا۔ ایسا ہی ہونا تھا۔''

''جی نہیں، یہ مقدر میں نہیں لکھا تھا بلکہ ابا میاں کا غلط انتخاب تھا کہ.....''

''پگلی مقدر کے لکھے کو کون ٹال سکا ہے۔''

پھر بھی وہ سوچتی رہتی، الجھتی رہتی کہ کیسے کس طرح اپیا کی اداس آنکھوں میں مسرتیں بھر دے۔

مگر اسے کوئی سجھائی نہ دیتی تھی۔ تب وہ عبید سے کہتی۔

''عبید، میرا دل چاہتا ہے اپیا کا دامن خوشیوں سے بھر دوں..... ہم دونوں مل کر آپی کے لیے خوشیاں تلاش کریں گے۔ تم میرا ساتھ دو گے نا عبو؟''

''ہاں۔'' وہ مسکرا دیتا۔

''ہم دونوں مل کر ایک نئی دنیا دریافت کریں گے۔ ایک شہر تمنا آباد کریں گے۔ تم دیکھنا عبیر تم میرے سنگ ہوگی تو دنیا میرے لیے تمہارے لیے کتنی خوبصورت ہو جائے گی۔''

"ہاں۔ اس خوبصورت دنیا میں کسی کو مصلوب نہیں کیا جائے گا۔ یہاں کوئی قربان گاہ نہیں بنائی جائے گی۔

اس کی آنکھیں خواب دیکھنے لگتیں اور وہ گنگنانے لگتی۔

"زمین زاد سے چلو باتیں کریں شہرتمنا کی۔"

☆☆☆

بڑی دیر سے وہ کاپی پر آڑی ترچھی لکیریں لگا رہی تھی۔ یوں ہی لکیریں لگاتے لگاتے اسے نے لکھا۔

I AM ON THE MERCY OF MY OWN SELF, MY PASSIONS, MY DESIRES

عبید نے جھک کر دیکھا۔

"یہ کیا لکھ رہی ہو۔ میں خود اپنے اپنی آشاؤں اور اپنے جذبوں کے رحم وکرم پر ہوں۔"

"کیوں کچھ غلط لکھ رہی ہوں۔"

عبیر نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"عبیر۔"

عبید تڑپ اٹھا۔

"میں تمہیں بہت بہادر سمجھتا تھا مگر تم نے تو ابھی سے ہمت ہار دی ہے۔"

"مجھے ڈر لگتا ہے۔ خوف آتا ہے۔ پتا نہیں کیوں عبید۔"

"میں تمہارے ساتھ ہوں پھر ڈر کیسا۔"

عبید نے اسے حوصلہ دیا۔

"میں نے بڑے ابا سے کہہ دیا ہے کہ زندگی مجھے گزارنی ہے اور فیصلہ کرنے کا حق بھی مجھے ہی ہونا چاہیے اور یہ کہ مجھے ان کا کوئی ایسا فیصلہ قبول نہیں جو میرے فیصلے سے ٹکراتا ہو۔"

"پھر۔ پھر بڑے ابا نے کیا کہا۔"

"کچھ نہیں، ابھی وہ خاموش ہیں، خفا ہیں مجھ سے لیکن تم مجھ پر یقین رکھو۔ میں

تمہارے لیے ایک دنیا سے ٹکرا سکتا ہوں۔"

"بڑے ابا کی خاموشی جب ٹوٹے گی تو وہ بہت بولیں گے..... بغیر سوچے سمجھے۔"

"مجھے پتا ہے لیکن تم کیوں ڈرتی ہو عبیر۔ مجھے تمہاری بولڈنیس اچھی نہیں لگی تھی۔ تم اس طرح مایوسی کی باتیں کرتی ہوئی ذرا بھی اچھی نہیں لگتی ہو۔ چلو کوئی اچھی سی بات کرو۔ بہت دنوں سے ہم نے ادب، شاعری کسی بھی موضوع پر بات نہیں کی۔ کوئی خوبصورت نظم سناؤ۔ کوئی نئی چیز پڑھی۔"

لیکن وہ سر جھکائے بیٹھی یوں ہی کاپی پر آڑی ترچھی لکیریں لگاتی رہی۔ عبید صحیح کہہ رہا تھا کتنے سارے دنوں سے اس نے عبید سے کوئی اچھی بات نہیں کی تھی۔ جب سے گھر میں عبید کی شادی کا قصہ چلا تھا تب سے بڑے ابا اور عبید کے درمیان کیا باتیں ہو رہی تھیں کسی کو علم نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ کہاں...... کس سے اس بات سے سب بے خبر تھے۔ سوائے عبیر کے جو جانتی تھی۔ اور یہ جان لینا اس کے لیے عذاب بنا ہوا تھا۔ جلے پاؤں کی بلی کی طرح ادھر سے ادھر گھومتی پھرتی اور کوشش کرتی کہ بڑے ابا کا سامنا نہ ہو جائے۔

"بولو عبیر، کیا سوچنے لگی ہو۔"

"کچھ نہیں۔"

"یار! میرا اعتبار کرو۔"

عبید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے تو وہ مسکرا دی۔

"تھینکس۔"

"یہ جنید اور طلحہ صبح سے کہاں غائب ہیں۔"

اس نے یونہی موضوع تبدیل کرنے کے لیے پوچھا۔

"بھئی، وہ تو افزا وغیرہ سے ملنے گئے ہیں۔"

شازیہ نے اندر آتے ہوئے جواب دیا اور پھر عبید کی طرف دیکھنے لگی۔

"عبید یہ کیا ہے۔ یہ تم نے بڑے ابا سے کیا کہا ہے...... مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔"

"میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا اپیا۔ مجھے اپنی پسند سے زندگی گزارنے کا حق ہے۔"

اور یہی بات میں نے بڑے ابا سے کہی ہے کہ شادی میں اپنی پسند سے کروں گا۔''

''لیکن عبید۔'' انہوں نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ اسماء کے دل پر کیا گزرے گی۔ وہ جو بچپن سے دل میں تمہارا خیال لیے بیٹھی ہے۔''

''مگر بچپن کے اس بندھن کا میں تو ذمہ دار نہیں ہوں نا اپیا۔ میں نے اسماء کے لیے ایسا۔''

''پتا نہیں وہ کیا کہہ رہا تھا۔ عبیر نے کچھ نہیں سنا تھا۔ اس کے کان یک دم سائیں سائیں کرنے لگے تھے اور رنگت خطرناک حد تک زرد ہو رہی تھی۔

''عبیر! کیا ہوا؟''

بات کرتے کرتے اچانک عبید کی نظر اس کی سفید رنگت پر پڑی۔

''کچھ نہیں۔''

اس نے بمشکل اپنے آپ کو سنبھالا۔

''سر چکرا رہا ہے شاید۔''

''تم لیٹ جاؤ چندا۔''

شازیہ نے فوراً ہی اسے سہارا دیا۔ ''میں ابھی تمہارے لیے دودھ گرم کر کے لاتی ہوں۔''

وہ گھبرا کر باہر نکل گئیں۔

''عبیر......''

عبید نے کچھ کہنا چاہا۔

لیکن عبیر نے ملتجی نظروں سے اسے دیکھا۔

''LEAVE ME ALONE PLEASE'' (مجھے تنہا چھوڑ دو پلیز)

''آل رائٹ۔''

عبید نے سر ہلایا۔

''لیکن پلیز تم اپنے ذہن پر بار مت ڈالو۔ کچھ مت سوچو۔''

وہ اسے تاکید کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

''یہ کیا ہوا تھا۔ نہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ تو عبید اسماء سے منسوب تھے۔ اور مجھے کیوں خبر نہ ہوئی۔ کاش مجھے علم ہوتا تو میں اتنا آگے نہ بڑھتی۔ اوہ میرے خدا۔'' اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

''یہ میں کیا کرنے چلی تھی۔ اپنی بہن کی خوشیوں کی قاتل بننے چلی تھی پر خدا جانتا ہے۔ میں بے خبر تھی۔ لاعلم تھی۔ تب ہی اسماء اتنے دن سے چپ چپ سی تھی۔ آنکھیں ہر وقت سرخ سرخ رہنے لگی تھیں جیسے روتی رہی ہو۔

اس کے اندر عجیب سی ٹوٹ پھوٹ مچی تھی۔ دل کٹ رہا تھا۔ لخت لخت ہو رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ خوب چیخ چیخ کر روئے اور زور سے مگر وہ ضبط کیے پڑی رہی۔

شازیہ دودھ لائیں۔ تو اس نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

''اپیا پلیز، میرے پاس بیٹھ جائیں۔ میرا دل ڈوب رہا ہے۔''

''کیا ہوا جان۔''

وہ گھبرا گئیں۔

''اپیا! مجھے اپنے سینے سے لگا لیں۔ میں شاید مرنے لگی ہوں۔''

''عبیر عبیر۔ کیا ہو گیا ہے تجھے۔''

انہوں نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

''میں موت کی اذیت سے گزر رہی ہوں۔'' وہ سسکی۔

''اسماء۔ اسماء امی جان۔ امی جان۔''

شازیہ نے روتے ہوئے سب کو پکارا۔

''عبیر کو کچھ ہو رہا ہے۔''

''نہیں پلیز اپیا کسی کو مت بلائیں۔''

اس نے التجا کی مگر اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

پھر سب ہی اس کے کمرے میں اکٹھے ہو گئے لیکن وہ ہوش میں نہیں تھی۔ اسے شدید نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ سب اس کے لیے کتنے پریشان تھے۔ سمیر تو ایک لمحے کے لیے بھی اس کے پاس سے نہیں گیا تھا۔ اسماء اور شازیہ کو کھانا پینا بھول گیا تھا اور امی جان تو کتنی کتنی دیر سجدے میں پڑی گڑگڑاتی رہتیں۔

اور وہ دل ہی دل میں سب کی ان بے تحاشا محبتوں پر شرمندہ ہوگئی۔

''میں نے سب کو پریشان کر دیا۔''

''قسم سے عبیر اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں بھی زندہ نہ رہتا۔''

سمیر نے ایک روز کہا۔

''اور میں بھی شاید۔''

اسماء نے اس کی تائید کی۔

''اور امی جان کی تو حالت اتنی خراب تھی نا۔''

وہ ان کے پاس نہیں رہی تھیں۔ یہاں پلی بڑھی نہیں تھی پھر بھی سب اسے کتنا چاہتے تھے۔ کتنی محبت کرتے تھے۔

''ویسے ایک دم تمہیں کیا ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں کو تمہاری بیماری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔''

اسماء نے اسے جوس پلاتے ہوئے کہا۔

''پتا نہیں اسماء۔ بس ایسے ہی اچانک دل بے حد گھبرانے لگا تھا۔''

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور جوس کا گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''بس اب جلدی سے اچھی ہو جاؤ۔''

سمیر اس کے سر کو سہلاتے ہوئے باہر چلا گیا تو اس نے گہری نظروں سے اسماء کی طرف دیکھا جس کا رنگ بہت پیلا ہو رہا تھا۔

''میری بیماری نے تمہیں تھکا دیا ہے اسماء۔''

''نہیں تو میں ٹھیک ہوں۔''

''اسماء! تمہیں عبید سے بہت محبت ہے۔''

اسماء کی پلکیں جھک گئیں۔

''اپیا بتا رہی تھیں کہ بچپن میں ہی بڑے ابا نے عبید کے ساتھ تمہیں منسوب کر دیا تھا۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''لیکن شاید تمہیں نہیں معلوم اس نے انکار کر دیا ہے۔''

اس کی آواز بھرا گئی۔

''اسماء! تم پریشان نہ ہو۔''

عبیر نے اسے تسلی دی۔

''میں سب ٹھیک کر لوں گی۔''

''کیسے عبیر! تم کیا کرو گی۔''

''میں اس عبید کے بچے کو سیدھا کر دوں گی۔ دیکھنا تم۔'' وہ زبردستی ہنسی۔

''ارے بھئی، کسے سیدھا کر دو گی تم؟''

عبید نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ تو اسماء اٹھ کر باہر چلی گئی۔

''کیسی ہو عبیر تم نے تو جان ہی نکال دی تھی۔''

''ٹھیک ہوں۔''

وہ ایک دم سے سنجیدہ ہوگئی۔

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ تم اسماء سے منسوب ہو۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا تھا عبیر۔''

''پڑتا تھا فرق۔''

اس نے آہستگی سے کہا لیکن عبید نے سنا نہیں۔ وہ بے حد خوش لگ رہا تھا۔

''پتا ہے عبیر۔ بڑے ابا کچھ کچھ مان گئے ہیں۔ آج صبح انہوں نے جنید سے کہا تھا کہ اس سے پوچھو وہ کون کمبخت ہے۔ جس کے ساتھ یہ شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''عبید۔''

عبیر نے اپنے تیزی سے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھا۔

''تم اسماء سے شادی کر لو۔''

''نہیں، یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''صحیح کہہ رہی ہوں۔''

''نہیں، یہ ناممکن ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں تمہارے۔''

''لیکن عبید! میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔''

''کیوں۔ کیوں عبیر۔''

‘‘میں نے بہت سوچا ہے عبید!’’

اس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔

‘‘اور محسوس کیا ہے جیسے میں تمہارے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی عبید...... یہ قربان گاہ ہے۔ جہاں جیتے جاگتے انسانوں کو مصلوب کر دیا جاتا ہے۔’’

‘‘ہم یہاں نہیں رہیں گے عبیر! تم نہیں چاہو گی تو نہیں رہیں گے۔ اپنا الگ گھر بنا لیں گے۔’’

‘‘نہیں عبید! تم سمجھ نہیں رہے ہو۔ میں شاید تم سے محبت نہیں کرتی تھی۔ وہ محبت نہیں تھی۔’’

‘‘تم جھوٹ بول رہی ہو۔ ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو۔’’

مگر اس نے اپنا سر نہیں اٹھایا کہ کہیں اس کی آنکھوں سے وہ اس کے دل کا راز نہ پا لے۔

‘‘نہیں، تم جھوٹ بول رہی ہو عبیر! میں جانتا ہوں۔ مجھے علم ہے۔’’

وہ مضطرب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

‘‘تم نے خود ہی کہا تھا کہ ہم ایک شہرِ تمنا بسائیں گے...... جہاں سورج نہیں ڈوبے گا۔ جہاں......’’

‘‘ہاں۔’’ اس نے سوچا۔

مگر کیا کر سکو گے تم مگر کیا کر سکیں گے ہم
کہ ہم اس شہر میں بے خواب راتوں کے حوالے ہیں
زمیں زادے چلو باتیں کریں شہرِ تمنا کی
یہ باتیں جو سلگتی ہیں مگر کرنیں نہیں بنتیں۔

‘‘عبیر...... عبیر۔’’

عبید نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔

‘‘کہہ دو کہ جو کچھ میرے کانوں نے سنا ہے غلط ہے۔’’

‘‘کچھ بھی غلط نہیں ہے عبید۔’’

اس نے پُر یقین لہجے میں کہا۔

‘‘وہ سب شاید دھوکا تھا۔’’

‘‘کسے دھوکا دے رہی تھیں۔ مجھے یا خود کو......’’

عبید نے تیز لہجے میں پوچھا۔

‘‘سوری عبید! اگر تمہیں دکھ ہوا تو۔’’

‘‘دکھ بہت معمولی لفظ ہے۔ یہ عبیر بیگم تم نے تو میرے دل کو دولخت کر دیا ہے۔’’

عبید کی آواز گر گئی۔

‘‘میں نہیں جانتا تھا کہ تم مجھ سے محبت کا کھیل، کھیل رہی ہو۔ تم......تم۔’’

اور پھر وہ اپنی بات نامکمل چھوڑ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ اور اس نے نڈھال سی ہو کر سر تکیے پر ڈال دیا۔

ابا میاں نے عبیر اور اسماء کی شادی ایک ساتھ کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ اسماء کی شادی تو عبید سے ہو رہی تھی لیکن عبیر کی شادی کس سے ہوگی؟ اس کا علم ابھی کسی کو نہیں تھا۔ ابا میاں نے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ لڑکا اچھا ہے۔ کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ اپنا کاروبار کرتا ہے۔

‘‘ابا میاں ذرا اچھی طرح سے تحقیق کر لیجیے گا۔’’

سمیر نے دبے لفظوں میں کہا تو وہ بھڑک اٹھے۔

‘‘احمق سمجھتے ہو مجھے۔ پاگل ہوں میں۔ اگر شازیہ کے سلسلے میں دھوکا ہوا ہے تو ضروری نہیں کہ ہر بار۔’’

اور وہ غصے میں بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گئے۔

‘‘دیکھو عبیر! میں خود معلومات کرواؤں گا۔ اگر وہ لڑکا اچھا نہ ہوا تو انکار کر دینا صاف۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ ڈرنا بالکل نہیں۔’’

سمیر اسے تسلیاں دے کر چلا گیا۔ تو وہ زرد رنگت کے ساتھ ساکت بیٹھی سوچتی رہی۔ تو یوں ہونا تھا اس سب کا انجام اور میں تو۔’’

تب ہی عبید نے جھانک کر اسے دیکھا۔ وہ بے حد افسردہ اور شکستہ لگ رہی تھی۔

‘‘عبیر۔’’ وہ اس کے قریب چلا آیا۔

عبیر نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ بے حد پریشان لگ رہا تھا۔

''تم......!''

''ہاں عبیر میں۔''

''یہ سب۔ یہ سب مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔ میں اس طرح جی نہیں پاؤں گا۔ میں جانتا ہوں تم اسماء کے لیے، اسماء کی خاطر یہ سب کر رہی ہو لیکن اس طرح نہ تم خوش رہ پاؤ گی نہ میں۔ اور شاید اسماء بھی نہیں۔''

''نہیں عبید تم خوش رہو گے اور اسماء بھی۔ تمہیں اسے خوش رکھنا ہوگا۔ اس گھر کی بیٹیوں کو کبھی خوشی نہیں ملی عبید اور تمہیں یہ روایت توڑنی ہے۔''

''اب بھی وقت ہے۔ سوچ لو۔ میں اب بھی سب سے ٹکر لے سکتا ہوں۔''

''میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔''

''تم بہت ظالم ہو عبیر۔''

''نہیں۔'' اس نے نگاہیں اٹھائیں۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری تھیں۔

''تم نے کہا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔''

''کیا تم نہیں کرتیں؟''

''پتا نہیں تم میری بات کا جواب دو۔''

''ہاں، کہا تھا۔''

''تو محبت کرنے والے تو بڑا گداز دل رکھتے ہیں عبید! تمہیں اس محبت کی قسم عبید اسماء کو بہت خوش رکھنا اور وہ سب بھول جانا۔''

اس نے یک دم رخ موڑ لیا۔ عبید لمحہ بھر اس کی پیٹھ پر نظریں جمائے کھڑا رہا۔

''تمہارے لیے۔ تمہاری خوشی کے لیے میں......''

اور پھر بات ادھوری چھوڑ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا اور وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

''عبیر......!'' اپیا جانے کب اندر آئی تھیں۔

''تم رو رہی ہو۔''

''بس یوں ہی دل گھبرا رہا ہے۔''

اس نے جلدی سے آنسو پونچھے۔

''عبیر۔'' ایک بات پوچھوں؟''

وہ اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔

''جی۔''

''کیا تم اور عبید ایک دوسرے کو۔''

''نہیں......نہیں اپیا۔''

اس نے بڑے پر یقین لہجے میں کہا۔

''عبید اسماء کی نسبت سے میرے لیے بڑے محترم ہیں۔''

''میں......میرا خیال تھا کہ......''

''نہیں، آپ کا خیال غلط ہے۔''

اس نے ان کی بات کاٹ دی۔

''تم اور عبید اتنے پریشان ہو۔ میرے ساتھ جھوٹ نہ بولو سچ بتاؤ۔ اگر ایسا ہے تو۔ تو اسماء کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ تم عبید کو پسند کرتی ہو۔''

''نہیں۔ میں سچ نہیں بولوں گی۔ اس لیے کہ میں مصلوب نہیں ہونا چاہتی۔ میں سچ نہیں بولوں گی۔''

''ارے نہیں آپی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''سچ کہہ رہی ہو نا؟''

انہوں نے مطمئن ہو کر پوچھا۔

''جی۔'' وہ پھر ہنس دی۔

''ارے ابا میاں آ گئے اتنی جلدی۔''

شازیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

باہر سے ان کی آواز آئی۔

''میں نے ہاں کر دی ہے۔ شام کو لڑکے والے انگوٹھی پہنانے آئیں گے۔''

''مگر لڑکا کرتا کیا ہے۔''

''اپنی دکان ہے۔''

وہ بہت خوش لگ رہے تھے۔

''کچھ پڑھا لکھا......؟''

امی جان کی دبی دبی سی آواز آئی۔

''آٹھ جماعتیں پاس ہے۔''

''پر اپنی عبیر تو۔''

''ارے کیا عبیر کی پڑھائی۔ لڑکا کما رہا ہے۔''

وہ جانے کیا کہہ رہے تھے۔ اس نے سنا ہی نہیں۔

وہ مصلوب نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اسے مصلوب ہونے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مگر پھر بھی اسے لگا جیسے اس کے جسم میں میخیں گاڑی جا رہی ہوں۔ یہاں وہاں ہر جگہ۔''

''نہیں، میں مصلوب نہیں ہونا چاہتی۔'' اس نے سسکی لی۔

''میں سچ نہیں بولوں گی۔ میں عبید سے محبت نہیں کرتی۔''

اس کے ہونٹ لرز رہے تھے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔

ایپا! قربان گاہ پر شمعیں جلا دو۔

ان کے لیے جو مصلوب ہوئے۔

''اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں زبان دے چکا ہوں۔''

باہر ابا میاں زور سے دہاڑے۔

میخیں اس کے جسم میں گاڑی جا چکی تھیں اور ان کی اذیت اس کی رگوں میں اتر رہی تھی۔

''ایلی۔ ایلی لما سبقتنی (اے میرے رب تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا)۔ اس کے لب کانپے اور وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆☆☆